حرم شریف کے مقدس ماحول میں دیئے گئے درسِ قرآن کے ایمان افروز بیانات کا قیمتی مجموعہ

سورہ رحمٰن، سورہ واقعہ اور سورہ مجادلہ کی دل نشیں تفسیر

بعض پیش آمدہ مسائل کا حل ۔۔۔ مقررین و واعظین کیلئے علمی تحفہ

دروسِ حرم

جلد چہارم

خطیب حرم محمد حجازی (محمد مکی حجازی)

استاذ مسجد الحرام مکۃ المکرمۃ

دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد (الہند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دروسِ حرم

جلد چہارم

سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ اور سورۂ مجادلہ کی دل نشیں تفسیر

محمد خیر محمد حجازی (محمد مکی حجازی)

استاذ مسجد الحرام مکۃ المکرمۃ

ترتیب:

مفتی اشرف علی قاسمی سبیلی

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد (الہند)

جملہ حقوق محفوظ

کتاب : دروسِ حرم (جلد چہارم)
تالیف : شیخ محمد خیر محمد حجازی (محمد مکی حجازی)
ترتیب : مولانا مفتی اشرف علی قاسمی سبیلی
زیر اہتمام : محمد عبدالمنان صدیقی، ایم اے، ایم فل (عثمانیہ)
کتابت : محمد عرفان عالم قاسمی
سرورق : محمد اختر حسین
طبع اوّل : ربیع الاول ۱۴۱۵ھ م اگست ۱۹۹۴ء
تعداد : دو ہزار
قیمت : دو سو روپے

ناشر:
دار الاشاعت دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد (الہند)

DAR UL-ULOOM SABEELUSSALAM,
Sabeel Nagar, Balapur, Barkas, Hyderabad - 500 005. A.P. INDIA. Ph : 239450

ملنے کے پتے:

- ندوہ ایجنسی ارم کاٹیج، اعظم پورہ، حیدرآباد Ph : 529101 (سول ایجنٹ)
- ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان۔ حیدرآباد۔ Ph : 523011
- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان، حیدرآباد۔ Ph : 522385
- اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، چارمینار، حیدرآباد۔ Ph : 564312
- قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، دیوبند بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی Ph : 4617240

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
پیش لفظ	مولانا محمد رضوان القاسمی ۱۳
حرفے چند	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۱۸
سورۃ الرحمٰن	
درس ۱ (آیت ۱ تا ۲۵)	
ترجمہ	۲۱
یہ سورت مکی ہے یا مدنی ؟	۲۲
ماقبل سے ربط	۲۳
شکر کا مطلب	۲۴
اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق	۲۵
لمحۂ فکریہ	۲۷
آمدم برسرِ مطلب	۲۸
قرآن ـــــ خدا کی رحمتِ خاص	۲۹
نزول قرآن ـــــ فطرت انسانی کا تقاضا	۲۹
سورج اور چاند بھی نعمتِ خداوندی ہے	۳۰
تنے دار اور غیر تنے دار درخت	۳۱
آسمان اور میزان	۳۲
وضع میزان کا مقصد	۳۲
زمینات اور پھول و پھل کا نظامِ ربانی	۳۴
نعمتِ خدا کی یاد دہانی	۳۵
فبای الآء ربکما تکذبانِ کا جواب	۳۵
انسان کا مادۂ تخلیق	۳۶
مخالفینِ اسلام کا دامِ فریب	۳۸

عنوان	صفحہ
جنات کا مادۂ تخلیق	۳۸
مشت خاک کا عروج	۳۹
دو مغرب اور دو مشرق کی تشریح	۴۰
روز و شب بھی عظیم نعمت ہے	۴۲
دو دریاؤں کا حسین امتزاج	۴۴
جائے عبرت	۴۷
ایک مثال	۴۹
دو عظیم اور قیمتی نعمتیں	〃
شور دریا بھی اللہ کی نعمت	۵۰
دریا میں کشتی کا چلنا	۵۱
دنیا کی ہر چیز انسان کیلئے اور انسان خدا کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا	۵۳
انسان کی احسان فراموشی	۵۴
درس ۲ (آیت ۲۶ تا ۳۶)	۵۵
ترجمہ	۵۶
ماقبل سے ربط	〃
اللہ کے سوا ہر چیز فانی	۵۷
اللہ سب کا مرجع حقیقی	۵۹
ہر لمحہ حق تعالیٰ کی ایک خاص شان	۶۱
جن و انس کی طرف خصوصی توجہ	۶۳
ہر چیز خدا کے قبضۂ قدرت میں	۶۵
شعلے اور دھوئیں کی سزا	۶۷

عنوان	صفحہ
درس ۳ (آیت ۳۷ تا ۴۰)	۶۹
ترجمہ	۶۹
روزِ قیامت اور حساب و کتاب	۶۹
تفسیر میں اختلاف اور ذہنی الجھن	۷۱
متجددین کا غلط اندازِ فکر	۷۳
اسلام کی بنیادی تعلیمات	〃
امام رازی کا ایک دلچسپ واقعہ	۷۵
اصل مقصد کی طرف رجوع	۷۶
ایں چہ بوالعجبی ست	۷۷
مشرکین کا مسجد میں داخلہ	۷۸
مجرموں کا جرم خود ہی واضح ہو جائے گا۔	۷۹
درس ۴ (آیت ۴۱ تا ۴۵)	۸۳
ترجمہ	〃
روزِ قیامت مومنوں کی پہچان	〃
کافروں کی علامات	۸۴
علامتیں اعمال کے اعتبار سے ہوں گی	۸۵
آرزوئے مؤمن	۸۶
سزا کی نوعیتیں	۸۷
روحانی اور جسمانی سزا	۸۸
احکامِ دین کا استہزار کفر ہے	۸۹
ارشاداتِ نبوی افسانہ نہیں ہیں	۹۱
وحی کے ذریعہ اَن دیکھی باتوں کا علم	۹۲
گرم پانی سے جہنمیوں کی ضیافت	۹۴
پھر یہ نعمت کیسے؟	۹۵

عنوان	صفحہ
درس ۵ (آیت ۴۶ تا ۵۳)	۹۶
ترجمہ	۹۷
آیات کی تشریح	〃
جنتوں کی توضیح اور دیدارِ باری تعالیٰ	۹۸
آیات کا مصداق	۹۹
بعض متجددین کا شبہ	۱۰۱
حضرت ابوبکر صدیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں	۱۰۲
آیت کا ایک اور مصداق	۱۰۳
آیت کا حکم عام ہے	〃
تزکیۂ نفس کیلئے اہل اللہ کی صحبت ضروری ہے	۱۰۴
امت اور صاحب امت کا مجاہدہ	۱۰۵
خانۂ کعبہ نیکیاں لوٹنے کی جگہ ہے۔	۱۰۶
جنت ہر مومن کے لئے ہے	۱۰۸
خطا اور توبہ ——— خاصۂ بشریت	۱۰۹
مؤمنین جنات بھی جنت میں جائیں گے	۱۱۰
جنت کے باغات	۱۱۱
درس ۶ (آیت ۵۴ تا ۶۱)	۱۱۲
ترجمہ	〃
دنیا کی پابندیاں آخرت میں نہیں ہوں گی	〃
ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۱۳
مستشرقین کا ایک اور شبہ	۱۱۴
جنت کے بستر	۱۱۵
جنت کے میوے	۱۱۶
حوریں شوہر نا آشنا ہوں گی	۱۱۷

عنوان	صفحہ
عورتوں کا باہر نکالنا	۱۱۸
دورِ حاضر کا المیہ	۱۱۹
معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ	۱۲۰
درس ۷ (آیت ۶۲ تا ۶۹)	۱۲۱
ترجمہ	〃
اول اور آخر آیات میں ربط	〃
علمِ قرآن کا تقاضا	۱۲۳
نیکوکاروں کی جنتیں	〃
جنت کے اقسام	۱۲۴
اولاد کے اعمالِ صالحہ	۱۲۵
فرقِ مراتب اور نظامِ عالم	۱۲۶
مساوات کا مفہوم	۱۲۷
جنت اور سامانِ آرائش و آسائش	۱۲۸
جنت میں اپنے حصہ پر قناعت	〃
جنت الفردوس کی آرزو	۱۳۰
باغات میں درخت اور چشمے	〃
جنتی میوے	۱۳۱
کھجور کی خاصیتیں	۱۳۲
درس ۸ (آیت ۷۰ تا ۷۸)	〃
ترجمہ	۱۳۳
گذشتہ سے پیوستہ	〃
حورانِ جنت کیسی ہوں گی؟	۱۳۴
عصرِ حاضر میں خوبصورتی کا معیار	۱۳۵
جنتی عورتیں کنواری ہوں گی	۱۳۷

عنوان	صفحہ
صحبت کے وقت دعا کی حکمت	۱۳۷
اہلِ جنت کے فرش	۱۳۸
اللہ کی ذات بابرکت ہے	〃
سورۃ الواقعۃ	
درس ۱ (آیت ۱ تا ۱۲)	۱۴۰
ترجمہ	〃
سورۂ واقعہ اور اس کی فضیلت و خصوصیت	〃
پہلی سورت سے ربط	۱۴۲
اسلام کے بنیادی عقیدے	۱۴۳
۱۔ توحید	〃
۲۔ رسالت	〃
۳۔ عقیدۂ آخرت	۱۴۴
وائے! حرمانِ نصیبی	۱۴۵
قیامت ــــ عین حکمت کا تقاضا	۱۴۶
زیارتِ قبور کی اجازت کی حکمت	۱۴۷
قرآن میں تذکرۂ آخرت کا انداز	〃
قیامت آکر رہے گی۔	۱۴۸
عزت و ذلت کا معیار	۱۴۹
نظامِ کائنات میں ہلچل	۱۵۰
لوگوں کی تین قسمیں	۱۵۲
۱۔ دائیں والے	۱۵۳
۲۔ بائیں والے	〃
۳۔ سبقت کرنے والے	۱۵۴
بعض کوتاہ فہمیاں	۱۵۵
پنبہ کجا کجا نہم	۱۵۶

عنوان	صفحہ
"سابقون" کون لوگ ہیں؟	۱۵۹
اخوت اور بھائی چارگی کا تقاضا	۱۶۲
مخالفین کی کج فہمی	۱۶۳
سبقت کرنیوالوں کا صلہ	۱۶۵
گناہوں سے توبہ اور صالحین کی صحبت	۱۶۶
حضورؐ کی صحبت	۱۶۷
حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا واقعہ	۱۹۹
نیکوں اور بروں کی ہم نشینی اور اس کے اثرات	۱۷۰
شرک و بدعت کی عام وبا	۱۷۱
صحبت کا اثر	۱۷۲
درس ۲ (آیت ۱۳ تا ۲۶)	۱۷۵
ترجمہ	۱۷۵
پہلے کی آیتوں سے مناسبت	۱۷۶
اولین و آخرین سے مراد	" "
مشاجرات صحابہ میں رائے زنی کی ممانعت	۱۷۹
جنتیوں پر انعامات اور نوازشیں	۱۸۱
جنت میں پہلے جانے والے	۱۸۲
نوعمر لڑکے ہر وقت حاضر باش ہوں گے	۱۸۴
کیا جنتیوں کے خدام کفار کے بچے ہوں گے	" "
جنتی شراب دنیوی شراب سے جداگانہ ہوگی	۱۸۵
آمدم برسر مطلب	۱۸۷
من پسند پھل	۱۸۸

عنوان	صفحہ
من چاہا گوشت	۱۹۰
غزال چشم حوریں	۱۹۳
پوشیدہ موتیوں جیسی حوریں	" " "
قرارت کا فرق	۱۹۵
یہ نیک عمل کا بدلہ ہوگا	۱۹۶
وہاں ناشائستہ باتیں نہیں ہوں گی	۱۹۷
ہر طرف ـــــ سلام ہی سلام	" " "
جنت ـــــ صبر کا بدلہ	۱۹۸
سلام، مسلمانوں کا شعار ہے	۱۹۹
جنت اور جہنم افسانہ نہیں ہیں	۲۰۱
ایک عورت کا واقعہ	۲۰۲
جنتی ہونے کی پہچان	۲۰۳
بریں عقل و دانش بباید گریست	۲۰۵
درس ۳ (آیت ۲۷ تا ۳۹)	۲۰۶
ترجمہ	۲۰۷
گذشتہ سے پیوستہ	" "
دائیں والے	۲۰۸
قرآن ـ اعجاز و بلاغت کا شاہکار	۲۰۹
اصحاب الیمین نام کیوں؟	۲۱۱
جنتی انعامات اور نوازشیں	۲۱۱
۱۔ بے خار بیریاں	۲۱۱
بیری کے درخت ذکر کرنے کی وجہ	۲۱۲

عنوان	صفحہ
مغربی تہذیب کے دلدادوں کی زینت	۲۱۴
۲۔ تہ بہ تہ کیلئے	۲۱۵
۳۔ ہر طرف سایہ ہی سایہ	〃
۴۔ رواں پانی	۲۱۷
۵۔ ختم نہ ہونے والے، بے شمار پھل	۲۱۸
۶۔ آرام دہ بستر	〃
۷۔ حورانِ جنت اور انکی خصوصی ساخت	۲۱۹
نیک عورتیں شوہروں کے ساتھ ہوں گی	۲۲۰
جنتی عورتوں کی صفتیں	۲۲۱
نیک خاتون	۲۲۴
بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا؟	۲۲۵
جنتی حوریں اور ان سے جنسی استفادہ	۲۲۷
دشمنانِ دین کا بے ہودہ اعتراض	۲۳۰
دنیا میں حضورؐ کی قوت	〃
غلط عقائد	۲۳۲
شفاعت کے مستحق کون لوگ ہیں؟	۲۳۳
شفاعت اور اس کی اقسام	۲۳۶
بعض بدعقیدگیاں	۲۳۹
ہم عمر حوریں	۲۴۰
اصحاب الیمین کیلئے	۲۴۱
انعامات میں فرق	۲۴۲
اگلوں اور پچھلوں دونوں ہی میں اصحاب الیمین	۲۴۴
درس ۴ (آیت ۴۰ تا ۵۶)	۲۴۷

عنوان	صفحہ
ترجمہ	۲۴۷
پہلے کی آیتوں سے ربط	۲۴۸
بائیں والے	〃
گرم ہوا اور گرم پانی	〃
سایہ — جو سود مند نہیں ہوگا	۲۵۰
جہنم میں داخلہ کے بنیادی اسباب	۲۵۲
۱۔ خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال	〃
۲۔ شرک اور گناہوں پر اصرار	۲۵۴
۳۔ حشر ونشر سے انکار	۲۵۶
ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۵۸
کفار کو تنبیہ	۲۶۱
بندوں کو موت کا علم نہ دیئے جانے کی حکمتیں	۲۶۲
کافروں کیلئے سامانِ ضیافت	۲۶۴
۱۔ بدبودار، کانٹے دار درخت	〃
کافروں کا اعتراض	۲۶۶
۲۔ گرم پانی	۲۶۷
"ہیم" کا مفہوم	〃
یہ چیزیں بطورِ ضیافت ہوں گی	۲۶۸
درس ۵ (آیت ۵۷ تا ۷۴)	۲۷۰
ترجمہ	〃
پھر یہ انکار کیوں؟	۲۷۱
انسان کی پیدائش اور قیامت	۲۷۲

عنوان	صفحہ
موت سے مفر نہیں	۲۷۴
پہلی پیدائش اور اس سے عبرت	۲۷۶
کھیتیوں سے جزا پر استدلال	۲۷۷
انسان کا عجز	۲۷۸
پانی کی نعمت کی طرف اشارہ	۲۷۹
پانی کی نعمت ملنے پر شکرِ خداوندی	۲۸۰
آگ کی طرف اشارہ	〃
آگ ـــــ سامانِ عبرت ہے	۲۸۱
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کی تاکید	۲۸۳
درس ۶ (آیت ۷۵ تا ۸۱)	۲۸۴
ترجمہ	〃
پہلی آیتوں سے ربط	〃
یہ کہانت نہیں	۲۸۵
مواقع النجوم سے مراد	۲۸۷
قرآن کی عزت وحفاظت	۲۸۸
لایمسہٗ الا المطہرون اور اس کی مراد	۲۹۰
چند ضروری مسائل	۲۹۱
قرآن ـــــ اللہ کی جانب سے ہے	۲۹۲
کافروں کی ہفوات اور حقیقت کا بھی اعتراف	〃
قرآن کا ابدی اعجاز	۲۹۵
مسلم قوم کا المیہ	۲۹۷
قرآن سے دوری ـــــ اسلامی تعلیم نہ ملنے کا نتیجہ	۲۹۸

عنوان	صفحہ
قرآن سے بے اعتنائی پر زجر وتوبیخ	۳۰۰
شکر کے بجائے تکذیب	۳۰۱
ایک مثال	۳۰۳
مروجہ بدعات اور قرونِ اولیٰ	۳۰۴
اپنے استاذ کا معمول	۳۰۶
افسوس صد افسوس!	۳۰۷
درس ۷ (آیت ۸۲ تا ۹۶)	۳۱۰
ترجمہ	〃
قرآن کا طرزِ تخاطب	۳۱۱
پہلی آیتوں سے ربط	۳۱۲
ایک شبہ کا جواب	۳۱۳
سب لوگ موت کے اسیر ہیں	۳۱۴
اللہ ـــ انسان کے سب سے زیادہ قریب ہے	۳۱۵
وحدت الوجود کا عقیدہ باطل ہے	۳۱۷
غیر اللہ کو پکارنا ـــ غیر اسلامی عقیدہ و عمل ہے	۳۱۸
انسان کی بے چارگی	۳۲۰
مقربین کے لئے آرام ہی آرام	۳۲۲
سعادت مندوں کیلئے سلام ہی سلام	۳۲۳
لطیف اشارہ	۳۲۵
جھوٹے اور گمراہ	۳۲۶
یہ یقینی باتیں ہیں	〃
آپ پاکی بیان کیجئے	۳۲۷

عنوان	صفحہ
سُورۃ المجادلۃ	
(آیت ۱ تا ۴)	۳۲۹
ترجمہ	" "
ماقبل سے ربط	۳۳۰
شانِ نزول	۳۳۲
روزوں میں تسلسل کا خاص خیال	۳۳۵
حضرت اوس کا جواب	۳۳۶
ائمہ کا اختلاف	۳۳۷
آیت کے مخاطب کون ہیں؟	" "
ظہار، طلاق اور ایلاء میں فرق	۳۳۸
طلاق کی قسمیں	" "
ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم	۳۴۰
ایک ضروری وضاحت	۳۴۰
طلاق ایک ناپسندیدہ عمل	۳۴۱
ایلاء	" "
طلاق دینے کا بہتر طریقہ	۳۴۲
طلاق کی پیش بندی	۳۴۳
فالی اللہ المشتکی	۳۴۴
عفت و پاکدامنی ـــــ نکاح کا خاص مقصد	۳۴۵
آپسی کشیدگی ختم کرنے کا بہترین نسخہ	۳۴۶
ظہار میں ادائی کفارہ سے قبل صحبت	۳۴۷
باندی سے ظہار نہیں ہوتا	۳۴۸
مستشرقین کا ایک اعتراض	" "
ظہار کے لئے قصد و ارادہ ضروری ہے	۳۵۰
حضرت ابراہیم کا توریہ اور حسنِ تدبیر	۳۵۱
ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۵۲

عنوان	صفحہ
ظہار سے متعلق کچھ اور احکام	۳۵۳
کفارہ کب واجب ہے؟	۳۵۴
کیا ظہار کی گئی عورت سے دواعیِ جماع درست ہے۔	۳۵۵
ظہار ایک ناپسندیدہ عمل	۳۵۶
اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں	" " "
درس ۲ (آیت ۵ تا ۶)	۳۵۷
ترجمہ	" " "
گذشتہ سے پیوستہ	۳۵۸
نبی اکرمؐ شارع بھی ہیں اور شارح بھی	۳۵۸
خالق و مخلوق کے قانون میں فرق	۳۶۰
احکام خداکی مخالفت کا انجام	" "
دنیا کی آسائشیں عارضی ہیں	۳۶۱
اللہ کے نزدیک دنیا ہیچ ہے	۳۶۲
امم سابقہ میں انبیاء کے مخالفین کا عبرت ناک انجام	۳۶۳
مخالفت کے مراتب	۳۶۴
فسق و فجور کا انجام	۳۶۵
کفار کے لئے اہانت آمیز سزا	۳۶۶
عذاب کے لئے ایک دن مقرر ہے	۳۶۷
خدا ہی حاضر و ناظر ہے	" "
خود اپنے ہی دام میں صیاد آگیا	۳۶۹
صفات میں شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے۔	۳۷۰
حضور کا نام لیتے اور سنتے ہوئے درود کا حکم	۳۷۱
حضور عالم الغیب نہیں ہیں	۳۷۱

عنوان	صفحہ
کرامتوں سے دھوکہ دہی	۳۷۲
نبی اکرمؐ کو عالم الغیب ماننے کے مفاسد	۳۷۳
اصحاب کہف کون تھے۔	۳۷۵
اللہ سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے	۳۷۷
اللہ کسی جسم میں پیوست نہیں	〃
افسوسناک صورتحال	۳۷۸
درس ۳ (آیت ۷ تا ۱۰)	۳۷۹
ترجمہ	۳۸۰
اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے	۳۸۱
تعداد مقصود نہیں	۳۸۲
ایک شبہ کا جواب	〃
اعمال پر تنبیہ	۳۸۳
مسلمانوں کے خلاف خفیہ مشورے	۳۸۴
یہودیوں کی ایک اور شرارت	۳۸۶
سلام اور مسائل فضائل	۳۸۷
لمحۂ فکریہ	۳۸۸
اشرار کی غلط فہمی	۳۹۰
گناہوں پر اصرار کی بنیادی وجہ	〃
سرگوشی ——— جو مطلوب ہے	۳۹۱
اہل ایمان کو تسلی	۳۹۳
سرگوشی کی ممانعت اب بھی ہے	۳۹۴
درس ۴ (آیت ۱۱)	۳۹۵
ترجمہ	〃
آیت کے نزول کا پس منظر	۳۹۶

عنوان	صفحہ
مجلس کے آداب	۳۹۸
مجلس میں تعظیماً کھڑا ہونا	۴۰۰
حضور کی مبارک مجلس	۴۰۱
مجلس کا ایک اور ادب	۴۰۲
مومنوں اور عالموں کی امتیازی شان	۴۰۳
اللہ ——— ہر عمل سے باخبر	۴۰۴
درس ۵ (آیت ۱۲ تا ۱۹)	۴۰۶
ترجمہ	۴۰۶
ابتدائے اسلام کا ایک خصوصی حکم	۴۰۸
حکم کی منسوخی	۴۰۹
صدقہ کی مقدار	۴۱۰
منافقین کی ناشائستہ حرکتیں اور اس پر انتباہ	۴۱۱
جھوٹی قسموں کی ڈھال	۴۱۴
کچھ بھی کام نہ آئے گا	〃
شیطان کا گروہ	۴۱۷
درس ۶ (آیت ۲۰ تا ۲۲)	۴۱۸
ترجمہ	〃
اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت ذلت کا باعث	۴۱۹
انجام کار انبیاء کو غلبہ	۴۲۰
ایک واضح کسوٹی	۴۲۲
فساق و فجار سے دوستی	۴۲۴
کامل ایمان والے	۴۲۵
تائید الٰہی	〃
مومنوں کا مرتبہ	۴۲۶

فہرست

سوال و جواب

عنوان	صفحہ
حضورؐ کی شفاعت سے استغناء	۴۲۸
غیر اللہ کی قسم کھانا	۴۲۹
جالی پکڑ کر سلام کہنا	۴۳۰
سلام کرتے وقت کہاں کھڑا ہونا چاہئے؟	〃
عورتوں کا عیدگاہ جانا	۴۳۱
"اوّل ما خلق اللہ نوری" موضوع ہے	〃
نورِ محمدی کی تخلیق	۴۳۲
ایک شعر سے متعلق سوال	〃
خضاب لگانا	۴۳۳
بلوغ کے بعد ختنہ	۴۳۴
ٹخنہ سے نیچے پاجامہ ہونے کی حالت میں نماز	〃
قیامِ امن کیلئے دعا کی درخواست	۴۳۵
میلاد کی شرعی حیثیت	۴۳۶
حضرت ابراہیم اور حضرت حوا کی قبریں	۴۳۷
بے وضو قرآن چھونا	〃
گھوڑے کا کھانا	۴۳۸

عنوان	صفحہ
خط اور ٹیلیفون سے طلاق	۴۳۸
قضاءِ عمری کا طریقہ	۴۳۹
ایک شعر کی تحقیق	〃
مقتدی امام کے پیچھے کیا پڑھے؟	۴۴۰
مسئلہ طلاق	۴۴۰
نیکی کی ترغیب	〃
اسلامی نظام کا نفاذ	۴۴۱
ایک واقعہ سے متعلق استفسار	〃
حالتِ احرام میں سگریٹ نوشی	〃
حج بلا اجازت کمپنی	۴۴۲
عورت کا مرغی ذبح کرنا	〃
خطبۂ جمعہ سننا	〃
خطبہ کے وقت سنت پڑھنا	〃
نماز کی فرضیت	〃
میقات پر احرام نہ باندھنا	۴۴۳
جمعہ کی سنتیں	〃

قلب کا جائزہ!

اُطْلُبْ قَلْبَكَ فِيْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ
عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرْاٰنِ،
وَفِيْ مَجَالِسِ الذِّكْرِ،
وَفِيْ اَوْقَاتِ الْخَلْوَةِ،
فَاِنْ لَّمْ تَجِدْهُ فِيْ هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ،
فَسْئَلِ اللّٰهَ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْكَ بِقَلْبٍ،
فَاِنَّهٗ لَا قَلْبَ لَكَ۔ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

"تم تین مواقع پر اپنے قلب کا جائزہ لو، قرآن سننے کے وقت، ذکر کی مجلسوں میں اور تنہائی کے اوقات میں، اگر تینوں موقعوں پر اپنے پہلو میں دل نہ پاؤ (یعنی ان چیزوں میں تمہارا دل نہ لگے اور دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو) تو اللہ سے درخواست کرو کہ وہ تمہیں ایک دل مرحمت فرمادے، اس لئے کہ تمہارے پاس دل نہیں ہے۔"

☆

پیشِ لفظ

قرآنِ مجید خدا کی وہ کتاب ہے جو زندگی کے تمام مسائل میں انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے، اسی لئے وہ سراپا ہدایت اور فرقان ہے اور حق و باطل اور "روا" اور "ناروا" کی ایسی میزان ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور ترازو نہیں، جس پر انسان اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق و معاشرت کو تول سکے۔ یہ اللہ کی رسّی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں "حبل اللہ المتین" ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے اور انسان کو جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اس کتاب سے بے پرواہو کر حق اور سچائی حاصل کرنا اور صالح معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں، اس کا ایک ایک حرف شک و شبہ سے بالاتر اور اس کا ایک ایک فقرہ متلاشیانِ حق کے لئے نشانِ منزل ہے۔

اسی لئے ہر دور میں سلف صالحین نے "توجہ الی القرآن" کی دعوت دی ہے اور "دعوت الی اللہ" کے لئے قرآنِ مجید کو اصل و اساس بنایا ہے۔ موجودہ دور میں ہمارے جن بزرگوں نے عام لوگوں کو قرآن سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے اور احادیث شریفہ کی روشنی میں عام لوگوں کو

قرآن کی روح اور اس کے مقصد و مدّعا سے آگاہ کرنے کی سعی کی ہے اور شبانہ روز اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں، ان میں ایک اہم نام فضیلۃ الشیخ محمّد خیر محمّد حجازی مکّی مدظلہٗ کا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اپنے زمانہ کے بڑے علماء میں تھے، آپ پنجاب کے علاقہ ضلع رحیم خاں یار کے رہنے والے تھے، جہاں ابتداء میں بدعات و خرافات کا بڑا غلبہ تھا، مولانا موصوف کی کوششوں کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے اس پورے علاقے کی اصلاح فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف بھی عطا فرمایا کہ آپ نے مکہ ہجرت فرمائی اور خود حرم مقدس میں آپ کے درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۹۷۴ء میں حضرت مرحوم کا انتقال ہوگیا اور آپ کے صاحبزادے حضرت الشیخ محمّد خیر محمّد حجازیؒ (مولانا مکی) نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جو آج بھی پورے وقار اور عالمانہ اور داعیانہ آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے، روزانہ بعد نماز فجر عربی میں اور بعد نماز عشاء اُردو میں آپ تفسیر کرتے ہیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے حجّاج و زائرین عموماً اور برصغیر کے لوگ خصوصاً آپ کے ان زرّیں اور قیمتی دروس سے استفادہ کرتے ہیں۔ آپ کے ان خطبات کے ذریعہ ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور کتنے ہی لوگوں نے شرک و بدعت سے توبہ کی ہے اور ان کے عقیدہ و عمل میں صالح اور خوشگوار انقلاب آیا ہے۔

آپ کے ان دروس کے تین قیمتی مجموعے طبع ہو چکے ہیں اور اب یہ چوتھا مجموعہ تشنگانِ علم و معرفت کے لئے پیش ہے۔ اس میں قرآنِ مجید کی تین اہم سورتوں کی تفسیر آگئی ہے، ان میں پہلی سورت سورۂ "رحمٰن"

ہے، جس کو آپؐ نے "عروس القرآن" یعنی اپنے حسنِ بیان اور لطافتِ اسلوب کے اعتبار سے اس کو قرآن کی سب سے حسین سورت قرار دیا گیا ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات دونوں مخلوقات کو مخاطب فرمایا ہے، نہایت پرجوش اور خطیبانہ ہم آہنگی کے ساتھ خدا کی ایک ایک نعمت اور کائنات میں پھیلے ہوئے اس کے مظاہرِ قدرت کو نہایت موثر لب و لہجہ میں بیان کرتے ہوئے جنت اور نعمتہائے جنت کا دل کش نقشہ کھینچا گیا ہے۔

دوسری سورت سورۂ "واقعہ" ہے۔ "واقعہ" سے مراد قیامت ہے سورت کی ابتدا قیامِ قیامت کی ہولناکیوں اور نظامِ فطرت کے درہم برہم ہو جانے سے ہوتی ہے۔ پھر تفصیل سے عالمِ آخرت میں جنتیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک اور مہربانیوں کا ذکر ہے، اس کے بعد اہلِ جہنم کی محرومیوں اور عبرتناک سزاؤں کا بیان ہے پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے ان شبہات کو دور فرمایا ہے جو ہر دور میں آخرت اور حساب و کتاب کے منکرین اٹھاتے رہے ہیں اور حجت و استدلال کی زبان میں بھی ایمان بالآخرۃ کی دعوت دی گئی ہے اور نصح و تذکیر کی زبان میں آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

تیسری سورت جس کی تفسیر اس اہم مجموعہ میں شامل ہے، سورۂ مجادلہ ہے۔ اس سورت کا موضوع اصل میں اصلاحِ معاشرہ ہے۔ اس میں ظہار کے احکام ہیں، خفیہ سرگوشیوں کی ممانعت ہے، نشست و برخاست کے آداب سکھائے گئے ہیں اور اخیر میں مسلمانوں کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ ایمانی رشتہ کی اہمیت تمام نسبی اور خاندانی رشتوں سے بالاتر ہے، غور کیا جائے تو ان سورتوں کے موضوع اور مضامین کے درمیان ایک

خاص قسم کا ربط و تعلق بھی موجود ہے۔ سورۂ رحمٰن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کی یاد دلاتی ہے اور دل و دماغ کو ایمان و عمل پر ابھارتی اور آمادۂ و تیار کرتی ہے، سورۂ واقعہ توحید و آخرت کے عقیدے بیان کرتی ہے اور آخرت کے یقین پر زور دیتی ہے کہ اصل میں آخرت کا یقین اور جزا و سزا اور حساب و کتاب کا احساس انسان کیلئے اصلاحِ نفس کا سب سے بڑا ذریعہ اور خیر پر عمل اور برائیوں سے اجتناب کے لئے سب سے بڑا محرک ہے، اور سورۂ مجادلہ اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ فکر و عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کی اصلاح، حسنِ معاشرت اور بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک بھی مسلمان کے لئے ایک اہم ضرورت ہے اور یہ تمام امور باہم مربوط و ہم رشتہ ہیں۔

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے لئے شرف و سعادت کی بات ہے کہ وہ دروس قرآن کے اس قیمتی اور اہم مجموعہ کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ عزیزی مولانا مفتی اشرف علی قاسمی سبیلی سلمہٗ (جو دارالعلوم سبیل السلام کے متخصص فی الفقہ ہیں اور یہیں ان کی قلمی اور فکری تربیت ہوئی ہے) بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت سلیقہ اور شائستگی کے ساتھ ان خطبات کو مرتب کیا، ذیلی عنوانات قائم کئے، جہاں حوالہ جات کی ضرورت تھی وہاں حوالوں کی تخریج کردی، تقریر میں بعض اوقات کسی بات کا مکرر تذکرہ ضروری ہوتا ہے لیکن تحریر میں یہی تکرار گراں اور بارِ خاطر بن جاتی ہے، ایسے مواقع پر تکرار کو حذف کیا اور مناسب طور پر اس کتاب کی خدمت کی، یہ بات بھی طمانیت و مسرت کی ہے کہ یہ کتاب اپنے ترتیبی مرحلے سے گذرنے کے بعد مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (صدر المدرسین) اور

مولانا زین العابدین اعظمی (شیخ الحدیث) جیسے نامور عالمِ دین اور فقیہ و محدّث کی نظر سے گذری ہے ۔ فجزاھما اللہ خیر الجزاء ۔

میں اس موقع پر ان بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے محض رضاء خداوندی کیلئے اس اہم کتاب کی طباعت میں تعاون کیا ——— ان محبین و مخلصین نے اس تعاون کو راز میں رکھنے کی خواہش کی ہے اور یہ ان کے اخلاص و رضا جوئی کے جذبۂ بے پناہ کی دلیل ہے لیکن خالقِ کائنات جس کے لئے ہر غیب "شہود" ہے اور جس کی نگاہ سے کوئی راز مستور نہیں، وہ یقیناً ان کے اس تعاون علی الخیر سے بھی بخوبی آگاہ ہے کہ وَمَا تفعلوا من خیر فان اللہ بہٖ علیم[1]۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو شایانِ شان اجر عطا فرمائے گا اور اس کتاب کی اشاعت کے ذریعہ خیرات و حسنات کی دعوت و ترغیب اور اس کے نتیجہ میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع کا جو کچھ بھی کام ہوگا، ضرور وہ بھی اس میں حصہ دار ہوں گے ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ مکی کا سایہ تا دیر امت پر قائم رکھے ان خطبات کی ترتیب و اشاعت میں حصہ لینے والے تمام معاونین کو شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کو نافع اور ذریعۂ اصلاح بنائے ——— وباللہ التوفیق

محمد رضوان القاسمی
ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

۲۰ محرم ۱۴۱۵ھ
مطابق یکم جولائی ۱۹۹۴ء

---

[1] اور جو نیک کام کرو گے، اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے ۔ (البقرہ : ۲۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفے چند

لانبا قد، گندمی رنگ، گھنی داڑھی، قرآن مجید کی تلاوت اس لہجہ میں کہ گویا قرآن نازل ہو رہا ہے، تقریر میں درد اور بے تکلفی، ملاقات میں سادگی، سراپا لطف و محبت رگ و ریشہ میں شرک سے نفرت اور سنت کی محبت پیوست، دعا و التجا میں رقت اور ہر آنکھ کو اشکبار کر دینے والی آہ و زاری ——— ان اوصاف کی مجسم صورت کا نام "شیخ محمد خیر محمد مکی حجازی" ہے۔ حفظہ اللہ ——— اس پر مستزاد یہ سعادت ہے کہ خدا نے کعبہ مکرمہ کے زیر سایہ درس کی توفیق بخشی ہے، زبان پر اللہ اور اس کے رسول کے بول، آنکھوں میں بیت اللہ شریف اور اس کا غلاف اور مقام ابراہیم، سامنے طواف کرنے والوں کا مجمع، اس سعادت بختی اور خوش نصیبی سے بڑھ کر اس دنیا رفانی میں ایک صاحب ایمان کے لئے اور کیا سعادت ہوگی؟ کالے گورے عرب عجم، جوان بوڑھے، پورب اور پچھم والے بحمد اللہ سبھی آپ کے فیضانِ درس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اب درس کی طباعت حاضر سے غائب تک بھی تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے گی۔

شیخ مکی دار العلوم سبیل السلام کی دعوت پر پہلی بار ۱۴۱۱ھ میں حیدرآباد تشریف لائے، یہ آپ کا ہندوستان کا پہلا سفر تھا، پورے شہر میں آپ کی تشریف آوری کا

غلغلہ سا تھا، شہر و اضلاع میں کتنے ہی خطاب ہوئے اور جوق در جوق لوگوں نے شرکت کی، یہ آپ سے پہلی ملاقات تھی۔ اس موقع پر آپ نے دار العلوم میں سورۂ رحمٰن ہی کی ابتدائی آیات پر خطاب کیا تھا اور خوب کیا تھا، حسنِ اتفاق کہ اب یہیں کے دار الاشاعت سے آپ کے وہ دروس طبع ہو رہے ہیں جو سورۂ رحمٰن پر آپ نے خود حرم مکی شریف میں دیئے ہیں۔

سورۂ رحمٰن اپنے حسنِ بیان اور آہنگ میں اس قدر خوبصورت ہے کہ معمولی تعلیم یافتہ مسلمان بھی اس کا ادراک رکھتا ہے اور اسی لیے اس کو "عروس القرآن" (قرآن مجید کی دلہن) کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی خدا کی عظیم الشان نعمتوں کا ایسا ذکر ہے کہ جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر ان کا مطالعہ کرے وہ خدا کے وجود اور اس کی قدرت و طاقت کا قائل ہوئے بغیر نہ رہے، پھر نہایت پر تاثیر اور لرزا دینے والے لب و لہجہ میں قیامت کا ذکر ہے جو اسلام کے پورے تصور آخرت کی روح ہے، اس کے بعد دوزخ کی ہولناکیوں کی طرف معمولی اشارہ کرتے ہوئے جنت کی نعمتوں کا ذکر آیا ہے اور جنت کے قصور و فروش، نہریں اور باغات، غذائیں اور میوہ جات اور حورانِ بہشت کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے کہ گویا نگاہوں کے سامنے ہے۔

اس مجموعۂ درس میں سورۂ رحمٰن کے علاوہ سورۂ مجادلہ کی تفسیر بھی ہے، اس سورت کا خاص موضوع اصلاحِ معاشرہ ہے، ظہار کی ممانعت، بدگوئی سے احتیاط کا حکم، سرگوشی اور غیبت کی شناعت، نشست کے آداب اور اس میں فراخی، جھوٹی قسم کی مذمت، اس طرح کے معاشرتی مسائل پر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ہدایات ارشاد فرمائی ہیں ——— جہاں سورۂ رحمٰن اعتقاد کی اصلاح کرتی ہے اور ایمان کی تجدید و تازگی کا باعث اور جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے تذکیر کا سامان ہے

وہیں سورۂ مجادلہ عملی زندگی کی اصلاح کے لئے اکسیر اور نسخۂ کیمیا ہے اور معاشرہ کی ان کوتاہیوں اور کمزوریوں پر ٹوکتی اور روکتی ہے جس کی شناعت اور برائی کی طرف انسان کم توجہ کر پاتا ہے۔

اس مجموعہ میں تیسری سورہ "سورۂ واقعہ" ہے۔ اس سورت کا مضمون خاص وقوعِ قیامت کی ہولناکیاں اور اس کے بعد کی عبرت خیز اور دہشت انگیز مناظر حساب و کتاب ہیں، نیز جنت کی انعامات اور جہنم کی عقوبات و مواخذات کا بھی تذکرہ ہے، پس گویا سورۂ مجادلہ نے جن اعمال اور زندگی کی اصلاح کی ترغیب دی تھی، سورۂ واقعہ اس کے لئے محرک اور مہمیز کا کام کرتی ہے کہ آخرت کا یقین اور حساب و کتاب پر ایمان ہی وہ چیز ہے جو انسان کو اعمالِ صالحہ کے انجام دینے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس تصوّر کی نفی کرتی ہے کہ ؎

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اور پھر ان مضامین پر شیخ مکی کی حسن تشریح اور دردمندانہ تفسیر و توضیح اور مسلمانوں کے امراض کی تشخیص اور نباضی ایک حکیم و طبیب کا کام کرتی ہے۔

امید ہے کہ دارالعلوم سبیل السلام کے دارالاشاعت کی "حسنات" میں اس کتاب کی طباعت ایک گرانقدر اور قیمتی اضافہ ثابت ہوگا اور امت کو اس سے بڑا روحانی نفع پہونچے گا ——— واللہ المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی

خادمِ حدیث و فقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

۷ شعبان ۱۴۱۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الرَّحۡمٰنِ

دَرس ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾
اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدَانِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ
رَفَعَہَا وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِیۡمُوا
الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴿۹﴾ وَالۡاَرۡضَ وَضَعَہَا لِلۡاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾
فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ
وَالرَّیۡحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ
صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۚ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الۡمَشۡرِقَیۡنِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبَیۡنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیٰنِ ۙ﴿۱۹﴾ بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخٌ
لَّا یَبۡغِیٰنِ ۚ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخۡرُجُ مِنۡہُمَا اللُّؤۡلُؤُ
وَالۡمَرۡجَانُ ۚ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَہُ الۡجَوَارِ الۡمُنۡشَئٰتُ
فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ (۱ — ۲۵)

ترجمہ :

رحمٰن نے قرآن سکھلایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بات کرنا سکھلایا، سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں،

جھاڑ اور درخت دونوں سجدہ میں مشغول ہیں۔ اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو تولو اور تول کو مت گھٹاؤ، اس نے مخلوق کے لئے ایسی زمین کو بچھایا جس میں میوے اور غلاف والے کھجور کے درخت ہیں اور جس میں بھوسا والا غلّہ اور غذائی اشیاء ہیں، تو اے جن وانسان! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا، تو اے جن وانسان! اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی نے دو دریاؤں کو اس طرح چلایا کہ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (لیکن) ان دونوں کے درمیان ایک ایسا حجاب ہے جس کی وجہ سے دونوں (ایک دوسرے کی طرف) بڑھ نہیں سکتے۔ تو اے جن وانسان! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں تو اے جن وانسان! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور اسی کے ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں تو اے جن وانسان! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یہ سورت مکّی ہے یا مدنی؟

عام مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے قبل مکہ ہی میں نازل ہوئی تھی، حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک آیت یعنی "یَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ" کے سوا پوری کی پوری سورت مکّی ہے۔ مشہور مفسّر قرطبیؒ نے

عبداللہ ابن مسعود اور مقاتل سے نقل کیا ہے کہ پوری سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی (۱) ——— لیکن اس سورت کے اندازِ تخاطب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکّی زندگی ہی میں نازل ہوئی تھی۔ جس میں کفارِ مکّہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھٹلانے کے ساتھ بار بار یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ جب تک کوئی نشانِ عذاب نہ دکھا دیا جائے اس وقت تک نہ وہ اسلام قبول کرنے کو تیار ہوں گے، نہ ہی حساب وکتاب اور قیامِ قیامت کو مانیں گے اور نہ ہی اسلام قبول نہ کرنے پر عذاب وسزا کے قائل ہوں گے۔ کفارِ مکّہ کے اس صریح انکار کی وجہ سے اس سے پہلی سورت میں بار بار تنبیہ کی گئی اور اس سورت میں بھی مسلسل "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ" کے ذریعہ تنبّہ فرمایا گیا ہے۔ اِن تنبیہات اور تہدیدی اندازِ تخاطب سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ سورت مکّی ہی ہے، مدنی نہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ جب تک آپؐ کو علانیہ دعوتِ اسلام کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اس وقت تک آپؐ جب بھی رکنِ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تو میں دیکھتی کہ آپؐ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ" کی تلاوت فرما رہے ہیں (۲) ——— اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکّہ ہی میں نازل ہوئی تھی، نہ کہ مدینہ میں۔

ماقبل سے ربط

اس سورت اور سابقہ سورت میں ربط ومناسبت کئی طریقوں سے ہے ایک یہ کہ سابقہ سورت کے اخیر میں احوالِ قیامت، مجرموں کے ٹھکانے اور

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۵۱۔

(۲) جامع البیان ۲۷/۱۶۳۔

متقیوں کے جنّت سے سرفراز کیے جانے کا اجمالاً ذکر آیا تھا اور سورۂ رحمٰن میں انہی مضامین کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ اس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورت پہلی سورت کے اجمال کی تفصیل اور اس کی شرح ہے۔

دوسرے سورۂ قمر میں اس عذاب و سزا کا بیان تھا جو گذشتہ امتوں پر مسلّط ہو چکا تھا اور اس میں ہر عذاب پر تنبیہ کی گئی تھی کہ ان رسولوں اور قوموں کی تاریخ اور ان کے واقعات سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے، ان سے عبرت حاصل کر کے نبی برحق کے لائے ہوئے دینِ اسلام کو کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ اَب اس سورت میں تمام دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کر کے بار بار یہ سوال کیا گیا ہے کہ اسلام کے دامن سے وابستہ نہ ہو کر، اس کی کتاب پر ایمان نہ لا کر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

پس سورۂ رحمٰن میں اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر بندوں کی تذکیر فرما رہے ہیں تاکہ بندگانِ خدا اپنے رب کی نعمتوں کو پہچانیں، قدر کریں اور اس پر شکر بجا لائیں۔

شکر کا مطلب

شکر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں پر زبان سے صرف لفظِ شکر ادا کر لیں، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں "اجی! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے"۔ بلکہ اس کا مفہوم زبان کے ساتھ ساتھ دل کو بھی جذبۂ تشکّر سے سرشار کر لینا ہے اور اس کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے، ان کے احکامات بجا لائے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا شکر بھی صرف مؤمنین ہی بجا لاتے ہیں، جو

کافر ہے اور احکاماتِ خداوندی کو پامال کرتا ہے، اس نے خدا ہی کو تسلیم نہیں کیا تو اس سے شکر کی کیا توقع ؟ اس لئے نعمتوں پر شکر کا سب سے پہلا درجہ تو اللہ پر ایمان لانا ہے، شکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں اعضاءِ جوارح کی جس عظیم نعمت سے نوازا ہے، انہیں صرف اسی کی اطاعت میں لگائے جائیں اور اس کی نافرمانیوں سے اسے حتی الامکان بچایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں "حواسِ خمسہ" یعنی دیکھنے، سننے، چھونے، بولنے اور سونگھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، وہ بھی صرف اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے استعمال ہوں، آدمی جو بھی عمل کرے، دنیوی ہو یا دینی، مثلاً تجارت کرے، زراعت کرے یا ملازمت کرے، ان تمام ہی اعمال میں رضاءِ خداوندی کو ملحوظ رکھے، یہی اصل شکرِ خداوندی ہے۔

اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق

اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ جو بھی کام کیا جائے، ان تمام میں خدا کی رضامندی کو پیشِ نظر رکھے۔ اسلام دنیا سے قطعِ تعلق کی بالکل نہیں تعلیم دیتا، وہ انسان کو معطل نہیں کرتا، وہ پابند نہیں کرتا کہ ہم تجارت نہ کریں، کاروبار نہ کریں، آپسی دنیوی معاملات نہ کریں، بلکہ کہتا ہے کہ جو چاہو کرو مگر اتنا خیال رکھو کہ جو کام تم کر رہے ہو اس کا شمار اللہ کی نافرمانی میں تو نہیں ہے ؟

برخلاف دوسرے مذاہب یہودیت، عیسائیت، ہندومت وغیرہ کے، کہ انہوں نے مذہب کو دنیا سے الگ کر دیا، مذہب کو ایک خانے میں اور دنیا کو دوسرے خانے میں رکھ دیا، مذہب کو ایسا ہوّا کھڑا کر دیا کہ آدمی دنیا سے منقطع ہو جائے اور مذہب میں جکڑ کر رہ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان طبقہ اسلام کے نام سے گھبراتا ہے کہ جب ہم اسلام قبول کریں گے تو ہم مذہب کے پابند اور دنیاوی ضروریات سے کٹ کر رہ جائیں گے۔ ہم اسلام کی پابندیوں کا کیسے خیال کرسکیں گے؟ لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اسلام دین و دنیا دونوں ہی کو زندگی میں پیشِ نظر رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، البتہ ہر چیز میں رضاءِ خداوندی کی طلب کی تعلیم دیتا ہے۔ مثلاً یوں سمجھیں کہ آپ حضرات دور دراز شہروں اور ملکوں سے تشریف لائے اور یہ ارادہ لے کر آئے کہ جمعہ پڑھیں گے، خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے، عمرہ کریں گے، درسِ قرآن سنیں گے، تو یہ سب اعمال عبادت ہی میں شمار ہوں گے اور اگر یہ ارادہ تھا کہ ایک دوست سے ملاقات کرلیں گے، گپ شپ اُڑا لیں گے تو یہاں آپ کا آنا عبادت میں شمار نہیں ہوگا۔ یا مثلاً آپ تجارت کرتے ہیں اور تجارت میں آپ نے یہ عزم کرلیا کہ جھوٹ نہیں بولیں گے اور کسی کو دھوکہ نہیں دیں گے۔ خود بھی نفع اٹھائیں گے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائیں گے تو یہی تجارت "کسبِ دنیا" ہے۔ آپ کے لئے ثواب کا ذریعہ اور دین بن گئی۔ حضورؐ کا فرمان ہے "اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"(۱) کہ سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے دن انبیاء، شہداء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

غور کریں کہ آپ تجارت کررہے ہیں، ایک دنیوی کام کررہے ہیں، لیکن اسلام کی تعلیم کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے وہ باعثِ ثواب بن گئی، اس کے مقابلہ وہ تاجر ہے جس نے اسلام کی تعلیمات کو تجارت میں پیشِ نظر نہیں رکھا، وہ تجارت میں جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، فریب دیتا ہے، اس کا مقصود

---

(۱) ترمذی عن ابی سعید ۱/۲۲۹ باب ماجاء فی التجار وتسمیۃ النبیؐ ایاہم۔

صرف اور صرف دنیا کمانا ہے تو یہی تجارت اس کے لئے وبال بن گئی اور اس نے اپنی کمائی کو حرام کرلیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور انہیں بجالانے میں جو عافیت اور راحت ہے وہ دوسرے مذاہب میں بالکل نہیں ہے۔

لمحۂ فکریہ

آپ خود اندازہ کریں کہ آپ ملازمت کرتے ہیں تو کم از کم آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کرتے ہیں اور آپ کو دو ہزار، چار ہزار، دس ہزار، بیس ہزار تنخواہ ملتی ہے، تو جس خالق و مالک نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ اگر چوبیس گھنٹے میں چند منٹ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے فارغ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ ہمارے ذہن پر گراں اور شاق گذرتا ہے۔ تنخواہ دینے والا ہم سے آٹھ گھنٹے ڈیوٹی مانگتا ہے، ہم اس کی ڈیوٹی اور اس کے احکام کی پابندی کرنے کے پابند ہوتے ہیں جب کہ نہ وہ ہمارا خالق ہے، نہ ہی وہ ہمارا مالک ہے اور نہ ہی رازق بلکہ وہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے ——— اور وہ ذات جس نے بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ہے، جس نے ہمارے ہی فائدے کیلئے یہ زمین و آسمان، چاند اور سورج، دریا اور خشکی، یہ لہلہاتی کھیتیاں اور نہ جانے کتنی عظیم اور بے شمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، وہ دن میں صرف پانچ بار اپنے دربار میں سر جھکانے، مقدار نصاب مال ہونے پر سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ دینے، سال میں صرف ایک ماہ روزہ رکھنے اور قدرت و استطاعت ہونے پر عمر بھر میں صرف ایک ہی بار بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیتا ہے، تو کیا اس حکم کے سامنے ہمیں اپنا سر تسلیم خم نہیں کر دینا چاہئے؟ اس کے منعم

حقیقی اور خالق ہونے کا تقاضہ یہی ہے کہ ان کے احکام پر بلا چون وچرا عمل پیرا ہو جائے، احکام بجالائے جائیں اور ان کے احکام سے روگردانی سے احتراز کیا جائے۔

آمدم برسرِ مطلب

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور احسانات کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ میں نے یہ یہ نعمتیں دیں، تم پر احسانات کئے اور ہر نعمت کے بعد جنات وانسان کو جھنجھوڑا ہے کہ اے جن وانسان! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور نعمتیں بھی ایسی ہی شمار کی ہیں کہ ایک کم عقل انسان بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا، تو جو صحیح معنوں میں اللہ کے بندے ہیں وہ اِن کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ان نعمتوں کا حقیقی مالک خدا ہے اور جب وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں تو منعمِ حقیقی کی طرف ان کا رجوع ہوتا ہے۔

پس پہلی سورت میں ترہیب کا انداز تھا کہ اپنے بندوں کو ڈرایا، اگر تم میرے نازل کردہ دین کی پیروی نہ کرو گے، میرے رسولوں کی تصدیق نہیں کرو گے اور میری اتاری ہوئی کتاب پر نہیں چلو گے تو جیسے ہم نے قومِ نوح کو غرق کر دیا، قومِ عاد کو ہلاک کر دیا، قومِ ثمود کا خاتمہ کر دیا، قومِ لوط کے وجود کو مٹا دیا، آلِ فرعون کو نیست ونابود کر دیا، تم سے مضبوط اور طاقتور قوموں کو کیفرِ کردار تک پہونچا دیا، تو تم کون ہو؟ تمہیں بھی ہلاک کر سکتا ہوں، صفحۂ ہستی سے تمہارے وجود کو بھی نیست ونابود کر سکتا ہوں اور مجھے اس پر پوری قدرت ہے۔

اس کے بعد اس سورت میں اَب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں یاد دلاتے

ہیں اور ترغیبی انداز میں فرماتے ہیں کہ: "میرے بندے! میں نے تجھے یہ دیا، میں نے تجھے انسان بنایا، قرآن پڑھایا، قوتِ گویائی عطا کی اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے ـــــــ اَب تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" توجو حقیقی مؤمن ہوتا ہے اس کا دل اِن آیات کو پڑھ کر اللہ کی طرف راغب اور متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن جو حقیقی مؤمن نہیں ہوتا اور جس کا دِل ایمانِ حقیقی سے عاری ہوتا ہے وہ ان سورتوں کو پڑھ جاتا ہے پھر بھی اس کی رغبت اور توجہ اللہ کی طرف نہیں ہوتی ـــــــ اَب ان ضروری باتوں کو جاننے کے بعد آیات کی تفسیر اور معارف و معانی پر نظر ڈالیں۔

قرآن ـــــ خدا کی رحمتِ خاص

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ رحمٰن نے قرآن سکھلایا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے ہدایت اور تعلیمِ قرآن کیلئے قرآن جیسی بابرکت کتاب نازل فرمائی، وہ جہاں ذریعۂ ہدایت ہے وہیں باعثِ رحمت بھی ہے، اس کو پوری انسانیت کیلئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کو پڑھا جائے، اس کی تلاوت کی جائے، اسکی ہدایات کی روشنی میں دنیا میں معاشرتی و معاملاتی اور انفرادی و اجتماعی خرابیوں کی اصلاح کی جائے اور آخرت میں بھی اس کے ذریعہ فلاح و کامیابی کا پروانہ ملے۔

نزولِ قرآن ـــــ فطرتِ انسانی کا تقاضا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان و گویائی کی صلاحیت عطا فرمائی۔

انسان کا پیدا کیا جانا خدائے عزوجل کی ایک بڑی نعمت ہے ـــــ حضرت انسان کی پیدائش دنیا کی تمام چیزوں سے پہلے ہوئی ہے لیکن یہاں تعلیمِ قرآن کی نعمت کو پہلے اور تخلیقِ انسان کی نعمت کو بعد میں بیان کیا گیا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد صرف اور صرف تعلیمِ قرآن، اس کی ہدایات کی بجا آوری اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے ـــــ دوسرے لفظوں میں آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو پیدا کئے جانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ خدا کے حضور جبینِ نیاز اور جبینِ بندگی خم کرے اور کسی لمحہ عبادتِ خداوندی اور یادِ خداوندی سے غافل نہ رہے اور ظاہر ہے کہ یہ عبادت بغیر تعلیمِ قرآن کے ہو نہیں سکتی، اسلئے تعلیمِ قرآن کو پہلے اور انسانوں کی تخلیق کو بعد میں بیان کیا ہے۔

انسانی تخلیق کی نعمت کے بعد جس عظیم نعمت کا تذکرہ خدائے برتر نے کیا وہ بیان اور گویائی کی صلاحیت عطا کرنا ہے، یہی وہ عظیم نعمت ہے جو روئے زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات اور انسان کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتا ہے اور انسانیت کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ اسی بیان سے قرآن کے افادہ و استفادہ کا تعلق ہے۔

یہاں پر یہ بات ضرور ذہن نشیں رکھیں کہ اس "بیان" میں صرف لسانی قوت و طاقت اور گویائی کی صلاحیت ہی داخل نہیں ہے بلکہ اس میں تحریر و خط بھی داخل ہے اور وہ تمام ذرائع داخل ہیں جو افہام و تفہیم کے ہو سکتے ہیں۔

سورج اور چاند بھی نعمتِ خداوندی ہے

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ——— اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں اپنے بندوں کو دی ہیں اور ان سے سرفراز فرمایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمان میں سورج اور چاند کی گردش حساب کے لحاظ سے ہے، ہر ایک اپنی حد میں رہتے ہوئے، انسانی دنیا کو اپنی روشنی دیتا اور ضیا پاشیاں کرتا رہتا ہے۔ کیا مجال ہے کہ سورج اپنے وقت سے پہلے ہی نکل جائے یا بعد میں نکلے، اسی طرح کیا مجال ہے کہ سورج چاند کی حدود میں چلا جائے اور چاند سورج کی حدود میں داخل ہو جائے ——— اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مخلوق جو نہ عقل رکھتی ہو اور نہ فہم ——— جب یہ خداوندِ قدوس کے احکام سے بالکل روگردانی نہیں کرتی تو انسان جسے عقل اور فکرِ سلیم دی گئی ہے، اسے تو بدرجۂ اولیٰ احکامِ خداوندی سے ہرگز روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔

تنے دار اور غیر تنے دار درخت

اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ "نجم" سے مراد وہ درخت ہیں جس میں تنا نہیں ہوتا اور "شجر" سے مراد وہ درخت ہیں جو تنے دار ہیں۔ فرمانِ خداوندی کا حاصل یہ ہے کہ تنے دار یا غیر تنے دار تمام ہی اقسام کے درخت خدا کی تسبیح اور سجدہ میں مشغول رہتے ہیں۔ جتنے اقسام کے بھی درخت اس روئے زمین پر پیدا کیئے گئے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی کے منافع اور فوائد کے لئے ہیں۔ اور خداوند قدوس نے ہر ایک کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ یہ درخت انسان کے فلاں کام میں آئے، وہ درخت دوسرے کام میں آئے۔ اسی جبری فرمانبرداری کو قرآن کریم کی اس آیت میں "سجدہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آسمان اور میزان

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھدی۔

بعض نشانیوں اور نعمتوں کو ذکر کرنے کے بعد اب خالق کائنات نے آسمان کی طرف توجہ دلائی کہ اس کو دیکھو، کس طرح کسی ستون کا سہارا لئے بغیر میں نے ایسی چھت تیار کی ہے جس کی وسعت اور حد کی کوئی انتہا نہیں۔ ذرا غور کرو کہ جس ذات نے اتنا بڑا آسمان بنایا ہے وہ کتنی عظیم الشان ذات ہوگی۔ پھر آسمان پیدا کرنے کے بعد ترازو رکھا تاکہ اس کے ذریعہ دوسرے کے حق کو پورا پورا ادا کرو اور اس میں کمی نہ کرو۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آسمان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح اعتدال و توازن سے کام لیا کہ کوئی بھی شخص اس میں کسی طرح کا نقص اور کسی طرح کی خرابی نہیں نکال سکتا۔

وضعِ میزان کا مقصد

اَنْ لَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ اور یہ ترازو اس لئے رکھدی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کیا کرو، مثلاً یہ کہ جب کسی شخص سے غلہ خریدے تو ایسا کرنا ہرگز درست نہیں کہ ڈنڈی مار کر غلہ زیادہ لے لے یا اگر کسی کے ہاتھ غلہ فروخت کرے تو ایسا ہرگز نہ کرے کہ ڈنڈی مار کر استحقاق سے کم غلہ دے۔ کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا کہ تولنے میں کمی بیشی سے کام لے۔

قرآن میں ہی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ کہ

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کیلئے ہلاکت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں ایسی دو بُری عادتیں ہیں جن سے تم سے پہلے کے لوگ ہلاک ہوئے ہیں ——— ناپ تول کی کمی کے باعث جس قوم کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جن میں اور دوسری خرابیاں تو تھی ہی، ساتھ ساتھ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ لوگوں کو ناپ تول کر کچھ دیتے تو کم دیتے اور اگر لوگوں سے کچھ لیتے تو ڈنڈی مار کر زیادہ لے لیا کرتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا، راہِ راست پر لانے اور اس عادت کو چھڑانے کی انتھک کوشش کی، لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں اور بے کار گئیں۔ بالآخر ان کی قوم کو بھی وہی دن دیکھنے پڑے جو ان سے پہلی قوموں کو برائیوں کی کثرت اور اپنے نبی کی بات ماننے سے صاف اِنکار کی وجہ سے دیکھنے پڑے تھے ——— دعا کرتے رہیے کہ اللہ تمام مسلمانوں کو اس بری خصلت اور عادت سے پوری طرح بچائے، کیونکہ اس سے پورا معاشرہ فساد اور بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے اور پورا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

جب خدائے تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت عطا کی کہ اس نے ترازو اور عدل کے لئے ایک آلہ عطا فرما دیا تو اس نعمت کے شکریہ میں اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ... وزن ٹھیک رکھو وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ اور تول میں کسی کے حق میں کمی مت کرو۔

— — — —

زمینات اور پھول وپھل کا نظامِ ربّانی

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ اللہ نے جو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے آسمان کو شامیانہ بنا دیا اور زندگی بسر کرنے کیلئے زمین کا فرش بچھا دیا اور اس میں طرح طرح کے پھل، غلّے اور پھولوں کو بھی پیدا فرما دیا تاکہ زمین پر بود و باش اختیار کرنے والے لوگوں کیلئے غلّہ اور آسودگی کے لئے غذا کا کام دے، وہ پھل سے لطف اندوز ہو تو پھولوں کو دیکھ کر اپنی آنکھ کے ذوقِ حسن کو تسکین دے اور ناک کو ان کی خوشبوؤں سے معطر کرے۔

آیتِ کریمہ میں کھانے اور غذائیت کے لئے غلّوں کی پیداوار کا تذکرہ کئے جانے کے ساتھ ساتھ پھلوں اور پھولوں کا ذکر کر کے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے بندوں کے لئے صرف کھانے کا ہی سامان مہیا نہیں کیا ہے بلکہ ذوقِ حسن اور شوقِ آرائش کا بھی سامان کیا ہے جو یقیناً ربِّ قدیر کی ربوبیّت کی اعلیٰ مثال ہے ——— اسی طرح "نخل" کے ساتھ "ذات الاکمام" اور "حَب" کے ساتھ "ذو العصف والریحان" کی صفت لگانے سے اللہ کے بندوں پر رحیم و کریم ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے انسانوں کو سامانِ غذا فراہم کیا تو ایسا نہیں کیا کہ اسے پھینک کر دیدیا بلکہ اس کا خاص اہتمام فرمایا اور غلوں اور پھلوں کی پیکنگ کا عمدہ انتظام فرما دیا، اس پر خول چڑھا دیا کہ جسے انسان دیکھ کر دنگ اور حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ایسا اسلئے کیا تاکہ وہ عارضی و دائمی، فطری و غیر فطری اور سماوی و ارضی آفات سے پوری طرح محفوظ رہے۔

نعمتِ خدا کی یاد دہانی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ہ ان نعمتوں کے شمار کرنے کے بعد فرمایا کہ اے جن و انس! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہی آیت آگے بار بار آئے گی اور ہر نعمت شمار کرنے کے بعد آئے گی۔ یہاں انسان کے ساتھ جنات کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب اسلام کی مخالفت زوروں پر تھی، کفار مکہ اور اسلام کے بدخواہ آئندہ ہونیوالے اس تناور درخت کو شروع ہی میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہ رہے تھے تو اس میں صرف شیاطینِ انس نہیں تھے بلکہ شیاطینِ جن بھی شریک تھے، اسلئے جنوں کو بھی اس آیت میں مخاطب کیا گیا ہے۔

"فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" کا جواب

یہی آیت اَب متعدد بار آئے گی۔ اس لئے یہاں ایک ضروری بات ضرور ذہن میں رکھتے چلیں کہ جب بھی یہ آیت آئے تو اس وقت آپ لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِّعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ (اے رب! ہم تیری کسی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے) پڑھ لیا کریں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ عربی ہی میں پڑھا کریں، آپ جس زبان سے بھی واقف ہوں اُس زبان میں ہی اس آیت پر یہ اعتراف کرتے رہیں کہ اے اللہ! ہم تیری کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، ہم تو مومن ہیں تیری نعمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے پوری سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ صحابہؓ خاموش سنتے رہے، آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے میں تم کو خاموش

دیکھتا ہوں؟ حالانکہ جس رات میرے پاس جن آئے تھے، اس رات بھی یہی سورت ان پر تلاوت کی تھی لیکن وہ تم سے جواب میں اچھے تھے، جب بھی میں نے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھی تو ان لوگوں نے جواب میں ہمیشہ یہی کہا: لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ کہ اے رب! ہم تیری کسی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے، اسلئے تیرے ہی واسطے سبھی تعریفیں ہیں[1]

اس لئے اس بات کو آئندہ پوری سورت پڑھتے وقت خوب یاد رکھیں ـــــ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور اس پر شکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انسان کا مادۂ تخلیق

آگے ارشاد ہوا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کہ اس نے انسان کو پکی ہوئی ٹھیکری کے مانند کھنکھناتی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا

"صَلْصَال" کے معنی کھنکھناتی ہوئی مٹی۔ اس سے مراد پانی میں ملی ہوئی وہ مٹی ہے جو دھوپ کی وجہ سے خشک ہو جائے اور "فخار" سے مراد وہ مٹی ہے جسے آگ پر پکائی گئی ہو اور جس کے آپس میں ٹکرانے سے کھن کھن کی آواز نکلتی ہو، پھر ارشادِ باری ہوا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یہاں ایک ضروری اور قابلِ غور بات ضرور یاد رکھیں اور وہ یہ کہ اس آیت میں قرآن نے کہا کہ اللہ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ دوسری آیت میں قرآن ہی کا ارشاد ہے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ، انسان

(۱) جلالین بحوالہ حاکم عن جابر ۲/۶۵۲ ط بیروت۔

کو خالص مٹی سے پیدا کیا، ایک اور آیت میں قرآن نے بتایا کہ خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِيْنٍ لَازِبٍ انسان کو اللہ نے چپکتی مٹی سے پیدا کیا، سورۂ حجر میں فرمایا کہ انسان کو بدبو دار گارے سے پیدا کیا مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ، کہیں انسان کے مادۂ تخلیق کے بارے میں فرمایا کہ اسے نہایت ذلیل پانی سے وجود بخشا (مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ) اور کہیں انسان کو نُطفہ سے پیدا کئے جانے کا ذکر فرمایا ——— ایک ہی انسان کی ذات اور مادۂ تخلیق اتنے ؟ بظاہر آیتوں میں تعارض محسوس ہوتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن آیتوں کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے اور انسانی زندگی نے جن جن مراحل سے گذر کر موجودہ انسان کی صورت اختیار کی ہے، ان مراحل پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ان آیتوں کے اندر جو تخلیقِ انسانی کے مختلف مادے ذکر کئے گئے ہیں دَراصل ایسے ارتقائی مراحل ہیں جن سے پیدائش سے قبل انسانی زندگی کو گذرنا پڑتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو حضرت جبرئیلؑ کو روئے زمین پر بھیجا گیا، ان سے ایک ایک مٹھی مٹی ہر قسم کی زمین سے حاصل کی گئی۔ پھر اسے ملایا گیا اور انسان کی مجسم صورت تیار ہوئی۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ مٹی چالیس دنوں تک یونہی پڑی رہی تو وہ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ یعنی سیاہ بدبو دار گارا ہوگئی پھر جسم کی پیدائش اس کی خشک اور کھنکھناتی مٹی (صَلْصَال) سے ظاہر فرمائی۔ اسی کو آلِ عمران میں صرف خاک ہی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور جہاں "ماء مهين" مذکور ہے، اس سے آدمیوں کی نسل پیدا کرنا

مراد ہے کہ اللہ نے اولادِ آدم کے توالد و تناسل کا جو سلسلہ باقی رکھا، وہ ماں باپ کے ذلیل پانی ملنے سے ہے ——— تو آپ کو ان مختلف آیات میں تعارض نہیں محسوس کرنا چاہیئے۔ یہ سبھی ارتقائی مراحل ہیں۔

مخالفینِ اسلام کا دامِ فریب

آجکل جدید تعلیم یافتہ طبقہ جن کی نظر پورے قرآن پر نہیں ہوتی صرف اُردو ترجمہ دیکھ کر قرآن دانی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ قرآن سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے مخالفینِ اسلام قرآن کے بارے میں ان کے دل میں شبہات ڈالتے رہتے ہیں کہ دیکھو جی تمہارا قرآن انسان کی پیدائش کے بارے میں کبھی کہتا ہے کہ خالص مٹی سے پیدا کیا گیا، کبھی کہتا ہے کہ آگ میں پکی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا، کبھی کہتا ہے کہ حقیر پانی سے اور کبھی کہتا ہے کہ نطفہ سے پیدا کیا، صرف انسان کی پیدائش اور اس کے مادہ کے بارے میں اتنی متعارض باتیں قرآن نے بیان کی ہیں، اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو اس میں یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ کبھی کچھ کہا جائے اور کبھی کچھ؟ مخالفینِ اسلام جدید طبقہ کو اُلجھا دیتے ہیں، انہیں دامِ فریب میں لے لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ دین سے ہٹ جاتا ہے ——— اس لئے مخالفینِ اسلام کے دامِ فریب سے نجات پانے کیلئے قرآن کی تعلیم صحیح طور پر حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ہم سبھوں کو قرآن کا صحیح فہم عطا فرمائے۔

جنّات کا مادّۂ تخلیق

خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ——— "نار" کے معنی آگ کے ہیں اور

"مَارِج" کے معنی اس آگ کے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور بھڑکنے کے بعد اس سے لپٹ نکلتی ہو ـــــ اللہ نے اسی لپٹ سے جن کو پیدا کیا ہے، غرض یہ کہ جنات کی پیدائش آگ سے ہوئی اور انسان کی مٹی سے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف مٹی ہی سے حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی بلکہ ان کی تخلیق تو عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے ہوئی لیکن ان کا سب سے بڑا حصّہ مٹی کا تھا ـــــ قرآن میں صرف مٹی اور آگ ذکر کئے جانے سے دوسرے کی نفی مراد نہیں ہے۔ "سورۂ رحمٰن" میں خطاب انہی دونوں مخلوقات انسان اور جنات سے ہے اور آگے چل کر دونوں کا نام لے کر بھی خطاب کیا گیا ہے، ارشاد ہوا "یَا مَعشَرَ الجِنِّ وَالاِنسِ" ـــــ ان تمام کے بعد اب پھر خدا تعالیٰ یاد دلاتے ہیں اے جن و انس! تم میری کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے؟؟

مشتِ خاک کا عُروج

اَب تو یہ ٹھیک ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا، یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اگر ہمیں پیدا ہی نہ فرماتا، ہمیں انسان ہی نہیں بناتا، کوئی دوسری مخلوق بنا دیتا، حشرات یا درندوں میں سے بنا دیتا تو ہم اس کا کیا کر سکتے تھے۔ یہ اس کا کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا، اشرف المخلوقات بنایا اور بہتر صورت دیکر پیدا کیا اور پھر ہدایت کے لئے قرآن جیسی بے مثال کتاب نازل کی ـــــ لیکن ان سب چیزوں پر احسان جتلانے کے بجائے خدا تعالیٰ نے کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے پر احسان جتلایا ہے، یہ تو کوئی بڑے انعام کی بات نہ تھی؟

علماء نے اس موقعہ پر اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ انسانوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کرنے کے باوجود مسجودِ ملائکہ بنایا، تمہارے وجود ہی کے لئے دنیا اور دنیا کی چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ تمہیں مٹی سے پیدا کرکے اتنا عظیم رتبہ دیا کہ آج انسان کا چار سُو عالم میں ڈنکا بج رہا ہے۔ مسجد میں دیکھو تو انسان ہے، فضاؤں میں دیکھو تو وہی انسان ہے، دریاؤں میں دیکھو تو بھی انسان ہی ہے، پہاڑوں میں دیکھو تو انسان ہے، غرض ہر کام میں انسان ہی انسان مصروف نظر آتا ہے۔ مٹی جیسی پست چیز سے پیدا کرنے کے باوجود تمہیں اور تمہارے مرتبہ کو بلند و برتر کر دیا، اس کے مقابلہ جن مخلوق کو آگ جیسی روشن چیز سے بنایا وہ نہ تو ان خصوصیات کا مالک ہے جس سے ایک انسان بہرہ ور ہے اور نہ ہی عام آدمیوں کو نظر آتا ہے۔ تو روشن چیز سے بنائے جانے کے باوجود وہ مخلوق نظر نہیں آتی۔ اسی خاصیت کی وجہ سے کھنکھناتی مٹی سے پیدا کئے جانے پر انسان پر احسان جتلایا گیا

دو مغرب اور دو مشرق کی تشریح

آگے ارشاد فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وہ جو دو مشرق کا رب ہے اور دو مغربوں کا بھی رب ہے، تو اے جن و انسان تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

آیت میں دو مغرب اور دو مشرق کا ذکر آیا ہے حالانکہ مشرق اور مغرب رُخ صرف ایک ایک ہی ہے، دوسرے رخ صرف شمال اور جنوب میں لیکن ایک مشرق اور ایک مغرب کے بجائے دو مشرق اور دو مغرب کا ذکر کیسے آیا ہے؟ ان آیات میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے اور یہاں بھی مخالفینِ اسلام

اور مستشرقین ان آیات میں ظاہری تعارض کو حقیقی تعارض قرار دیکر دلوں میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کا کلام کیسے ہوسکتا ہے کہ کبھی کچھ کہتی ہے اور کبھی کچھ؟ کبھی کہتی ہے کہ خدا دو مشرق اور دو مغرب کا رب ہے، کبھی کہتی ہے کہ کئی مشرق و مغرب کا رب ہے رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اور کبھی ایک ہی مشرق اور مغرب کہتی ہے لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ——— بھلا اس میں کون سی بات صحیح ہے؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی کوئی تعارض نہیں، دراصل جہاں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کہا گیا ہے وہاں سردی و گرمی کے مشرق و مغرب کے رُخ مراد ہیں کہ سردی میں سورج دوسری جگہ سے نکلتا ہے اور گرمی میں دوسری جگہ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح غروب کی جگہ بھی سردی و گرمی میں بدلتی رہتی ہے اسی غروب اور مطلع کے اختلاف کی وجہ سے مشرقین اور مغربین دو مشرق اور دو مغرب کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اسی طرح کئی مشرق اور کئی مغرب ہونے کا ذکر آیا ہے تو وہاں مشرق و مغرب کے اطراف و اکناف کے تا حدِ نگاہ وسیع ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے یا اس وجہ سے صیغۂ جمع لایا گیا ہے کہ سال کے ہر دن کے لئے اللہ نے علیحدہ علیحدہ جائے طلوع اور جائے غروب بنایا ہے اور وہ اسی طرح پورے سال ہر روز دوسرے مطلع سے طلوع ہوتا رہتا ہے اور ہر دن دوسرے جائے غروب پر غروب ہوتا ہے۔ سال بھر یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ سال میں کبھی بھی سورج ایک ہی مطلع سے دوبارہ نہیں نکلا کرتا۔

ہاں اگر سال ختم ہو جائے تو پھر وہ اسی جگہ سے طلوع اور غروب ہوتا ہے جہاں سے اس سے پہلے سال نکلا اور ڈوبا تھا تو آیت میں ان مختلف مطالع کی وجہ سے صیغۂ جمع لایا گیا ہے (۱)۔

---

(۱) قرطبی ۱۵/۶۳۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مخالفینِ اسلام جدید ذہنوں میں جو شبہات ڈالتے رہتے ہیں وہ مبنی برحقیقت نہیں ہیں اور جدید طبقہ قرآن سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کے دامِ فریب میں آجاتا ہے۔

روز و شب بھی عظیم نعمت ہے

اس تفصیل سے واضح ہے کہ قرآن میں جو رَبُّ الْمَشْرِقَیْن اور رَبُّ المغربین یا رب المشارق ورب المغارب فرمایا گیا ہے وہ کس اعتبار سے فرمایا گیا ہے؟ جب طلوع اور غروب کا ذکر آیا تو دن رات، ظلمت اور روشنی، لیل اور نہار یہ ساری چیزیں اس میں آگئیں کہ اسی رب کریم نے ہمارے لئے دن پیدا کیا، اگر دن نہ ہوتا تو ہم کام کیسے کرتے؟ وہی رب کریم ہے جس نے غروب آفتاب کے بعد پھر رات بنائی، اگر رات نہ ہوتی تو ہمیں آرام کیسے ملتا، اگر آج کسی ملک کے باشندے تنہا تنہا سونے کیلئے رات کے علاوہ دوسرے اوقات سیٹ کریں کہ بھئی ہم اس وقت سوئیں گے اور اس وقت جاگیں گے تو پورا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ کیوں کہ ایک کے سونے کا وقت ہوگا تو دوسرے کے جاگنے کا وقت ہوگا اور پورے ماحول میں خاص قسم کا سکون وسکوت نہ ہوگا۔ پھر ایک وقت آپ نے مقرر کرلیا ہے لیکن نیند نہیں آرہی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک مشقت اور تکلیف کا باعث ہے۔

خداوند قدوس کے نظامِ کائنات کو غور سے دیکھیں، اس نے آرام کرنے کے لئے صرف راتیں بنائی ہیں، جب رات کا وقت آنے لگتا ہے تو انسان تو انسان، پرندے بھی اُڑتے ہوئے اپنے اپنے گھونسلوں کو لوٹ آتے ہیں۔ جوں جوں سورج ڈھلنا شروع ہوجاتا ہے، ہر جاندار اپنی

منزلِ مقصود پر پہونچنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے کہ اَب واپسی کا وقت آرہا ہے۔ پھر رات گذر کر جب صبح کا وقت قریب ہوتا ہے تو چڑیا چہچہانا شروع کر دیتی ہیں، مرغ آوازیں لگانا شروع کر دیتا ہے اور پھر ہر جاندار سمجھ جاتا ہے کہ بھئی صبح ہو رہی ہے اور اَب کام کرنے اور تلاش معاش کرنے کا وقت قریب آگیا ہے، جب صبح کا وقت ہو جاتا ہے اور دن روشن ہو جاتا ہے تو سبھی نیندوں سے بیدار ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے اپنے گھروں، پرندے اپنے گھونسلوں اور دوسرے جاندار اپنے اپنے ٹھکانوں کو چھوڑ کر رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں ——— تو اے بندے! جس طرح مشرق کا رب بھی میں ہوں اور مغرب کا رب بھی میں ہوں۔ آفتاب کا طلوع و غروب بھی میرے ہاتھ میں ہے ..... یہ دن اور رات بھی میں نے تمہارے فائدے کے لئے بنائے ہیں۔ دن رات بنا کر میں نے تجھے بڑی نعمت عطا کی ہے۔ کیا تم سورج نکال سکتے ہو؟ کیا تم اسے غروب کر سکتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھ میں اس کا مشرق اور مغرب ہے؟ روشنی اور تاریکی کیا تمہارے قبضہ میں ہیں؟ بھلا یہ بتاؤ کہ تم عارضی طور پر اپنے گھروں کو روشن کرنے کے لئے کتنا خرچ کرتے ہو؟ میں نے روشنی کے لئے ایسا بلب بنا دیا جس سے پوری دنیا روشن ہے اور دنیا کی ہر مخلوق اس سے فائدہ اُٹھا رہی ہے لیکن تمہیں ایک گھر میں روشنی کے لئے بہتیرے بلب لگانے پڑتے ہیں اور اس سے صرف تم ہی فائدہ اٹھاتے ہو ——— یہ بھی بتاؤ کہ ایک کمرہ میں تیرگی اور تاریکی لانے کے لئے کتنے دروازے لگاتے ہو؟ کتنی کھڑکیاں بند کرتے ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ پردے بھی استعمال کرتے ہو لیکن میری قدرت کا نظارہ کرو کہ میں نے اس تاریکی کا ایسا نظم کر دیا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی بار تاریک ہو جاتی ہے اور اس میں اندھیرا چھا جاتا ہے،

تو دن اور رات بھی میری نعمت میں سے ہے، یہ میرا نظامِ کائنات ہے جو شروع سے اب تک چلا آرہا ہے، اَب بتاؤ کہ میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دو دریاؤں کا حسین امتزاج

آگے ارشادِ ربانی ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ فرمایا کہ ہم نے دو دریاؤں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور پردہ ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں آپس میں ضم نہیں ہوتے۔

دو دریا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ نے صرف دو ہی دریا پیدا فرمائے ہیں، ایک ملک میں تو سینکڑوں دریا ہوتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک وہ دریا ہے جس کا پانی میٹھا ہے اور ایک وہ دریا ہے جس کا پانی کھارا ہے، اسی لحاظ سے اللہ نے دو دریاؤں کا ذکر فرمایا ہے، ان دونوں دریاؤں کے درمیان نہ نظر آنیوالا پردہ ڈال دیا گیا ہے جس سے شیریں دریا کھارے دریا میں اور کھارا دریا شیریں دریا میں نہیں مِل پاتا، گو کہ وہ دونوں بظاہر ملتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن خداوند قدوس فرماتا ہے میرے بندے! میں نے ان کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل کر دیا ہے کہ لَا يَبْغِيَانِ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ آپ خود ایک گلاس شیریں پانی کو ایک گلاس کھارے پانی میں ملا دیں تو وہ مِل جائیں گے لیکن اگر جدا کرنا چاہیں تو جدا نہیں کر سکتے، اور خالقِ کائنات کی قدرت کے کرشمے کو تو دیکھو کہ وہ دریا ساتھ چل رہے ہیں لیکن ایک دریا دوسرے دریا میں مخلوط نہیں ہیں، یہ محض ایک زبانی دعویٰ

نہیں ہے۔ دنیا میں بے شمار مقامات پر اس جیسا منظر دیکھنے کو ملتا ہے، افریقہ کے کیپ ٹاؤن، بنگلہ دیش اور دوسرے کئی ممالک میں قدرت خداوندی کا یہ شاہکار منظر دیکھ کر ہر دیکھنے والا عش عش کرتا رہ جاتا ہے۔ اور خدا کے موجود ہونے اور ایک ہونے کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ وہاں دو دریا ایک جگہ ملتے ہیں، ان میں سے ایک طرف کا پانی شیریں اور دوسری طرف کا کڑوا ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اس کا چشم دید تجربہ کرنا ہو تو کشتی پر سوار ہو کر اس جگہ جائیں جہاں دونوں دریا ملتے ہیں۔ وہاں ایک طرف سے پانی لیں گے تو میٹھا ہوگا اور اسی کی دوسری طرف سے لیں گے تو کڑوا ہوگا۔

اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کڑوا پانی کا بہاؤ پانی کے بالکل اوپری حصہ پر ہوتا ہے اور میٹھے پانی کا بہاؤ نچلی سطح پر ہوتا ہے یا اس کے برعکس میٹھا پانی اوپر بہہ رہا ہوتا ہے اور کڑوا پانی نیچے بہہ رہا ہوتا ہے۔ جب نچلی سطح سے بند ڈبے میں پانی حاصل کریں گے تو کڑوا پانی ہی ڈبہ میں آئے گا اور اوپری سطح سے پانی لیں گے تو میٹھا پانی ہی ہاتھ آئے گا۔

آخر یہ جو پردہ اور رکاوٹ ان مختلف اقسام کے پانی میں ہے وہ کس نے رکھ رکھا ہے؟ وہ کونسی ذات ہے جو ان کو آپس میں ایک دوسرے کی حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا کہ میٹھا پانی کڑوا پانی میں گھس جائے اور کڑوا پانی میٹھا پانی میں گھل مل جائے؟ ارشاد ہوا وہ خدا ہی کی ذات ہے جو اپنی قدرت سے ایک قسم کے پانی کو دوسری قسم کے پانی سے ملنے نہیں دیتا اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر رکھا ہے۔

ہمارے علاقوں کو جو کہ ہمارا آبائی اور اصلی وطن ہے اسے پنجند کہتے ہیں، پنجند دریا کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں پر پانچ دریاؤں کا سنگم ہو

اور پانچوں دریاؤں کا بہاؤ ایک جگہ سے ہو کر گذرتا ہو۔ اس میں دریائے ستلج ہے، بیاس ہے، راوی ہے، چناب اور سندھ ہے۔

یہ سارے دریا ایک ہی جگہ سے ہو کر گذرتے ہیں۔ ہمارا خود مشاہدہ ہے اور آپ بھی جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ ہر دریا کے پانی کا رنگ اور رُخ الگ الگ ہے۔ سندھ کا پانی بالکل صاف شفاف اور ستھرا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس میں ایک تنکا بھی نظر نہیں آتا، چناب کا پانی مٹیالا اور مائل بہ سرخی ہوتا ہے اگر اس کا پانی کبھی کھیت میں چلا جائے تو اس کو بالکل زرخیز بنا دیتا ہے۔

یہ تمام دریا ایک ہی جگہ بہتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ اس میں اتنا بڑا فرق پائیں گے کہ سندھ کا پانی خود آپ کو بتلا دیگا کہ میں دریائے سندھ کا پانی ہوں، چناب کا پانی بتائے گا کہ میں دریائے چناب کا پانی ہوں، بیاس، ستلج اور راوی کا بتلائے گا کہ میں کس دریا کا پانی ہوں؟ اتنا اعلیٰ نظم و نسق کرنے والا کون ہے؟ ہر نفس پکار اٹھے گی کہ یہ نظم خدائے عزوجل ہی کا ہو سکتا ہے، کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ایک نعمتِ خداوندی ہی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس نے ہمارے فائدے کیلئے ایک ہی جگہ مختلف قسم کے پانی کو جمع کر دیا جس کے رنگ الگ ہیں تو مزے بھی الگ ہیں اگر ایسا نہیں ہوتا اور معنوی پردہ نہیں ڈالا جاتا تو یا تو سبھی کڑوے ہو جاتے یا سبھی میٹھے ہو جاتے ——— اگر سبھی کڑوے ہو جاتے تو پینے کے لئے کون سا پانی آپ استعمال کرتے؟ اَب ان نعمتوں کی یاد دہانی کے بعد فرمایا کہ تم اَب میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

——— ——— ——— ———

جائے عبرت

اس آیت سے قبل "رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ" کی آیت آئی تھی اور اس میں بیان کیا تھا کہ "مغربین" سے مراد گرما اور جاڑے کے موسم میں غروب کی جگہ اور "مشرقین" سے گرما اور جاڑے ہی میں طلوع کی جگہ مراد ہے۔ اس کے بعد اس آیت کو بیان کر کے دونوں کے درمیان تعلق اور رابطہ بھی قائم کر دیا، اور سورج و چاند کے طلوع و غروب سے دریا کا بھی رشتہ جوڑ دیا کہ جب چاند نکلتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے اسی وقت چاند ہی کی طرح بالتدریج دریا کا پانی بھی اوپر اٹھتا جاتا ہے اور جب چودھویں رات کا چاند اپنے پورے شباب پر ہوتا ہے تو سمندر کے پانی کی سطح بھی پوری طرح بڑھ جاتی ہے، پھر جوں جوں چاند اترتا ہے اور پندرہویں تاریخ کے بعد سے چاند کی روشنی کے اوقات میں کمی آتی جاتی ہے، اسی حساب سے سمندر کا پانی کم ہوتا جاتا ہے۔

اے انسان! کیا کبھی... تم نے یہ سوچا ہے کہ کہاں چاند اور کہاں دریا؟ دونوں میں کتنا فاصلہ ہے؟ پھر بھی مدوجزر کو چاند کے ساتھ کیسے جوڑ دیا ہے؟ کیا کوئی انسان یا دنیا کی مخلوق ایسا کر سکتی ہے؟ اس کی قدرت کا نظارہ تو کرو کہ کہاں چاند ہے، کہاں اس کی روشنی ہے اور کہاں یہ پانی کا اتار چڑھاؤ ہے؟ اتنے نمایاں تفاوت اور فرق کے باوجود ان سبھوں میں کیسا تعلق اور رشتہ جوڑ دیا ہے۔؟

تم مشرق پر غور کرو، طلوع شمس پر غور کرو، مغرب پر غور کرو، پھر ان دو دریاؤں پر غور کرو، پھر ان کے کڑوے اور میٹھے پانی پر غور کرو، تمام کو ایک ساتھ مربوط کر کے دیکھنے میں قدرتِ خداوندی کی بہترین نشانیاں اور آیات نظر آئیں گی، دریائی پانی کی شیرینی نعمتِ خداوندی ہی نہیں تو اور

کیا ہے؟ تمہیں ایک جگہ پانی میٹھا کرنا ہو تو بہت زیادہ چینی ڈالو گے پھر وہ میٹھا ہوگا اور اس میں شیرینی آئے گی لیکن تمہارے لئے خدائے برتر نے میٹھے پانی کا دریا ہی چلا دیا ہے۔

میونسپلٹی اور بلدیہ کے کارکنان پانی خرچ کرنے کیلئے پانی سپلائی کرتے ہیں تو وہ میٹر بھی ڈالدیتے ہیں تاکہ اس کا صحیح اندازہ ہوسکے کہ پانی کتنی مقدار میں خرچ کیا گیا ہے۔ اور اسی حساب سے وہ تم سے رقم وصول کرتا ہے لیکن خداوند قدوس نے اتنے بڑے بڑے دریا چلا دیئے ہیں، کبھی بھی تم نے گھر بیٹھے اس کا حساب لگایا ہے، کبھی اس کا بل ادا کیا ہے، کبھی یہ سوچا بھی ہے کہ یہ نعمتیں عطا کرنے والا کون ہے۔ سورۂ رحمٰن روز پڑھ جاتے ہو اور یونہی گذر جاتے ہو لیکن کبھی یہ سوچا بھی ہے کہ تمام مخلوقات مل کر ان نعمتوں کی نقل کر کے دوسری چیز پیدا کرنا چاہے تو کیا کر سکے گی؟ ہرگز نہیں ——— ذرا اس کے انتظام کو تو دیکھو، اس نے پانی کا کیسا عمدہ انتظام کر دیا ہے؟ کبھی تو پانی کا دریا بہا دیتا ہے، کبھی پہاڑ پر برف جما دیتا ہے پھر اسے پگھلا دیتا ہے۔ کبھی زمین سے چشمے جاری کر دیتا ہے اور یہ سب مل کر دریا بن جاتے ہیں، کبھی بادلوں کو پیدا کر کے پھر بارش برسا کر کے دریا بنا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس قدر بارش برسا دے کہ طوفانِ نوح کا واقعہ یاد آجائے اور اگر وہ چاہے تو بارش روک کر، چشمے بند کر کے ایک قطرہ پانی کے لئے بھی تمام جانداروں کو تڑپا دے۔

یہ بھی اسکی قدرت کے نظارے ہیں اور پھر ان میں ایسا ربط رکھا ہے کہ دو دریا باہم ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور دونوں کے درمیان ایسا پردہ حائل کر دیا ہے کہ ایک دریا دوسرے کی حد میں داخل نہیں ہوتے، اسی کو اللہ نے اپنے ابدی کلام میں ارشاد فرمایا:

بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ۔

ایک مثال

اگر ان دو دریاؤں کے درمیان پردہ کا حائل ہونا سمجھ میں نہیں آتا تو عالمِ برزخ پر اس کو قیاس کرلو کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو وہ قیامت تک عالمِ برزخ میں رہتا ہے جو مرنے اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے کے درمیان آدمی اسی عالم میں رہتا ہے۔ عالمِ برزخ ایک حقیقت ہے لیکن وہ ہماری نظروں اور ذہنوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔ جس طرح تم اسے ایک حقیقت سمجھتے ہو اسی طرح ان دو دریاؤں میں پردہ کا حائل ہونا ایک حقیقی اور ثابت شدہ امر ہے۔

دو عظیم اور قیمتی نعمتیں

آگے ارشاد ہوا: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ کہ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا نکلا کرتے ہیں۔

اُردو میں "لؤلؤ" کو موتی اور "مرجان" کو مونگا کہتے ہیں۔ مونگا سُرخ رنگ کا ایک پتھر ہوتا ہے۔ اس میں درختوں ہی کی طرح شاخیں بھی نکلتی ہیں۔ جس طرح درختوں کی جڑیں اِدھر اُدھر پھیلی ہوتی ہیں اسی طرح مونگا کی بھی شاخیں ادھر ادھر پھیلی ہوتی ہیں اور پھر اسے کاٹ کر، تراش کر قابلِ استعمال بنالیتے ہیں۔ یہ پتھر بڑا ہی قیمتی ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ پتھر انہی کھارے اور شیریں دریاؤں سے نکلتے ہیں۔

لیکن یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ موتیاں صرف اسی سمندر سے نکلتی ہیں جس کا پانی کھارا اور نمکین ہوتا ہے۔ میٹھے دریا سے نہیں نکلتی ہیں۔ پھر یہاں قرآن میں یہ کیسے فرمایا گیا کہ موتی اور مونگا میٹھے اور نمکین

شور اور شیر دریا سے نکلتے ہیں۔

اس کا جواب بعض حضرات یہ دیتے ہیں کہ دو سمندر ہیں کہ ایک میں سے موتی نکلتی ہے، دوسرے سے مرجان نکلتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کھارے اور میٹھے پانی کا جو سنگم ہے اسی سنگم سے یہ موتیاں اور مرجان نکلا کرتے ہیں۔ بعض حضرات جواب دیتے ہیں کہ یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ یہ قیمتی موتی صرف کھارے پانی سے نکلتے ہیں بلکہ وہ میٹھے سے بھی نکلتے ہیں، اور خود انسائیکلو پیڈیا برنا ٹیکا میں آیا ہے کہ موتی اور مونگا میٹھے پانی سے بھی نکلتے ہیں ——— اس لئے آیتِ قرآنی پر جو اشکال ہو رہا ہے وہ صرف ایک نکتہ آفرینی ہے۔ اس سے زیادہ اسکی حیثیت نہیں ہے۔

اسی طرح یہاں ایک اور بات یہ بھی یاد رکھیں کہ یہاں دریائی نعمتوں میں سے صرف موتی اور مونگا کا ذکر آیا ہے جب کہ اور بھی دریائی نعمتیں مثلاً مچھلیاں وغیرہ ہیں۔ علماء و مفسرین نے اس میں بڑا عمدہ نکتہ بیان کیا ہے کہ یہاں بندے کو دعوتِ فکر دینا مقصود ہے کہ باوجودیکہ پانی اور پتھر کا کوئی جوڑ نہیں۔ پھر بھی خداوند قدوس نے پانی میں موتی کو پیدا فرمادیا ہے، بظاہر موتی اور پتھر الگ الگ چیزیں ہیں لیکن تخلیقِ باری کی کاریگری تو دیکھو کہ اسی پانی میں موتی کو بھی سیپ میں پیدا کر رہا ہے، جب اس کا ذکر آ گیا تو جو صرف پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ خود بخود اس میں داخل اور شامل ہو جاتا ہے۔

شور دریا بھی اللہ کی نعمت ہے

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے شیریں پانی اللہ کی بڑی نعمتوں میں

سے ہے۔ اسی طرح مالح اور آبِ شور بھی اللہ کی نعمتیں ہیں کہ بعض مخلوقات ایسی بھی ہیں جو صرف کھارے پانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ میٹھے میں پیدا نہیں ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ شہروں اور محلّوں کی نالیوں کی گندگیاں، پائپوں کی گندگیاں آپ کہاں ڈالیں گے، اس کی آخری منزل کونسی ہوگی؟ یہی کھارے پانی والے دریا ہیں کہ یہ آبِ شور ان کی گندگیوں اور ان کے آثار کو بالکل ختم کر دیتا ہے اگر نمکین پانی میسّر نہ ہو تو اتنی وبائیں اور بیماریاں پیدا ہوں گی کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو کنٹرول نہیں کر سکے گی، اسلئے جیسے آبِ شیریں نعمتِ خداوندی ہے اسی طرح آبِ شور بھی نعمتِ خداوندی ہے۔ آخر میں وہی فرمانِ باری ہے کہ اے جن وانس! ان نعمتوں کے حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کے بعد بھی میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

دریا میں کشتی کا چلنا

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اور دریاؤں میں چلنے والی پہاڑ کی طرح اونچی اونچی کشتیاں اسی کی ہیں۔

"جَوار" سے جاری رہنے والی اور چلنے والی کشتیاں مراد ہیں اور "مُنشئٰت" سے اونچی اونچی کشتیاں مراد ہیں ـــــ "کالاعلام" ایسی کشتیاں جو پانی پر پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے دریاؤں میں بڑی بڑی اور اونچی کشتیاں دیکھی ہوں گی، پھر یہ بھی دیکھے ہوں گے کہ ان پر بڑی بڑی لکڑیاں باندھ دی گئی ہیں، ان کے اوپر بادبان بھی لگا دیئے گئے ہیں پھر یہ کشتیاں سمندر کی تہ پر اس طرح چلتی ہیں گویا پہاڑ چل رہا ہو۔ حالانکہ یہ پانی ہے اور پانی کے اوپر کوئی وزن دار چیز یا کم از کم چھوٹا سا پتھر بھی پھینک کر

دیکھیں تو پتھر اور وزن دار چیزیں فوراً ڈوب جاتی ہیں اور پانی کی نچلی سطح پر چلی جاتی ہیں۔ لیکن خدا کی قدرت تو دیکھو کہ یہ کشتیاں جن کا وزن ہی لاکھوں ٹن ہوتا ہے اور پھر اس پر اتنے ہی سامان ہوتے ہیں وہ سمندر کے سینے پر چلتی اور تیرتی رہتی ہیں اتنی وزنی کشتی ڈوبنے کے بجائے پورے آن وبان کے ساتھ پانی کی سطح پر اس پار سے اس پار جاتی رہتی ہے جب کہ ایک ہلکا سا پتھر پانی میں پھینکا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے۔ یہ خدا ہی کی بڑی نعمت نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ خدا کی نعمت نہ ہوتی تو تم تجارت کیسے کرتے؟ تم دریائی سفر کیسے کرتے؟ تم اتنا لمبا دریا کیسے عبور کر سکتے تھے؟ اللہ نے دریا سے فائدہ اٹھانے کے لئے تمہیں یہ عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔

آج آپ کو طرح طرح کی کشتیاں دریا میں ملیں گی، کوئی چپو سے چلائی جارہی ہے، کسی کو بادبان سے چلایا جارہا ہے۔ اور دنیا میں دوسری ترقی کے ساتھ کشتیوں میں بھی ترقی ہوئی اور اب مشین والی کشتیاں بھی ایجاد ہوگئی ہیں جس کو تم اسٹیمر وغیرہ کہا کرتے ہو، یہ بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ اسی کی نعمت ہے۔ انسان کی پیداوار نہیں ہیں۔ البتہ اللہ نے انسان کو موجدانہ ذہن و فکر عطا کیا ہے اسی سے کام لیتے ہوئے اس نے اس کو وجود دیا ہے، اسلئے دراصل یہ خدا ہی کی پیدا کردہ نعمت ہے۔ قرآن کریم میں سواریوں کیلئے گھوڑے، خچر وغیرہ کو مسخر کر دینے کا احسان جتلانے کے بعد خود خداوند قدوس نے فرمایا کہ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ ابھی تم انہی سواریوں کو دیکھ رہے ہو، آنیوالے زمانے میں ایسی ایسی سواریاں بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرمانے والا ہے جو تمہارے علم میں نہیں اور جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سواریاں اللہ ہی کی ایجاد کردہ نہیں

ہیں تو اور کیا ہیں؟ ——— اگر کوئی یہ کہنے پر مصر ہو کہ ان چیزوں کو سائنسدانوں نے ہی پیدا کیا ہے، خدا کی پیدا کردہ نہیں ہیں تو اس سے کہدو کہ جب دریائی اور سمندری طوفان آتا ہے، طوفان کا تھپیڑا ان کشتیوں اور جہازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے تو اس وقت بچا کیوں نہیں لیتے؟ سائنسداں کیوں نہیں اس سے بچاؤ کا سامان ایجاد کرتا ہے؟ اس وقت اس کی عقل اور ذہنی قوتیں کہاں چلی جاتی ہیں؟ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ذہنی قوت سے بھی بڑھ کر ایک قوت ہے جو اس میں بنیادی کام کر رہی ہے اور وہ قوت صرف خدا کی قوت ہے جس کے حکم سے یہ کشتیاں چل رہی ہیں۔ اتنی عظیم نعمت کے ذکر کرنے کے بعد پھر ارشادِ باری ہوا کہ اے جن و انس! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دنیا کی ہر چیز انسان کیلئے اور انسان خدا کی عبادت کیلئے پیدا کیا گیا

اس سے قبل بے شمار نعمتیں ذکر کی گئی ہیں، سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر آیا تھا، پھر تخلیق انسان، پھر سورج اور چاند کی... تخلیق، تنے دار اور غیر تنے دار درخت، آسمان پھر وضعِ میزان پھر غلے، دو دریاؤں کا ملانا، آبِ شور اور آبِ شیریں پیدا کرنا وغیرہ نعمتیں انسان کو دی گئی ہیں اور صرف اسی کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کہ اس روئے زمین کی تمام چیزیں اے انسانو! تمہارے ہی فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں ——— لیکن خود تم کو کس لئے پیدا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود اپنی کتاب میں فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کہ تمہیں تو صرف اپنی عبادت اور پرستش کے لئے پیدا کیا ہے، تمہاری تخلیق کا مقصد

صرف اور صرف اپنے خالق کی عبادت کرنا ہے۔ اس لئے اسی کو اپنا مسجود بناؤ، اسی کو اپنا معبود بناؤ، اسی کے سامنے اپنے جبینِ عبادت خم کرو۔ اپنے اس خالق کے سوا دوسرے کو معبود اور خدا نہ بناؤ، کسی غیر کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرو، غیر کے سامنے اپنا سر نہ ٹیکو، عبادت کے لائق اگر کوئی ذات ہے تو وہ میں ہی ہوں۔

انسان کی احسان فراموشی

لیکن بندہ گستاخ اور بندہ احسان فراموش کو دیکھو کہ نعوذ باللہ غیروں کو خدا سمجھتا ہے، پتھر کے سامنے سر ٹیکتا ہے، مزاروں پر سجدہ کرتا ہے، دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے، پیر و ولی کے مزاروں پر ان سے دعائیں کرتا ہے، مرادیں مانگتا ہے، اللہ کے احکام کو چھوڑ کر، اللہ کی دی ہوئی آسمانی شریعت کو بالائے طاق رکھ کر ایک تخیلاتی، توہماتی اور محدثات سے بھرپور احکام کو اپنا دین بنائے ہوا ہے، بھلا اس سے بڑھ کر بدقسمتی کیا ہوگی؟ انسان کے فاسد خیالات کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ جیسے یہ صفر کا مہینہ ہے اس کے بارے میں زمانہ قدیم ہی سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ اجی! یہ بڑا منحوس مہینہ ہے، اس مہینہ میں شادی بیاہ نہیں کرنی چاہئے، اس مہینہ میں کوئی اہم کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کی نحوست کا اثر اس کام میں بھی پڑجاتا ہے، یہ مہینہ بڑا بُرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے پیدا کیا، تجھے بے شمار نعمتیں عطا کیں، تمہیں دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ دیا اس پر شکریہ ادا کرنے کے بجائے تو مجھے گالی دیتا ہے، بُرا بھلا کہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس مہینے کا بنانیوالا کون ہے؟

جب تم کہتے ہو کہ یہ مہینہ گندا ہے تو کس کو کہا؟ مثال کے طور پر ایک فیکٹری نے ایک رومال تیار کیا، آپ جب اسے خریدنے گئے تو آپ نے کہا اجی یہ رومال ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے اندر اچھی طرح پسینہ جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، ہاں فلاں فیکٹری کا رومال ٹھیک ہے اور اچھی طرح پسینہ جذب کرلیتا ہے اور بڑا ہی نرم ہے، تو یہ اعتراض اس فیکٹری پر ہے نہ کہ بیچنے والے پر۔ اسی طرح کسی مہینہ کو یا کسی دن کو منحوس کہنا اس دن یا اس مہینہ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اس کے بنانے والے پر ہے اور اللہ پر ہے، اس لئے ہر نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو یاد دلاتے ہیں کہ میرے بندے! یہ ساری کائنات، شمس وقمر، فضا اور ہوا، پرندے، درندے سبھی تیرے فائدہ اور تیری خدمت کیلئے ہیں، کوئی تیرے شکار میں کام آتے ہیں، کوئی تیرے زینت کے کام آتے ہیں، کوئی تیرے دودھ کے کام آتے ہیں، کسی کے پوستین کا تو جائے نماز بناتا ہے اور کسی کے پوستین سے چپل جوتے بنا کر پہنتا ہے تو یہ ساری چیزیں تیرے لئے ہیں اور تو خود میرے لئے ہے۔ تو میری اطاعت و فرمانبرداری اور میری عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود جب تو میرے سوا غیر کو سجدہ کرے، شریعت کے احکام کو پامال کرکے من مانی اور من چاہی احکام پر چلے تو ان نعمتوں سے بڑھ کر تکذیب کیا ہوگی؟ اس لئے خداوند قدوس نے بار بار اس آیت کو دہرایا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ہ کہ اے جن وانس! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں کے جھٹلانے سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

درس ۲ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَیِّ

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ
هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ
الثَّقَلٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ
لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ
عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

ترجمہ:

"جتنے جن وانس روئے زمین پر موجود ہیں، سب فنا ہو جائیں گے اور آپکے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی اور احسان والی ہے، باقی رہ جائیگی سو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس سے اپنی اپنی حاجتیں سب آسمان وزمین والے مانگتے ہیں، وہ ہر وقت ایک نئی شان میں ہے، تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے جن وانس! ہم تمہارے لئے فارغ ہی ہو رہے ہیں، تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن وانس! اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں نکل بھاگو تو نکل بھاگو، مگر تم بغیر زور وطاقت کے نہیں نکل سکتے، تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم ہٹا نہ سکو گے، تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" (۲۶ ـــــ ۳۶)

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ہم نے بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں، زمین و آسمان بنائے، انسان کے لئے اس میں پھول پھل، بیل بوٹے اگائے، خود انسان کو بھی اپنی قدرت سے مٹی کے مادہ سے بنایا، جنات کو آگ سے پیدا کیا، مشرق و مغرب بنائے، ایسی دریائیں چلائیں جس میں بیک وقت مختلف ذائقہ کے پانی کے ساتھ ساتھ چلیں، کھارا بھی ہو اور میٹھا بھی، سفید بھی ہو اور کالا بھی، نمکین بھی اور شیریں بھی، انہی دریاؤں میں بے شمار قیمتی موتیوں کی سوغات بھی رکھ دیں جو انسانوں کے ذوقِ آرائش کی تسکین کا سامان بنے، ان کے منافع بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ اَب فرمایا کہ جتنی نعمتیں تمہارے سامنے بیان کی گئیں ان کا تقاضہ ہے کہ تم خدا کا شکر ادا کرو، کفر و معصیت سے احتراز کرو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو، کیوں کہ زمین پر ہم نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں خود تمہارا وجود ہو یا تمہارے نفع کی چیزیں ہوں، کسی کو بھی قرار و دوام نہیں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے پیدا نہیں کی گئی ہیں، ان سب کو ایک نہ ایک دن فنا ہونا ہے۔

اللہ کے سوا ہر چیز فانی!

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ کی "ھاء" ضمیر ارض کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی زمین پر رہنے والی تمام کی تمام اشیاء کا مقدر فنا ہونا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھئے کہ زمین والے ہلاک ہو جائیں گے، ان پر فنا طاری ہوگا اور آسمان اور فضا میں رہنے بسنے والی چیزیں اس سے چھٹکارا پا جائیں گی اور فنا نہیں ہوں گی بلکہ جہاں زمین پر موجود تمام مخلوقات فنا ہوں گی وہیں آسمان و فضا کی مخلوقات کا انجام بھی یہی فنا و بے ثباتی ہے۔ انسان و جنات کا خاص طور پر اس لئے ذکر

کیا گیا ہے کہ اس سورت میں حق تعالیٰ نے انہی جنات اور انسان کو مخاطب فرمایا ہے اور انہی کو شرعی احکام و ہدایات کا اصل مخاطب بنایا گیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ذاتِ باری کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ پس اس آیت کے مفہوم میں صرف زمینی مخلوقات ہی شامل نہیں بلکہ اللہ کی تمام ہی مخلوقات اس میں شامل ہیں اور سب ہی فنا ہونے والی ہیں، بقا و دوام اور فنا و زوال سے حفاظت و پاکیزگی صرف اور صرف خداوند قدوس کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب یہ آیت كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ نازل ہوئی تو ملائکہ نے سمجھا کہ یہ صرف زمین والوں کے لئے ہے اور سمجھے کہ ہم لوگ آسمانی مخلوق ہیں شاید ہم فنا نہیں ہوں گے تو اللہ نے وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ نازل کر کے ملائکہ کی یہ غلط فہمی بھی دور فرما دی اور پھر ان کو یقین ہو گیا کہ ہم بھی ہلاک کئے جائیں گے۔[1] یہ ضرور ذہن نشین رکھیں کہ فانی ہونے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں۔ ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائینگی

قرآن میں وجہ ربك میں کاف خطاب لایا گیا ہے حالانکہ اگر کاف خطابیہ نہ بھی لایا جاتا تو مفہوم واضح تھا کہ سب فنا ہو جائیں گے اور حق تعالیٰ باقی رہے گا۔ مفسرین نے اس سے ایک نکتہ نکالا ہے کہ اس اندازِ تعبیر میں لطف و مہربانی اور رحمت کا غلبہ ہے، جب فنا ہونے کی اطلاع دی گئی تو دل پر مرجانے اور فنا ہو جانے کا ایک خوف پیدا ہو گیا اسلئے وجہ ربك فرما کر بندوں کو تسکین دلائی گئی کہ تم اس دنیا سے فنا ہو کر کہیں اور نہیں جا رہے

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۶۵۔

ہو بلکہ اپنے ہی رب کے حضور جا رہے ہو، اپنے آقا سے ملنے جا رہے ہو، محبوبِ حقیقی اور خالقِ حقیقی سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے جا رہے ہو جو کہ تمہاری زندگی کا اصل مقصود تھا، ایسے وقت بندہ مؤمن اپنی فنا کو ہزار جان نثار کر کے قبول کر لے گا۔ اسی حدیث میں آتا ہے کہ جب بندہ مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو ملائکہ بشارت دیتے ہیں کہ اپنے رب رحیم کے حضور چلو، پھر ذوالجلال والاکرام کا اضافہ فرمایا۔ اس سے دل کا اور بھی شوق دوبالا ہو گیا کہ اول تو وہ ہمارا رب ہے۔ پھر اس کی یہ صفت کہ وہ عظمت وجلال والا بھی ہے اور اکرام والا بھی۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالجلال والاکرام کے الفاظ سے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے کہ اس پاک نام کو لے کر دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے (۱)۔ یہاں "اکرام والا" ہونے کا ایک مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہر اعزاز واکرام کا حقیقی مستحق دراصل تنہا اسی کی ذاتِ گرامی ہے، کوئی دوسرا نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عظمت وجلال والا ہونے کے باوجود دنیا کے بادشاہوں اور فانی عظمت والوں کی طرح نہیں کہ انکو دوسروں اور غریبوں کی طرف کوئی توجہ اور التفات ہی نہ ہو بلکہ وہ عظمت وجلال کے باوجود اپنی مخلوقات پر بے پایاں رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے، دعائیں سنتا ہے اور ضروریات وحاجات کی تکمیل کرتا رہتا ہے (۲)

اللہ ــــ سب کا مرجع حقیقی

آگے فرمایا: يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین وآسمان کی

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۱۹۶

(۲) حوالہ سابق۔

تمام مخلوقات خداوند قدوس کی سراپا محتاج ہیں، اس سے اپنی حاجات مانگتی ہیں اس کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور وہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، سب کے سب اسی کے دربار کے بھکاری ہیں، وہ غنی ہے اور سب فقیر، وہ سب کے سوال پورا کرنے والا ہے۔ جتنی مخلوقات ہیں سبھی اپنے حال سے اور اپنے قال سے اپنی مرادیں اور اپنی حاجتیں اس کی دربار میں پیش کرتی رہتی ہیں، زمین والے اپنے مناسب حال رزق، صحت وعافیت، آرام وراحت اور آخرت کی رحمت ومغفرت کے طلبگار رہتے ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ آسمان والے بھی رزق کی دعا کرتے ہیں لیکن وہ اپنے لئے نہیں صرف زمین والوں کے لئے مانگتے ہیں جیسا کہ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ بھی دعاء مغفرت کرتے رہتے ہیں لیکن یہ دعا زمین والوں کے لئے ہوتی ہے، اسی طرح رزق بھی زمین والوں کے لئے مانگا کرتے ہیں (۱)

قرطبی ہی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ملائکہ میں سے ایک فرشتہ ہے جس کے چار چہرے ہیں۔ ایک چہرہ آدمی کی طرح ہے، اس سے وہ بنی آدم کیلئے رزق مانگتا رہتا ہے، دوسرا چہرہ شیر کی طرح ہے، اس سے وہ درندوں کے لئے رزق مانگتا رہتا ہے، تیسرا چہرہ بیل کی طرح ہے جس سے وہ چارپایوں کے لئے رزق مانگتا ہے، چوتھا چہرہ اُڑنے والے گدھ کی طرح ہے جس سے وہ ہر پرندہ کے لئے رزق مانگتا رہتا ہے (۲)

ان سب روایتوں کا حاصل یہی ہے کہ آسمان والے بھی اللہ تعالیٰ سے زمین والوں کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۶۶۔

(۲) حوالۂ سابق۔

ہر لمحہ حق تعالیٰ کی ایک خاص شان

آگے ارشاد ہوا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ وہ ہر وقت ایک نئی شان میں ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی ہر دن، ہر وقت، ہر لحظہ، ہر لمحہ اور ہر آن ایک خاص شان ہوتی ہے، اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دیتا ہے، مانگنے والے کو عطا کرتا ہے، تنگ حالوں کو کشادگی عطا فرماتا ہے، آفات اور بلاؤں میں مبتلا لوگوں کو نجات دیتا ہے، بیماروں کو صحت و تندرستی سے نوازتا ہے، غم کو دور کرتا ہے۔ بے قراروں کو قرار اور آرام عنایت فرماتا ہے، گنہگاروں اور خطاکاروں سے درگذر کرتا ہے۔ زندگی وہی دیتا ہے، موت وہی دیتا ہے، کسی قوم کو بلند و صاحبِ اقتدار بنا دیتا ہے اور کسی قوم کو پست و ذلیل کر دیتا ہے غرضیکہ ہر آن، ہر لمحہ اللہ جل شانہٗ کی ایک خاص شان ہوتی ہے، ابن بحر فرماتے ہیں کہ زمانہ اللہ کے نزدیک صرف دو دن ہیں۔ ایک دن تو دنیا کی تمام عمر ہے۔ اس میں اللہ کی شان ہر روز یہ ہے کہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے، کسی سے منع کرتا ہے، زندگی اور موت دیتا ہے، روزی دیتا ہے وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ دوسرا دن وہ ہے جو قیامت سے شروع ہوتا ہے اس دن اس کی شان یہ ہوگی کہ حساب و کتاب لے گا، کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا، جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کے لئے ابتدا میں جو جنت ملے گی اس میں ہر روز نئی نئی ترقیاں ہوتی جائیں گی اور اس ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، جو لوگ جہنم میں جائیں گے ان پر عذاب تو ہوگا ہی، ساتھ ہی فیصلۂ الٰہی کے مطابق جو کچھ ہونا ہے، ہر روز نئی شان سے ہوگا (۱)۔

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۶۶۔

اسی آیت کے ذیل میں مولانا سید امیر علی نے اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن میں ایک بادشاہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے اپنے وزیر سے "کل یوم ھو فی شان" کا مطلب پوچھا۔ وزیر کو اس وقت اس آیت کی تفسیر یاد نہیں تھی۔ اس لئے اس نے اس کے لئے ایک دن کی مہلت مانگی کہ دوسرے دن اس آیت کی تفسیر عرض کردوں گا، مہلت مانگ کر گھر آیا، بہت متفکر تھا کہ اس آیت کی تفسیر کیونکر معلوم ہو، وہ گھر سے نکل کر ایک ٹیلہ پر کھانے پینے سے غافل اسی فکر میں ڈوبا ہوا بیٹھ گیا، اس کے پاس ایک حبشی غلام تھا جو نہایت متقی، پرہیزگار اور اللہ والا تھا، اس نے اپنے آقا کو متفکر دیکھ کر پوچھا، میرے آقا! آپ بہت ہی متفکر نظر آرہے ہیں۔ آخر کس بات نے آپ کو فکر میں مبتلا کر رکھا ہے، اگر مناسب سمجھیں تو آگاہ فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ میری کوشش سے اللہ تعالیٰ آپ پر معاملہ آسان فرمادے۔ وزیر نے اپنی پوری بات بتلادی، اس نے کہا کہ آپ مناسب سمجھیں تو میں اس کو بادشاہ سے بیان کردوں۔ وزیر نے بادشاہ سے پوری صورت بتادی، بادشاہ نے غلام کو بلوا کر آیت کی تفسیر پوچھی۔ اس نے تفسیر بیان کرنی شروع کردی کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ بعض ایام میں دن بڑھاتا ہے اور رات گھٹاتا ہے، کبھی رات بڑھاتا ہے اور دن گھٹا دیتا ہے، جب چاہتا ہے دونوں کو برابر کردیتا ہے، وہی مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اسی کی شان ہے کہ بیمار کو تندرست کرتا ہے اور تندرست کو بیمار کردیتا ہے، غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کرتا ہے۔ عزت والے کو ذلیل کرتا ہے اور ذلیل کو عزت عطا فرماتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے کیا خوب بیان کیا، اس کے انعام میں بادشاہ نے اس غلام کو بھی وزیر بنالیا۔ غلام نے کہا کہ اللہ ہی کی

یہ شان ہے کہ مجھ جیسے غلام کو اس نے وزارت سے نواز دیا (۱)

خلاصہ یہ کہ اللہ کی شان سے بے شمار کمالاتِ قدرت ظاہر ہیں، بے شمار انعامات اور حکمتیں تمہارے سامنے ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے، اسلئے اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جن وانس کی طرف خصوصی توجہ

آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ.

اے جن وانس! ہم تمہارے ہی لئے فارغ ہو رہے ہیں۔ چوں کہ ان آیات میں خطاب جن وانس دونوں سے ہے اس لئے ثقلان سے مراد یہی دونوں ہیں اور اس لحاظ سے دونوں کو ثقلان کہا گیا کہ اس کے معنی دو وزن اور قابلِ قدر چیز کے ہیں اور زمین پر بسنے والی تمام ذی روحوں میں جن وانس سب سے زیادہ وزن دار اور قابل قدر ہیں اور یہی ارضی مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف ہیں،

"سنفرغ"، یہ فراغ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی کام سے فارغ ہونے اور فرصت حاصل کرنے کے ہیں۔ فراغ کے معنی میں دو باتیں پائی جاتی ہیں، اول یہ کہ آدمی پہلے سے کام میں لگا ہوا تھا، دوسرے یہ کہ اب وہ اس کام اور مشغولیت کو ختم کر کے فارغ ہو گیا، یہ دونوں ہی باتیں انسان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں کہ وہ کبھی کسی کام میں مصروف و مشغول تھا۔ پھر وہ اس سے فارغ ہو گیا، لیکن اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی باتوں اور صفتوں سے پاک ہیں، انسان کا ایک کام میں مشغول رہ کر دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ ایک کام دوسرے کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور نہ ہی وہ انسان کی طرح کبھی کام سے فارغ ہوتا ہے۔ اس لئے آیت میں یہ بتلانا مقصود نہیں ہے۔ بتلانا یہ ہے

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۱۹۸۔

کہ ابھی تو دنیا قائم ہے لیکن وہ وقت قریب آچکا ہے جب اس کی مدت پوری ہو جائے گی اس وقت اللہ دنیا کے ختم ہو جانے اور فنا ہو جانے کے بعد بندوں کے حساب کتاب کی طرف متوجہ ہوں گے۔ ہر ایک کا حساب کر کے جو جس طرح کے بدلہ کا مستحق ہو گا اس کو دیں گے۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ اس کے ذریعہ بندوں کو دھمکایا گیا ہے کہ اگر تیری یہی حالت رہی تو میں تمہارے اعمال کی سزا دینے کے لئے اب فارغ ہو جاتا ہوں، اہلِ لغت نے بھی لکھا ہے کہ "سنفرغ لکم" کی تعبیر دھمکی کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے ——— حدیث کے اندر بھی اس طرح کے الفاظ تہدید اور دھمکی کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے موقعہ پر جب مدینہ کے کچھ نیک طبیعت لوگوں نے حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تو شیطان نے کافروں کو آواز دی کہ لوگو! تم ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ شخص تم سے لڑائی کے لئے یثرب کے لوگوں سے بیعت کر رہا ہے۔ یہ آواز سُن کر انصار شمشیر بکف ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ سے جہاد کی اجازت مانگی تاکہ دشمنانِ دین کو تہِ تیغ کر دیں۔ آپؐ نے ان کو دعا دی اور فرمایا کہ مجھے قتال کی اجازت ابھی نہیں ملی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز ہے۔ آپؐ نے شیطان سے خطاب کیا کہ اے دشمنِ خدا! "وَاللّٰہِ لَاَتَفَرَّغَنَّ لَکَ" واللہ میں ابھی تجھے مٹانے کا قصد کرتا ہوں۔ ان انصارِ مدینہ نے عرض کیا کہ آپ اپنے ان دشمنوں میں قیام نہ کیجئے اس جگہ کو چھوڑ کر یثرب تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی مجھے ہجرت کا بھی حکم نہیں ملا ہے تاہم امید ہے کہ عنقریب ہی ہجرت کا حکم مل جائے گا، پس یہ لفظ زجر و توبیخ اور ڈرانے کے معنی میں بھی حدیث میں استعمال ہوا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات

اور ہر فرد اللہ سے اپنی مرادیں مانگتا رہتا ہے، ضرورتوں کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے اور اللہ ہر وقت ہر حال میں ان کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں۔ "سَنَفْرُغُ لَكُمْ" میں فرمایا گیا کہ قیامت کے روز دعاؤں اور ان کے قبول کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا، اس وقت صرف ایک حالت ہوگی اور وہ یہ کہ مختلف لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ ظالم و مظلوم اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اس کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع فرمایا گیا کہ اس دنیا میں جزا و سزا کے برحق ہونے کی جو دلیلیں تم کو بتا دی گئیں تم نے اس کو رد کر دیا لیکن اس وقت کیا کرو گے جب حساب کا دن واقعی طور پر آجائے گا اور اللہ کی عدالتِ عالیہ قائم ہوگی۔ بولو! کیا اس وقت بھی جھٹلاؤ گے؟۔ اگر جھٹلاؤ گے تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

ہر چیز خدا کے قبضۂ قدرت میں

آگے فرمایا گیا: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ اس آیت میں جنات و انسان دونوں کو یہ بتلا دیا گیا کہ قیامت کے روز اعمال کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ جو بُرا ہوگا اس کو بُرے ٹھکانے سے اور جو اچھا ہوگا اس کو اچھے باغات و مکانات سے نوازا جائے گا۔ آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر ہونے سے کسی کو چھٹکارا نہیں، کسی کو بھی حساب و کتاب کا سامنا کرنے سے مفر نہیں، کسی کی مجال نہیں کہ موت سے یا قیامت کے دن کے حساب و کتاب سے راہِ فرار اختیار کر لے اور بچ جائے۔

یہ نکتہ ضرور ذہن نشین کر لیں کہ یہاں قرآن نے جنات و انسان دونوں

کو صراحتاً خطاب کیا ہے جب کہ اس سے پہلے اشارتاً خطاب فرمایا گیا تھا۔ نیز آیت میں انسان سے پہلے جنات کا نام لیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے انسان کے مقابلہ میں جنات کے مشکل کاموں کو انجام دینے کی نسبتاً زیادہ قوت اور صلاحیت عطا کی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود اور دائرہ سے باہر نکل جانا دنیا کی یہ سب سے طاقتور، عقل و شعور سے سرفراز اور علم و دانش سے آراستہ مخلوق کے بس میں بھی نہیں ہے اور وہ خدا کی اس گیتی میں رہنے پر مجبور ہیں (۱)۔

اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسان دونوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم ملک الموت سے بچ کر فرار ہو جائیں گے اور اس طرح حساب و کتاب سے بچ جائیں گے تو یہ ممکن نہیں، اگر تم بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دکھاؤ، آسمان اور زمین کے حدود سے باہر نکل کر بتاؤ، یہ قدرت تم دونوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سمار دنیا اللہ کے حکم سے پھٹ جائے گا اور سمار دنیا کے تمام فرشتے زمین پر اتریں گے، زمین اور اہل زمین کو گھیر لیں گے۔ پھر دوسرا آسمان اللہ کے حکم سے شق ہوگا اور اس پر رہنے والے فرشتے پہلے آسمان کے فرشتے کی صف کے پیچھے قطار لگا کر کھڑے ہو جائیں گے پھر تیسرا آسمان شق ہوگا اور اس کے فرشتے بھی دوسری صف کے پیچھے قطار لگا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اسی طرح چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کے ساتھ یہی واقعہ پیش آئیگا۔ اور فرشتوں کی سات صفیں ہو جائیں گی۔ اخیر میں ایک فرشتہ اترے گا جس کے ہاتھ میں جہنم ہوگا، لوگ اس کے دھاڑنے اور چیخنے کی آواز سنیں گے جن کے

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۰۴۔

بارے میں طے ہوگا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا وہ اس چیخ سے گھبرا کر بھاگ پڑیں گے جدھر بھی دوڑیں گے ہر طرف فرشتوں کی صف اور گھیرا بندی ہوگی، وہ کہیں نہیں نکل سکے گا اور فرار کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی، عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۱) ۝

ضحاک نے فرمایا کہ یہ دنیا ہی میں وقوع قیامت سے پہلے پیش آئے گا کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے۔ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، کوئی سامان خرید رہا ہوگا، کوئی سامان بیچ رہا ہوگا۔ اس دوران آسمان پھٹ جائے گا، فرشتے اتریں گے، لوگ یہ دیکھ کر گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنا چاہیں گے لیکن فرشتے انہیں گھیر لیں گے اور ان کو اس کا موقع نہیں دیں گے، وہ اپنی جگہ سے بھاگ نہیں سکیں گے، اسی کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا: لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ (۲)

پھر ارشاد فرمایا کہ تم کمزور ہو، بے بس ہو، بے اختیار ہو، اللہ صاحب اختیار اور مالک و خالق ہے، اس بے بسی کے باوجود تم عبرت حاصل نہیں کرتے، آخر کب تک اور خدا کی کن کن نعمتوں اور قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

شعلے اور دھوئیں کی سزائیں

آگے ارشاد ہوا: یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ۔

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۷۰۔

(۲) روح المعانی ۲۷/۱۱۲۔

تم پر آگ کے شعلے اور دھوئیں چھوڑے جائیں گے، پھر تم انہیں ہٹا نہ سکو گے۔

شواظ آگ کے اس شعلہ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور نحاس اس دھواں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ کی روشنی تک نہ ہو۔ اس آیت میں جنات اور انسان دونوں پر دھوئیں اور آگ کا شعلہ چھوڑنے کا ذکر کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ حساب و کتاب کے بعد جن مجرموں کے حق میں جہنم کا فیصلہ ہوگا ان کو جہنم میں دو طرح کی سزائیں دی جائیں گی، کسی کو آگ ہی آگ اور شعلہ ہی شعلہ کی سزا دی جائے گی تو کسی کو دھوئیں ہی دھوئیں کی سزا ملے گی۔

لیکن مفسر ابن کثیر نے اس آیت کا تعلق پچھلی آیت سے بتایا ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تم قیامت کے روز میدانِ محشر سے بھاگنا چاہو تو میرے فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر، دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر پگھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے، تم نہ ان کا مقابلہ کر سکو گے اور نہ انہیں دفع کر سکو گے اور نہ ہی ان سے انتقام لے سکو گے۔

فلا تنتصران فرما کر بتلا دیا کہ اس عذابِ الٰہی، مؤاخذۂ ربانی اور فرشتوں کی احاطہ بندی سے بچنے کے لئے کس کی مدد چاہو گے؟ یہ چاہو گے کہ کوئی تمہاری مدد کو آئے تو کوئی تمہاری مدد کو نہیں آسکے گا اور نہ کوئی تمہاری مدد کر سکے گا اور اگر تم اس کا خود بدلہ لینا چاہو گے تو اس کا بدلہ بھی نہیں لے سکو گے۔ خدا کی اتنی بڑی قوت و قدرت کی بڑی نشانی سے کب تک اعراض کرتے رہو گے؟ کب تک رُخ پھیرے رہو گے، اس کی کن کن نشانیوں اور قدرتوں کو تم جھٹلاتے رہو گے؟

اخیر میں اپنے لئے بھی دعا کیجئے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی دُعا کیجئے کہ اللہ ہم سبھوں کو اپنی نعمتوں کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے، اِن

وعیدوں اور دھمکیوں کا مصداق ہم تمام مسلمان بھائیوں کو نہ بنائے، ہمیں اِن عذابوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

درس ۳۲ ﴿ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (۳۷ — ۴۰)

ترجمہ:

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ تیل کی تلچھٹ کے مانند سرخ ہو جائے گا، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا، پھر اے جن وانس! اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

روز قیامت اور حساب و کتاب

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ یہ اور بعد کی آیتوں میں خداوند قدوس نے قیامت کی ہولناکیوں، بُرے لوگوں اور ان کے بُرے انجام اور نیک و متقی لوگوں کو آرام و آرائش سے بھرپور جنت کے ذریعہ انعام واکرام کو بیان فرمایا ہے، روز قیامت کے منظر کی عکاسی، اس کی ایک جھلک اور ایک علامت بیان کرتے ہوئے خالق کون ومکان اپنی کتاب میں فرماتا ہے: فاذا انشقت السماء کہ تم بڑی ڈھٹائی سے قیامت کے وعدہ

اور اس کے قائم ہونے کا مذاق کر رہے ہو، اس کا انکار کر رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ عنقریب ہی وہ دن آنے والا ہے جب آسمان پھٹ کر چمڑے کی طرح بالکل سرخ ہو جائے گا، آسمان کے پھٹنے کو وردۃً کالدھان سرخ چمڑے سی تشبیہ دی ہے۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر آپ کھولتے ہوئے پانی میں کوئی گرم چیز ڈالیں تو اس کی مختلف شکلیں ہو جاتی ہیں، کبھی وہ سُرخی مائل ہو جاتی ہے۔ کبھی سبزی مائل اور کبھی دوسرے رنگ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تو جس طرح گرم پانی کی وجہ سے اشیاء مختلف رنگوں میں بدل جاتی ہیں اسی طرح یہ آسمان بھی قیامت کی شدت اور اس کی سخت گرمی کی وجہ سے سُرخ ہو جائے گا (۱)۔

حضرت ابن عباس نے وردۃً کالدھان کا مصداق سُرخ چمڑے کو قرار دیا ہے، یعنی قیامت کے دن جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو اس آسمان کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ سرخ چمڑے کی طرح ہوگا۔ ابن عباس ہی سے ایک اور تفسیر منقول ہے کہ فکانت وردۃً کالدھان کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کا رنگ بدل جائے گا۔ بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جب جہنم کو سامنے لائیں گے تو آسمان اس کی شدت سے پگھل جائے گا اور ایسے رنگ میں نظر آئے گا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آسمان مختلف رنگوں میں بدل جائے گا۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ سُرخ مرزج کی طرح یا تلچھٹ کی طرح ہوگا اور حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ تیل جیسا رنگ ہوگا، عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ تیل کے رنگوں میں سے زردی مائل ہوگا، ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ صاف تیل جیسا ہوگا، ابن جریج

---

(۱) ابن کثیر ۴/۲۹۵۔

کا کہنا ہے کہ جہنم کی تپش کی وجہ سے پگھلے ہوئے تیل کی طرح ہوگا، جب قیامت کے دِن کی سختی کی وجہ سے آسمان کا یہ حال ہوگا تو پھر انسانوں کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہر کلمہ گو مسلمان کو جہنم سے نجات دلائے اور جنت میں جگہ عطا فرمائے

تفسیر میں اختلاف اور ذہنی الجھن

حضرات مفسرین کے درمیان آیات کی تفسیر میں اختلافات کی وجہ سے بعض لوگ اُلجھن میں پڑ جاتے ہیں کہ بھئی! ایک مفسر آیت کی تفسیر اور بیان کرتا ہے اور دوسرا مفسّر اور تفسیر بیان کرتا ہے، صحیح تو ہے صرف ایک ہی، لیکن یہ اختلاف کیوں؟

دَراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تفاسیر ایسے حضراتِ علماء سے منقول ہیں جنہیں ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے، مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ آپ جب اپنے وطن جائیں گے اور آپ سے لوگ ملنے آئیں گے۔ کعبہ، کعبہ کے گرد و نواح، مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے بارے میں پوچھ تاچھ کریں گے، آپ ان کو خانۂ کعبہ، حجرِ اسود، حطیم، صفا، مروہ، مزارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلات بیان کریں گے۔ آپ ان کو اپنے طرزِ گفتگو سے سمجھائیں گے اور ہر ایک مختلف انداز سے سمجھائے گا تو ان کے لئے سمجھنا بڑا مشکل ہوگا، کیوں کہ انہوں نے خانۂ کعبہ نہیں دیکھا ہے۔ وہ صرف آپ کی بات سنیں گے کہ جی خانۂ کعبہ ایسا ہے۔ اس پر ایک غلاف ہے، ایک کونے میں حجرِ اسود ہے، دوسرے کونے میں رکنِ یمانی ہے، دو اور کونے حطیم کی طرف ہیں، ایک میزاب ہے، یہ رکنِ عراقی ہے، یہ رکنِ شامی ہے، یہ صفا ہے، یہ مروہ ہے، صفا پہاڑی کا اتنا حصّہ باقی ہے، مروہ کا اتنا حصّہ باقی ہے، یہاں چاہِ

زم زم ہے، یہاں سے آنے کا راستہ ہے، وہاں سے باہر جانے کا راستہ ہے، یہ جانبِ اعلیٰ ہے، یہ جانبِ اسفل ہے۔ وغیرہ۔ آپنے تو اپنی انکھوں سے دیکھا ہے لیکن جب آپ اپنی بستی کے لوگوں کو سمجھائیں گے اور اگر سمجھانے والے دس آدمی ہوں تو ہر ایک کے سمجھانے کا انداز الگ الگ ہوگا۔ الفاظ الگ ہوں گے، طریقے مختلف ہوں گے۔

اسی طرح سمجھنے والے بھی کئی طرح کے ہوں گے، بعض ذہین ہونگے جو پوری بات سمجھ جائیں گے، بعض متوسط ذہن کے ہوں گے جو آدھی بات سمجھیں گے اور آدھی بات اس کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینگے اور کچھ ہماری طرح کند، غبی اور بلید ہوں گے، جن کی سمجھ میں شاید ہی کچھ آئے اور ان کا دل یہی کہے گا کہ جو کچھ حاجی صاحب کہہ رہے ہیں وہ بالکل درست ہے بس کعبہ ہے چاہے جیسا بھی ہو، آپ کی بات مان تو لیں گے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

اسی طرح قرآن میں بھی بہت سی تشبیہات آئی ہیں جس کی تفسیر اور عام آدمی کو سمجھانے کے لئے ایک مفسر کو اس کی تشریح بیان کرنی پڑتی ہے اسی کو سمجھانے کے لئے کوئی کہتا ہے کہ رنگ ایسا ہوگا جیسا پھول سُرخ ہے کوئی کہتا ہے کہ جانور کی طرح سُرخ ہو جائے گا، کوئی کہتا ہے کہ چمڑے کی طرح سُرخ ہو جائے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ ابھی ہمیں سبز نظر آتا ہے پھر سُرخ ہو جائے گا، کوئی کہتا ہے کہ پیلا نظر آئے گا، کوئی کہتا ہے کہ نیلا نظر آئے گا، تو یہ سب سمجھانے کے لئے ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا، ریزہ ریزہ ہو جائیگا جب اتنی بڑی چیز ریزہ ریزہ ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ اسکی کئی صورتیں

ہوں گی، جیسے کہ آپ دھات کا کوئی ٹکڑا لے کر پگھلائیں تو دیکھیں گے کہ اس پر کئی شکلیں رونما ہوں گی، انہی کیفیات کو سمجھانے کیلئے علماء کرام سے اتنے اقوال منقول ہیں، حاشا وکلا ان تفاسیر میں کوئی تعارض نہیں اور نہ ہی نعوذ باللہ ان کو آیات کی تفاسیر میں شک ہوتا ہے کہ کیسا ہوگا؟

متجددین کا غلط اندازِ فکر

اس لئے قرآن نے جب یہ پیشن گوئی کردی ہے کہ آسمان پھٹ جائینگے زمین میں شگاف پڑجائے گا، تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، حساب کتاب ہوگا، ان پر ایمان لانا ضروری اور فرض ہے۔ اس کے برخلاف ان باتوں کو سن کر سر پھرے لوگ سوچ میں پڑجاتے ہیں کہ آسمان پھٹ گیا تو فرشتے کہاں جائیں گے، مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائیگا؟ ہمارے ہاتھ پاؤں کیسے بولنے لگیں گے، ان بداعتقادیوں میں پھنس جاتے ہیں یہ بیچارے عقل کے غلام ہیں، محمد مدنیؐ کے غلام نہیں ہیں، یہ خدا کے قانون کو اپنی عقل کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن یاد رکھو کہ تمہاری عقل و دانش ناقص، تمہاری زندگی ناقص، تمہارا وجود ناقص، خدا کے مقابلہ میں تمہاری ہر چیز ناقص۔ بھلا اپنے اندر نقص و کمی ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی بڑی بڑی اور عظیم باتوں کو کیسے سمجھ سکتے ہو؟ ان کی حقیقتیں تمہیں کیسے سمجھ میں آسکتی ہیں؟ ہاں جس کو اللہ اپنے وہبی علم سے نوازتا ہے، جس کو علم کامل سے سرفراز کرتا ہے، ان چیزوں کی حقیقتیں کبھی کبھی ان پر آشکارا کردی جاتی ہیں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات

انہی وجوہات کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے الجنۃ حق والنار حق جنت بھی حق ہے جہنم بھی حق ہے، فرشتے بھی حق ہیں، لقاء بھی حق ہے، یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیمات تھیں۔ اس لئے ابتداء ہی میں ہمیں یہ پڑھایا گیا اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ کہ ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے تمام رسولوں پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان لاتے ہیں حالاں کہ نہ تو ہم نے فرشتے دیکھے ہیں، نہ خدا کی جانب سے اتری ہوئی تمام کتابیں دیکھی ہیں، نہ تمام انبیاء اور رسل کو دیکھا ہے اور نہ ہی قیامت اور دوبارہ اٹھائے جانے کو دیکھا ہے لیکن پھر بھی ہمارا ایمان ہے کہ فرشتے حق ہیں، تمام کتب سماویہ حق ہیں، قیام قیامت حق ہے اور حشر و نشر حق ہے۔

اَب اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب! قیامت کیا بلا ہے؟ وہ کیسے قائم ہوگی؟ حساب کتاب کیسے ہوگی؟ جنت اور جہنم کہاں ہے؟ ان سب باتوں کو تو عقل قبول نہیں کرتی، ہماری سمجھ میں نہیں آتا، تو دراصل یہ تمہاری عقل کا قصور ہے اور فہم و دانش کا قصور ہے۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ انسان کا پورا وجود خدا کی کاریگری اور صناعی کے سامنے ناقص ہے۔ اپنے اندر اتنے نقائص کے ہوتے ہوئے تم ان کامل و مکمل اور عقل سے بالاتر چیزوں کو کیسے سمجھ سکتے ہو؟ اس لئے ہمیں اس پر یقین رکھنا چاہئے کہ یہ سب چیزیں بالکل حق ہیں، لیکن ان کی کیا کیفیات ہیں؟ ہمیں نہیں معلوم، ان پر ایمان بالغیب لانا چاہئے، ان کے کھود کرید میں ہرگز نہیں پڑنا چاہئے۔

رہ گئی بات کافروں کے بارے میں کہ اگر ان کی حقیقتیں دریافت کریں، ان پر اعتراضات کریں تو اس کا کیا جواب ہو؟ وہ تو ایمان بالغیب کے

قائل ہیں ہی نہیں، پھر کیسے ان کی فہمائش کی جائے؟ کس طرح ان کے ذہنی خلجان کو دور کیا جائے؟ تو یہ کام علماءِ کرام کا ہے، علماء ہی قرآن وحدیث کی تصریحات وتشریحات کی روشنی میں ان کے ذہنی خلجان کو دور کریں گے اور ان کا منصبی فریضہ بھی یہی ہے۔

اگر آپ سے کوئی دریافت کر بیٹھے تو آپ کسی عالم کی نشاندہی کر دیں۔ آپ خود بحث ومباحثہ میں نہ پڑ جائیں، مبادا عوامی سادگی کی وجہ سے اس کے دامِ فریب میں نہ آجائیں۔

یہ صاف اصولی بات ہے کہ کپڑا اگر سلوانا ہے تو درزی کی دوکان پر جاؤ، عطر خریدنا ہے تو عطار کے پاس جاؤ، لوہے کا کام ہے تو لوہار کے پاس جاؤ، زیور بنوانا ہے تو سنار کے پاس چلے جاؤ اور دین سمجھنا ہے تو علماء کے پاس چلے جاؤ، اور علماء سے متعلق ذمہ داریوں کو علماء ہی سے حل کرو، ان امور میں اپنا عقلی گھوڑا مت دوڑایا کرو، ہمارے لئے بس اتنا کافی ہے کہ حضورؐ نے جو فرمایا وہ بالکل برحق ہے۔

امام رازی کا ایک دلچسپ واقعہ

امام رازی عقلیات کے بڑے امام تھے، انہوں نے اپنا ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ میں اللہ کی توحید پر دلائل سوچ رہا تھا، لیکن شیطان ہر دلیل کو توڑ دیتا تھا، میں حیران وپریشان تھا کہ عالم ہو کر بھی میں مسئلہ توحید پر دلائل قائم نہ کر سکا تو ایک بدوی اور دیہاتی مسئلہ توحید کو کیسے سمجھ سکے گا؟ فرمایا کہ میں ایک راستہ پر جا رہا تھا، سامنے سے ایک اعرابی اونٹ لئے آرہا تھا، ایک ہاتھ میں رسی اور دوسرے ہاتھ

میں ڈنڈا لئے ہاتھ گھماتا اور گنگناتا آرہا تھا، میں نے اسے روک کر سلام کیا اور پوچھا، کیا آپ مسلمان ہیں؟ اس نے کہا: بالکل میں مسلمان ہوں، پھر میں نے پوچھا: خدا کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں نے پوچھا کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ جواب میں اس نے ڈنڈا اُٹھایا پھر میری طرف بڑھا اور کہا کہ بڑا دلیل مانگنے والا آیا ہے، ابھی رُکو! تیرا سر پھوڑ دیتا ہوں، میرا خدا ایک ہے، تم ایک ہونے پر دلیل مانگنے والا کون ہوتا ہے؟ امام رازی فرماتے ہیں: میں کسی طرح جان بچا کر ایک مسجد میں آیا اور دو رکعت شکرانہ نماز ادا کی، میں بڑا متاثر ہوا کہ جتنا پختہ عقیدہ اس دیہاتی کا ہے، ہم لکھے پڑھے آدمیوں کا بھی نہیں، اس نے اتنی مضبوط دلیل دیدی کہ میں بھی بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

اصل مقصد کی طرف رجوع

اس لئے یہ بات ذہن نشیں رکھیں اور اچھی طرح یاد رکھیں کہ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل برحق ہے اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا وہ بھی برحق ہے، تو عالمِ آخرت ایک مستقل عالم ہے جسے ہم نے دیکھا نہیں ہے، نہیں دیکھنے کی وجہ سے ہی وہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ بھلا جس بچے کے دانت ہی نہ نکلے ہوں، آپ اسے سمجھائیں کہ دانت ایسا ہوتا ہے، ویسا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ کیسے سمجھ سکے گا، لیکن جب اسے دانت ہو جائینگے تو پھر وہ ضرور سمجھے گا کہ دانت کیا ہے اور کہاں پر ہے؟۔

اسی طرح ہمیں موت کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی، حوضِ کوثر،

جنت اور جہنم کی اصل حقیقت ماننے سے طبیعت انکار کرتی ہے، دراصل یہ انکار ان حالات و واقعات سے واسطہ نہ پڑنے کی وجہ سے ہے، اگر ہم اس عالم سے گذر جائیں گے تو ہر بات ہمیں خود بخود سمجھ میں آتی چلی جائے گی، ہم یہ سب سمجھ جائیں گے کہ جنت کیا ہے؟ جہنم کیا ہے؟ قبر میں سوالات کس طرح ہوں گے؟ اور حوضِ کوثر کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جن لوگوں نے خانۂ کعبہ نہیں دیکھا ہے وہ تو یہ کہدیں گے کہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور یہ بالکل صحیح ہے لیکن وہ کیسا ہے؟ طول و عرض کتنا ہے؟ مثلث ہے یا مربع یا مسدّس؟ اس کی بنیاد کس چیز کی ہے؟ کس پتھر سے بنا ہے؟ اس کی چھت کس چیز کی ہے؟ اس کو ان سب باتوں کا علم ہی نہیں تو خانۂ کعبہ کی کیفیت اس کی سمجھ میں کیسے آسکے گی؟ ہاں اگر وہ ایک بار بھی خانہ کعبہ کو دیکھ لے گا تو اس کے ذہنی خلجانات دور ہو جائیں گے۔

ایں چہ بوالعجبی ست

ہمارے بعض مسلمان بھائی کہتے رہتے ہیں کہ کعبہ میں یہ کس کا مزار ہے؟ کیوں کہ انہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ طواف صرف مزاروں ہی کا ہوتا ہے اور سجدے صرف مزاروں ہی پر کئے جاتے ہیں، انہوں نے دیکھا ہے تو صرف "داتا شریف" کو، انہوں نے دیکھا ہے تو صرف "سیہون شریف" کو، انہوں نے کوئی بڑا سفر کیا ہے تو "پاک پٹن شریف" کا ——— یہ سب شریف ہیں لیکن شریف نہیں ہے تو صرف مکہ نہیں ہے اور صرف مدینہ نہیں ہے۔ شرافت کا سرٹیفکٹ صرف انہی کے پاس ہے، جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔

انہوں نے صرف مزاروں ہی کو دیکھا ہے کہ اس کا طواف کیا جارہا ہے

اس پر پھول نچھاور کیا جارہا ہے، بڑے بڑے وزراء چادر چڑھانے کو آرہے ہیں، کفار اور بے دین بھی اولیاء کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آرہے ہیں اور مسلمان بھی ہندوؤں کے مندروں اور شکتی استھلوں پر جارہے ہیں ——— سبحان اللہ! مذہب ہو تو ایسا ہو کہ خدا بھی راضی، بھگوان بھی خوش، یا مسلمان اللہ اللہ، یا برہمن رام رام۔ صبح کو پی لی اور شام کو توبہ کرلی۔ مسلمان کافروں کے ساتھ مندر کو جارہا ہے اور کافر مسلمانوں کے ساتھ مزار پر جارہا ہے کہ جناب یہ ہمارے ولی کا مزار ہے، ہمارے فلاں بزرگ اور شخصیت کا مزار ہے اور پھر کافر آکر پھول چڑھائیں اور ہم خوش ہوں کہ جناب ہمارا پیر اتنا بڑا ہے کہ اپنے تو اپنے، ہندو بھی مانتے ہیں اور اس پر لوگوں کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔

لیکن خدا کے بندو! ایمان سے بتاؤ کہ کیا اسلام کی تعلیمات کا یہی تقاضا ہے؟ کیا اسلام یہی سکھاتا ہے؟ بت شکنی کی بجائے بت پرستی خود بھی کرتے ہو اور دوسروں کو بھی اس پر اکساتے ہو ——— آپ خود فیصلہ کریں خدا کے گھر میں بیٹھے، قیامت میں جواب دہی ہوگی، خدا کے سامنے اپنے کئے کا حساب دینا پڑے گا جب اللہ اس بارے میں تم سے سوال کرے گا تو تم اس وقت کیا جواب دو گے؟۔

مشرکین کا مسجد میں داخلہ

اسلام کا صاف حکم ہے کہ خانۂ خدا میں کفار اور مشرکین داخل نہیں ہوسکتے، قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا: فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا کہ اس سال کے بعد کفار و مشرکین خانۂ کعبہ کے قریب بھی نہ پھٹکیں، علماء کرام نے اس آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حکم اب دنیا

کی تمام مساجد کا ہے اور کفار بلا ضرورت مساجد میں داخل نہیں ہو سکتے، ہاں اگر امیر المؤمنین کسی وجہ سے داخلہ کی اجازت دے تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کو کافر ہونے کے باوجود مسجد نبوی کے ستون میں باندھنے کا حکم فرمایا تھا، اسی طرح نصاریٰ کا ایک وفد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں مسجد میں ٹھہرا دو تاکہ ہماری عبادتوں کے طریقے دیکھیں اور اسلام کی طرف راغب ہو سکیں۔ اسلئے عام حالات میں کفار کو مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن امیر المؤمنین اجازت دیں تو پھر داخل ہونے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین بھی تو مسلمانوں کی طرح اچھی طرح نہاتے ہیں، عمدہ ترین ٹیوب استعمال کرتے ہیں اور بہترین کپڑے استعمال کرتے ہیں، پھر اس کو مسجد میں داخل ہونے سے کیوں روکا گیا؟ اس کا جواب خداوند قدوس نے خود ہی اپنی کتاب میں دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کہ ان میں اگرچہ ظاہری نجاست اور ناپاکی نہیں ہوتی، لیکن باطنی نجاست اور اعتقاد کی نجاست وہ سب سے بڑی نجاست، ناپاکی اور گندگی ہے جس کی وجہ سے شریعت نے مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا ہے، بھلا اس پلیدی اور نجاست سے بڑھ کر کونسی پلیدی ہوگی کہ خدا کے سوا غیر کو خدا سمجھتا ہے، اسی کو رزاق مانتا ہے، اسی کو مالک سمجھتا ہے، اسی کو سجدے کرتا ہے ان سے مرادیں مانگتا ہے، یہ ناپاکی تو ظاہری ناپاکی سے بھی حد درجہ بڑھی ہوئی ہے

مجرموں کا جرم خود ہی واضح ہو جائے گا

آگے ارشاد ہوا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کے متعلق نہیں سوال کیا جائے گا یعنی جس دن آسمان پھٹ پڑے گا تو اس دن کسی انسان یا جن سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کونسے کون سے گناہ کئے، قرآن ہی میں دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا: لَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ کہ مجرموں سے ان کے گناہ نہیں پوچھے جائینگے

یہاں پر آیاتِ قرآنیہ میں بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گنہگاروں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوالات کئے جائیں گے، چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم ہم تمام لوگوں سے سوال کریں گے، ایک اور جگہ فرمایا گیا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ انہیں روکے رکھو، ان سے ابھی ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، یہ اور اس طرح کی دوسری آیات کے ساتھ ساتھ بے شمار احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگاروں سے گناہ کے بارے میں ضرور ہی دریافت کیا جائے گا۔ اس لئے ان آیات و روایات میں۔ باہم تعارض معلوم ہوتا ہے جو ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی کے شانِ اعلیٰ و ارفع کے منافی ہے۔

حضرات مفسرین نے اس تعارض کے بہت سے جوابات دیئے ہیں ایک یہ کہ جب آسمان پھٹ پڑے گا اور مردے نکلیں گے تو اس وقت کچھ بھی سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہر ایک کی پیشانی خود بتا دیگی کہ یہ کیسا ہے؟ اور جب میدانِ حشر قائم ہوگا تو اس وقت حساب شروع ہوگا اور گنہگاروں سے اس کے گناہوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ روزِ قیامت کے احوال مختلف ہوں گے، ایک پیشی ایسی ہوگی کہ جس میں سوال ہوگا حساب ہوگا اور ایک پیشی ایسی ہوگی کہ جب سب کچھ واضح ہو گیا، مومنین علیحدہ

ہو گئے، کفار اور دشمنانِ اسلام علیحدہ ہو گئے، مؤمنین صالحین جُدا ہو گئے، مؤمنین غیر صالحین الگ ہو گئے تو اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ؟ بعض علماء نے اس تعارض کا ایک جواب یہ دیا کہ سوال نہ کئے جانے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو اپنے کئے پر مؤاخذہ و گرفت نہیں ہوگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان و جن سے خود ان کے گناہ نہیں پوچھے جائیں گے کہ تم نے یہ گناہ کیا یا نہیں ؟ وہ گناہ کیا یا نہیں؟ اس سے تو خود اللہ بخوبی واقف ہے اور کراماً کاتبین نے لکھ رکھے ہیں جس سے ان کا گناہ خود ہی واضح ہو جائے گا، بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ کیوں کیا؟ (۱)

دریافت کئے جانے کی عموماً دو ہی وجہیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ تم نے چوری کی ہے یا نہیں ؟ معلوم نہیں ہے اور تحقیق کے لئے پوچھا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ ان تمام جرائم اور معصیتوں کو رجسٹر میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور اللہ کے علم میں ہے، یہ پتہ ہے کہ اس نے گناہ کیا ہے۔ اس میں شبہ ہی نہیں ہے، پھر بھی اتمام حجت کے لئے پوچھا جائے۔

تو جن آیتوں سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے اسکی بداعمالیوں کے بارے میں سوال کرے گا تو ان آیات میں یہی مراد ہیں کہ اتمامِ حجّت کے لئے ان سے دریافت کیا جائے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ گنہگاروں سے جرم کے بارے میں تو دریافت نہیں کیا جائے گا لیکن ان کی زبان بند کر دی جائے گی اور ان کے اعضاء کو قوتِ گویائی دیدی جائے گی اور وہ اقبالِ جرم کریں گے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اور جب یہ اعضاء اس انسان کے خلاف گواہی دیں گے تو یہ کہیں گے : ظالمو! تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو، تم

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۰۹۔

ہی تو مزا اُڑاتے تھے، وہ اعضاء کہیں گے کہ ہمیں اس ذات نے قوتِ گویائی دی ہے جس نے ہر ذات کو قوتِ گویائی عطا کی ہے اور اس ذات نے ہمیں بولنے کی طاقت دی ہے، چمڑا جیسی ذی روح تو دور کی بات، پتھر جیسی بے جان چیز کو بھی قوت گویائی عطا کر سکتا ہے، جب یہ کیفیت ہوگی اور اعضاءِ انسانی خود ہی اقبالِ جرم کرلیں گے تو اس وقت کسی انسان یا جنات سے نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہی اس وقت پھر پوچھنے کی ضرورت ہوگی۔

علی بن طلحہ فرماتے ہیں کہ اس روز یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے گناہ کیا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اللہ خود ہی اس سے پہلے سے واقف ہیں، لیکن پوچھا یہ جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور پھر جس سے یہ سوال کرلیا گیا سمجھو کہ اس کی شامت آگئی اور جہنم اس کا مقدر بن گیا۔ حضورؐ نے فرمایا مَنْ نُوقِشَ عُذِّبَ جس سے بھی مناقشہ کیا گیا اسے گویا مبتلائے عذاب کر دیا گیا، کیوں کہ اس وقت آدمی کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ وہ یہ صفائی بالکل نہیں پیش کر سکے گا کہ اے اللہ! مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تجھے عقل نہیں عطا کی تھی؟ تمہیں اچھے اور بُرے ہونے کا پتہ نہیں دیا تھا؟ میں نے پیغمبر نہیں بھیجے تھے، قرآن نازل نہیں کیا تھا؟ تجھے خیر و شر کا علم نہیں دیا تھا؟ کیا انبیاء کے بعد علماء امت نہیں تھے، کیا انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ آگ کا کام جلانا اور پانی کا کام ڈبونا ہے۔ اتنے ذرائع کے باوجود تم کیسے کہتے ہو کہ مجھ کو پتہ نہیں تھا، یہ تو نہایت غیر معقول جواب ہے۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ دعا یہ کیا کرو کہ اللہ اپنی رحمت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے کیوں کہ اگر وہاں سوال ہو گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو پھر سمجھو عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے، اس کے بعد چھٹکارا

نہیں مل سکتا، ہاں جنہیں اللہ اپنی خصوصی رحمت سے معاف کر دیں تو وہ اور بات ہے ——— اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ حساب کتاب کے بغیر اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

درس ۴ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

(۴۱ — ۴۵)

ترجمہ:

مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے سو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اِرد گرد کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دَورہ کرتے ہوں گے سو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟۔

(۴۱ — ۴۵)

روزِ قیامت مؤمنوں کی پہچان

قیامت کے دن مجرمین اپنی نشانیوں سے پہچانے جائیں گے، کافر الگ ہوں گے، مؤمن الگ ہوں گے، مؤمنین بھی اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ مؤمن ہے اور کافر بھی اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے کہ

یہ کافر ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَنَا فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ میں تم لوگوں سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچوں گا اور اپنی امت کو حوضِ کوثر کا پانی پلاؤنگا، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے تو آپؐ کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے اور آپ نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے اور آپ اس دن ہمیں پہچان لیں گے لیکن آپؐ اپنی اس امت کو کیسے پہچانیں گے جو بعد میں آئیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین مثال دے کر حضراتِ صحابہ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس بہت سے گھوڑے ہوں، سیاہ ہوں، سفید ہوں، کمیت ہوں، ابلق* بھی ہوں اور وہ اپنے سفید پیشانی اور سفید ٹانگوں کے گھوڑوں کو ان گھوڑوں کے درمیان سے نکالنا چاہے تو وہ اپنے گھوڑوں کو نکال سکے گا یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ ضرور پہچان لے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح میں بھی اپنی امت کو وضو کے آثار سے پہچان لوں گا کیوں کہ میری امت کے وضو میں دھلے جانے والے اعضاء قیامت میں چمک رہے ہوں گے۔ اس چمک سے مجھے اپنی امت کو پہچاننے میں ذرا بھی تاخیر نہیں ہوگی۔

اسی لئے محدثین نے لکھا ہے کہ وضو تو سابقہ امتیں بھی کرتی تھیں اور نماز پڑھتی تھیں لیکن یہ شرف صرف امتِ محمدیہ ہی کو ملا ہے کہ بروزِ قیامت ان کے اعضاءِ وضو وضو کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے، آج دنیا مذاق اڑاتی ہے کہ دن رات میں بار بار ہاتھ منھ دھونے سے کیا ملتا ہے؟ ان مذاق اڑانے والوں کو اس کی حقیقت کا پتہ اس وقت چلے گا جب وہ اس چمک سے محروم ہوں گے اور منافقوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔

کافروں کی علامات:

* ابلق اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی اور ٹانگیں سفید ہوں۔

اسی طرح کفار بھی اپنی علامات سے پہچان لئے جائیں گے، انکی علامتیں کیا ہوں گی؟ قرآن نے کہا: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ بہت سے چہرے اس دن ایسے ہوں گے جو پریشانیوں سے غبار آلود ہوں گے، ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اس طرح کے جو لوگ بھی ہوں گے وہ سب کے سب کفار اور گنہگار ہوں گے، ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ان کے چہرے قیامت کے دن سیاہ ہو جائیں گے اسی لئے اس سے قبل فرمایا گیا لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ کہ سوال تو اس وقت ہوگا جبکہ مجرم پہچانا نہ جائے، جب ہر مجرم پہچان ہی لیا جائے گا تو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جائے گی۔

علامتیں اعمال کے اعتبار سے ہوں گی

ایسا مت سمجھئے کہ تمام کفار کی علامتیں بھی ایک ہی ہوں گی، بلکہ ہر ایک کی علامتیں اپنے اعمال اور جرم کے اعتبار سے ہوں گی، کوئی زانی ہوگا تو اس کی علامت الگ ہوگی، کوئی شرابی ہوگا تو اس کی علامت دوسری ہوگی، کوئی بندگانِ خدا کو حرم شریف سے روکنے والا ہے تو اس کی علامت اور ہوگی، کوئی شخص کسی نبی کا قاتل ہے تو اس کی علامت علٰحدہ ہوگی، کوئی کسی ولی کا قاتل ہے تو اس کی پہچان دوسری ہوگی، کوئی سود خور ہوگا تو اس کی علامت بھی الگ ہوگی۔ غرض اعمال ہی کے لحاظ سے ہر کافر پر علامتیں ثبت ہوں گی۔

اسی طرح جو مؤمنین گنہگار ہوں گے، ان میں بھی مختلف گروہ ہوگا۔ اور ہر ایک کی علامت علٰحدہ علٰحدہ ہوں گی، کوئی سود خور ہے تو اسکی کیفیت

یوں ہوں گی گویا شیطان نے اس پر حملہ کر دیا ہو اور اس پر جنون طاری ہو، اگر کوئی یتیموں کا مال ہڑپ کر جانے والا ہے تو اس کی علامت یہ ہو گی کہ یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہوں گے، جو لوگ استطاعت کے باوجود اور صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن اسی سونے چاندی اور اموال کو گرم کر کے ان کے چہروں، دائیں بائیں اور پیٹھ داغ دیئے جائیں گے جو اس بات کی واضح علامت ہو گی کہ یہ لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور غریبوں کا حق دبا لیا کرتے تھے اور جو لوگ حق بات جاننے کے باوجود اس کو چھپاتے تھے ان کے گلے میں آگ کی لگام لگا دی جائے گی۔ شبِ معراج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چند ایسے ہی افراد کو عالمِ بالا میں دیکھا تھا، آپؐ نے حضرت جبرئیل سے سوال کیا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حق بات کہنے سے گریز کرتے تھے۔ حق بات جانتے تھے لیکن اپنے مفاد کی خاطر حق کو چھپایا کرتے تھے، لوگوں میں اپنا بھرم برقرار رکھنے کے لئے حق گوئی کو شعار بنانے سے احتراز کرتے تھے جس کی وجہ سے آج ان کو یہ سزا دی جا رہی ہے کہ ان کے منہ میں لگام لگا دی گئی ہے۔ اسی طرح کی علامتیں ہر ایک کے ساتھ ہوں گی اور وہ اس سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ فلاں گناہ کا عادی تھا، جب یہ علامت ہو گی تو پھر پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جائے گی، اس کو باری تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ کہ مجرمین اپنی علامتوں ہی سے پہچان لئے جائیں گے۔

آرزوئے مومن:

دعا کریں کہ اللہ ہمیں مجرموں کی صف میں نہ اٹھائے اور مؤمنین صالحین کے ساتھ اٹھائے اور ان لوگوں میں اٹھائے جن کے بارے میں فرمایا گیا: لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ جن کو اس دن پریشانی نہیں ہو گی وہ مؤمنین کتنی بڑی شان والے ہوں گے کہ وہی دن کافروں کے لئے پچاس ہزار سال کا سا معلوم ہو گا اور ان مؤمنین صالحین کے وہی دن صرف اتنا معلوم ہو گا جیسے کہ صرف چند لمحے گذرے ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن کے لئے وقوفِ محشر ایسا ہو گا کہ جتنی دیر میں چار رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اتنی ہی دیر میں وہ حساب کتاب سے فارغ ہو جائے گا۔ اس لئے ہم میں سے ہر مومن کی یہی آرزو ہونی چاہیے کہ اللہ ہمیں مؤمنین اصحاب الیمین میں اٹھائے اور مجرموں کے ساتھ نہ اٹھائے۔

سزا کی نوعیتیں

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ کہ مجرمین جب اپنی علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے تو ان کو جہنم میں لے جانے کیلئے پاؤں اور پیشانی پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹا جائے گا اور کبھی پاؤں پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ پاؤں باندھ کر پیشانی کا بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

قرآن پاک میں اسی طرح ایک اور جگہ ذکر آتا ہے کہ مجرموں کو سر کے بل چلایا جائے گا اور کہیں ذکر آتا ہے کہ فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھ پر ماریں گے، یہ آیات کا آپس میں اختلاف نہیں ہے بلکہ سزا کی مختلف انواع ہیں کبھی پتھر مارتے ہیں، کبھی لاٹھی سے خبر گیری کی جاتی ہے، کبھی باندھ دیتے ہیں

اور کبھی اُلٹا لٹکا دیتے ہیں ——— اسلئے آیاتِ قرآنیہ میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔

روحانی اور جسمانی سزا

آگے ارشاد فرمایا گیا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

عذاب کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔

علماء نے لکھا ہے اور تجربہ بھی ہے کہ روحانی عذاب جسمانی عذاب سے سخت اور اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے، کسی عربی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

کہ نیزوں کے زخم تو ختم ہو جاتے ہیں اور وہ بھر جاتے ہیں لیکن زبان سے لگا ہوا زخم کبھی بھی نہیں بھرتا ہے، اسلئے جب کوئی شخص کسی کو طعنہ دیتا ہے تو اس وقت آدمی کہتا ہے کہ تیری بات تو تیر سے زیادہ تیز لگی ہے اور گولی سے بھی تیز لگی ہے اور میرا یہ زخم کبھی بھی نہیں بھرے گا۔

جہنم میں مجرموں کو جب جسمانی سزائیں اور تکلیفیں دی جائیں گی تو اس وقت روحانی سزائیں بھی دی جائیں گی اور کافروں سے کہا جائے گا هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ کہ لو! یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب جہنم کے قریب انہیں لے جایا جائے گا تو فرشتے انہیں کہیں گے اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ دیکھو کیا یہ جہنم ہے یا جادو ہے؟ کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

یہ روحانی سزا انہیں اس لئے دی جائے گی کہ جب انہی کفار نے حضرت موسیٰ کا سانپ دیکھا تو کہا کہ یہ جادو ہے، ان کے یدبیضاء اور دیگر معجزات کو دیکھا تو کہا یہ جادو ہے، حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ دیکھا تو کہا کہ یہ جادو ہے اور ہمارے آقا حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شق القمر کا معجزہ دیکھا زمین پر، کھانے پر، پانی پر اور دیگر ہر قسم کے معجزات کو دیکھا لیکن ہر ایک کو انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔ ان کو اللہ اَب وہی سزا دیں گے اور جسمانی سزا دینے کے ساتھ ساتھ روحانی سزا کے لئے فرشتوں کو طعن و طنز کرنے کا حکم دیں گے کہ یہ جہنم تو جادو نہیں۔ ارے یہی تو وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، تم ہی تو کہتے تھے کہ ہم کو دوبارہ کہاں اٹھنا ہے، ہم تو مر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر تم دوبارہ کیسے زندہ ہو گئے؟

احکامِ دین کا استہزار کفر ہے

عجیب بات اور المناک واقعہ ہے کہ کافر تو کافر، آج کا مسلمان بھی کہتا ہے کہ جہنم وغیرہ کوئی حقیقی چیز نہیں ہے، یہ صرف مولویوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں، جس سے خوش ہوتے ہیں انہیں جنت کی بشارت دیدیتے ہیں اور جن سے ناراض رہتے ہیں انہیں جہنم سے ڈراتے رہتے ہیں۔ اصل جنت اور جہنم تو میرے اعمال ہیں اگر وہ اچھے ہوئے تو یہی جنت ہے اور اگر بُرے ہوئے تو یہی جہنم ہے ورنہ خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

یہ ضرور یاد رکھو کہ جنت اور جہنم کا انکار کفر ہے، کیوں کہ ان کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ فرمایا ہے۔ کیا آپ نے شبِ معراج سے متعلق حدیثیں نہیں سنی ہیں انہی

احادیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو مجھے وہاں بلال کے جوتوں کی آہٹ سنائی دی، عمر کا محل دیکھا اور دوسرے انبیاء کی آرامگاہیں اور محلات دیکھے اور پوری جنت کی سیر کی۔ اسی طرح آپ نے جہنم بھی دیکھا اور وہاں کے عذاب کی ہلکی سی جھلک بھی دیکھی تھی۔ غرض خبر دینے والا وہ ہے جس نے دونوں جہاں اور اس کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ دیکھنے والے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو "الصادق الامین" سے یاد کیا جاتا تھا، پھر کوئی ان کی بتائی ہوئی ان باتوں کا انکار کرے تو اس سے بھی بڑا کوئی کفر ہے؟

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کے انکار کرنے کی ایک وبا پھیل گئی ہے۔ آج کسی مسلمان کو کہا جائے کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے تو کہتا ہے، چھوڑو جی! یہ تو پرانے زمانے اور اس وقت کے وحشی لوگوں کی سزائیں تھیں، آج ترقی کا دور ہے، اس دور میں ان سزاؤں کا ذکر کرنا بے وقوفی ہے، کسی نے زنا کر لیا تو کیا ہوا؟ یہ تھوڑی ہی ہے کہ پتھر مار مار کر ختم کر ڈالو، کوئی چھوٹی موٹی سزا ہونی چاہیئے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

یاد رکھو! یہ انکار کفر ہے، جب تک قرآن اور نبی کے فرمان پر پورا پورا یقین نہ ہو اس وقت تک صرف نام سے کوئی حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ ایک تو احکام اسلام اور تعلیمات اسلام کا کفر اور انکار کرنا ہے، دوسرے اسلامی تعلیمات کا استہزاء اور مذاق اڑانا ہے، اس پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا انکار کفر تو ہے ہی، لیکن اس کا استہزاء کرنا اور مذاق اڑانا اشد کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی حرکتوں سے بچائے۔

ارشاداتِ نبویؐ افسانہ نہیں

بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ احادیث میں ایسی ایسی باتیں آئی ہیں جو افسانہ معلوم ہوتی ہیں، مثلاً حدیث میں فرمایا گیا کہ جنت اور جہنم کی چوڑائی اتنی ہوگی جتنی کہ زمین اور آسمان کی ہے۔ جن لوگوں کے ذہن ان باتوں کے سمجھنے سے کورے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی جنت اور اتنا بڑا جہنم تو پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ اللہ رحم کرے، آج ہمارا نوجوان مسلم طبقہ بھی اس قسم کے سوالات میں الجھا ہوا ہے۔

ذرا سوچو! آج نئے سائنسدانوں کی تحقیق ہے کہ صرف مشتری (ایک سیارے کا نام) میں ۱۵ چاند ہیں اور دوسرے سیاروں میں سے کسی پر آٹھ، کسی پر سولہ چاند ہیں جب کہ پورے عالم کو روشن کرنے کیلئے صرف ایک چاند خدا نے بنایا ہے، جب ایک چاند پوری دنیا کو محیط ہے تو اتنے زیادہ کتنی جگہوں کو محیط ہوں گے، ان کے لئے کتنے رقبہ کی ضرورت ہوگی؟ تو جب اپنی تحقیقات کے مطابق اتنے بڑے بڑے سیارے کے قائل ہو، وہ سب انہی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں تو کیا اللہ کی بنائی ہوئی جنت اور جہنم کا وجود مشکل ہے؟ بالآخر ان سیارات "زحل، مشتری، عطارد" وغیرہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ خدا ہی نے پیدا کیا ہے تو جس خدا نے اتنے بڑے بڑے سیاروں کو اسی آسمان اور زمین میں پیدا کیا ہے تو کیا وہ اتنی ہی عظیم جنت اور جہنم اسی آسمان و زمین کے برابر نہیں بنا سکتا ہے؟ یقیناً بنا سکتا ہے، پھر اتنی بدیہی اور واضح حقیقت کو جاننے کے باوجود انکار کیوں کر رہے ہو؟

چاہیئے تو یہ تھا کہ سائنس کی اس قدر ترقی اور نئے نئے انکشافات کے

بعد ہم فوراً ایمان لے آتے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس سرزمین میں پیدا ہوئے وہاں نہ کوئی کالج اور نہ یونیورسٹی، نہ کوئی معلم اور نہ کوئی ریسرچ اسکالر تھا، تعلیم کا تو وہاں رواج ہی نہ تھا، ان لوگوں کا مشغلہ صرف شراب نوشی، زناکاری اور قتل وغارت گری تھی، ایسے ماحول اور معاشرہ میں آمنہ کے لال نے بغیر کسی پی، ایچ، ڈی کی ڈگری لئے اور تعلیم حاصل کئے آسماں کے راز کھولے جب کہ نہ آلات رصد میسر تھے اور نہ ہی جدید انتظامات، پھر بھی آپؐ نے خبر دی کہ زمین یوں ہوگی، آسمان یوں ہوگا، جنت وجہنم اتنی بڑی ہوگی ــــ جو انکشافات وتحقیقات اس وقت جدید کہلاتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل ہی کردی تھیں تو تحقیقات کی اس مطابقت پر ذہنی وطبعی سلامت کا تقاضا یہ تھا کہ فوراً ایمان لے آتے لیکن بجائے ایمان لانے کے تم ہمارے آقائے مکی ومدنی کی باتوں کو افسانہ کہہ رہے ہو۔

وحی کے ذریعہ اَن دیکھی باتوں کا علم

اَب سوال یہ ہے کہ جب نہ آلاتِ رصد تھے اور نہ ہی آج کی طرح جدید انتظامات تھے، پھر آپ کو آسمان اور زمین کے بارے میں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا بھی علم ہوتا تھا وہ سب بذریعہ وحی ہوتا تھا، اللہ نے آپ کو جس چیز سے واقف کرادیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے واقف ہوگئے اور جن چیزوں سے واقف نہیں کرایا گیا، آپؐ اس سے واقف نہیں ہوئے، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کا ایک دشمن بغل میں خنجر چھپائے آپ پر حملہ آور ہونا چاہتا، آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو قریب بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا: اسلام قبول کرنے

کی نیت سے آیا ہوں، آپ نے پھر پوچھا: کیا تم میرے قتل کے ارادہ سے نہیں آئے تھے؟ اس نے کہا: نہیں یارسول اللہ! میں صرف اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے پھر سوال کیا: تم نے مکہ میں حطیم میں بیٹھ کر جو پیسے لئے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو کسی نے دیکھا نہیں تھا، پھر اس کی اطلاع آپ کو کس نے دیدی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے بتایا ہے، اسی کے بتانے سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہا اٰمنت بك یارسول اللہ اے اللہ کے رسول! میں اب آپ پر ایمان لاتا ہوں، اسی طرح جب غزوۂ بدر میں حضرت عباس کو گرفتار کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ عباس! اپنا فدیہ اور عقیل، نوفل دونوں بھتیجوں کا فدیہ اور اپنے حلیف عتبہ کا فدیہ ادا کرو، حضرت عباسؓ نے صرف اپنا اور اپنے ایک بھتیجہ کا فدیہ ادا کیا اور آپ سے کہا آپ نے مجھے بالکل کنگال اور فقیر بنا دیا، اب میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ نے اپنی بیوی کو جو مال چھپا کر رکھنے کے لئے دیا تھا وہ کتنا ہے؟ اسی سے فدیہ ادا کر دیجئے۔ حضرت عباس نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ میں نے کچھ رقم اپنی بیوی کے پاس چھپا رکھے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس سے آگاہ کیا ہے۔

غرض کہ آپ کو جن باتوں کا علم ہوتا تھا وہ بذریعہ وحی ہوتا تھا، چاند سورج اور جنت وجہنم کے بارے میں آپ نے بذریعہ وحی خبر دیئے جانے کی وجہ سے یہ انکشافات فرمائے تھے اور جو انکشافات چودہ سو سال قبل آمنہ کے لال نے کی تھی وہی انکشافات چودہ سو سال بعد کر رہے ہو تو عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو۔ اگر اس کے باوجود تم ایمان نہ لاؤ، حلقہ بگوش اسلام ہونے سے تم انکار کر دو تو اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہوگی؟ اسی طرح اسلام نے چوری، زنا اور قتل وغارت گری کے

(۱) السیرۃ الحلبیہ ۳/۴۵۹۔

سدِّ باب کے لئے جو سزائیں متعین کی ہیں، ہم جدید اذہان، جدید تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر دنیا کو چیلنج کرتے ہیں کہ تم ان سزاؤں کو نافذ کرو اور دیکھو تمام ممالک اور پورے عالم میں امن وسکون ہوتا ہے یا نہیں؟ اس لئے قرآن نے کہا هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ یہی وہ جہنم ہے جس کو مجرمین جھٹلاتے تھے۔

گرم پانی سے جہنمیوں کی ضیافت

آگے ارشاد فرمایا: یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ یعنی جہنمیوں کی ضیافت اس طرح ہوگی کہ وہ جہنم اور بہت ہی تیز پانی کے اردگرد گھوم پھر رہے ہونگے روایتوں میں آتا ہے کہ جب دوزخی آگ کی سزا پا رہے ہوں گے، آگ کی شدت کی وجہ سے انہیں تیز پیاس لگے گی، اسی عالم میں کافی دور سے پانی نظر آئے گا ——— یہ عام آدمی کی بھی حالت ہوتی ہے کہ جب اسے شدت سے پیاس لگتی ہے اور اچھا پانی نہ مل رہا ہو تو اس حالت میں وہ یہ نہیں دیکھتے جاتا کہ پانی پاک ہے یا ناپاک، جو ملتا ہے وہی پی لیتا ہے جہنمیوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ جب وہ دور پانی پینے کے لئے جائیں گے تو ان کے ایسے پانی سے مہمان نوازی کی جائے گی جو تلچھٹ کی طرح ہوگا جب وہ شدتِ پیاس کے عالم میں اس پانی کو پئیں گے تو ان کے چہرے جل جائیں گے، آنتیں کٹتی ہوئی نیچے بہہ جائیں گی... اس تکلیف سے نجات پانے کے لئے پھر اس کنویں پر پہونچیں گے جہاں انہیں تلچھٹ کا سا گرم پانی ملے گا، وہاں کی تکلیف سے پریشان ہوکر پھر وہ جہنم کی طرف بھاگیں گے اور اسی طرح چکر کاٹتے رہیں گے، پھر آگے فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اے جن وانس! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

پھر یہ نعمت کیسے؟

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو تین آیتوں میں جہنم اور اس کی سزاؤں کو بیان کیا ہے اور اخیر میں فرمایا کہ اَب تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ سوال یہ ہے کہ یہ جہنم اور اس کی سزا تو تکلیف دہ چیز ہے، نعمت تو ہے نہیں کہ اللہ اُسے دیکر بندوں پر احسان جتلا رہے ہیں۔ یہ تو تکلیف ہی تکلیف ہے پھر اسے نعمت کیسے قرار دیا گیا؟

حضرات مفسرین نے اس کے دو جواب ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ دنیا کا اصول ہے کہ دشمن کو جب سزا دی جاتی ہے تو ہر انسان کو مسرّت ہوتی ہے کوئی مرتا ہے، زندگی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے اقربا روتے چلاّتے ہیں، کوئی اس کے مرنے پر خوشیاں مناتا ہے، مٹھائیاں تقسیم کرتا ہے۔

اسی طرح کفار و مشرکین جو تیرے دشمن ہیں، تیرے دین کے دشمن ہیں، تیرے قرآن کے منکر ہیں، تیرے نبی کو جادوگر کہنے والے ہیں، اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑانے والے اور استہزاء کرنے والے ہیں، انہیں اگر عذاب وعقاب دی جائے تو یہ ان کے لئے سزا ہوگی، لیکن ان کو سزا دیئے جانے سے تم کو دلی مسرت اور خوشی ہوگی۔ اس مسرت اور خوشی کا حاصل ہونا نعمت ہی تو ہے اس لئے عذاب سزا کو مؤمنوں کے لئے نعمت قرار دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ایک ہی چیز ایک اعتبار سے رحمت ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے زحمت، ایک ہی چیز ایک لحاظ سے نعمت ہوگی دوسرے لحاظ سے وبال۔ مثلاً آگ ہے کہ وہ کسی آدمی کو جلا دے، اِس اعتبار سے وہ عذاب ہے اور تمہارے کھانے اسی سے پکتے ہیں اس لحاظ سے وہ رحمت ہے، اگر آگ نہ ہو تو کھانے کیسے تیار ہوں؟ انواع و اقسام کے

کھانے کیسے بنیں؟ تو ایک ہی چیز ایک اعتبار سے عذاب ہے اور دوسرے اعتبار سے راحت۔

اسی طرح ایک شریف آدمی قید و بند کی صعوبتوں کی وجہ سے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا ہے تو وہی قید و بند جو ایک چور کے لئے سزا تھی، اس نے ڈر سے اس جرم کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ اور قید و بند کی تکالیف سے محفوظ رہا تو وہی اس کے لئے رحمت بن گئی۔ اسی طرح جہنم گو کہ بظاہر عذاب ہے لیکن جو شخص آیات وعید پڑھ کر اور سُن کر اس جہنم سے اپنے کو بچالے تو یہی تذکرۂ جہنم اس مؤمن کے لئے رحمت ہے، اس لئے جہنم اور اس کی سزا کا ذکر کیا جانا بھی نعمتِ خداوندی ہے۔

ایک تیسرا جواب بھی علماء نے دیا ہے کہ عدل رحمت ہے اور ناانصافی زحمت اور عذاب ہے، مثلاً کسی کا دس ریال آپ کے ذمہ واجب الادا ہے اور آپ دس ریال ادا کردیں تو یہ عدل ہے اور اس کے لئے نعمت ہے اور اگر نہ دیں تو یہ ناانصافی ہے جو اس کے لئے عذاب ہے تو جب کافروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو یہ عدل ہوگا اور مسلمانوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو یہ ان کے لئے فضل ہوگا اور عدل ہمیشہ نعمت اور رحمت ہی ہوتا ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ ہم مجرمین کو جہنم میں ڈالیں گے جو عدل ہے، تو تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

دعا کریں کہ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے عذاب سے نجات دلائے اور ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

درس ۵

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

(۴۶ ــــ ۵۲)

ترجمہ: جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لئے دو جنتیں ہیں، پھر اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ جن میں بہت سی ٹہنیاں ہوں گی پھر اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں بہتے ہوئے دو چشمے ہوں گے، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہونگی پھر اے انسان و جنات! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

آیات کی تشریح

گفتگو کا اصول یہ ہے کہ جب کسی چیز کو تقابل کے ساتھ بیان کیا جائے تو وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے اور ہر آدمی کی سمجھ میں وہ بات جلد اور اچھی طرح آجاتی ہے ــــــــــ اسی لئے خداوند قدوس نے اس سورت میں پہلے کافروں اور مجرموں کے عذاب کا ذکر فرمایا اور اب بعد کی آیتوں میں مؤمنوں کو اعمالِ صالحہ کے عوض دی جانے والی جنت اور اس کی آسائشوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ارشادِ باری ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے اور اس کے سامنے پیشی سے ڈرتا رہا اس کے لئے دو جنتیں ہیں ــــــــــ حضرات مفسرین نے اس آیت کی

تفسیر دو انداز سے کی ہے، ایک یہ کہ دنیا میں اسے کامل یقین رہا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، ہر عمل کا حساب کتاب اور اس پر جزا و سزا ہونے والی ہے، خدا کے سامنے پیش ہونا ہے، اس نے اس کے ڈر سے گناہ کو چھوڑ دیا، نیکیاں کرنے لگا، خدا کی فرماں برداری کرنے لگا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ گناہ کرے، سینما بینی کرے، ٹی وی، ویڈیو دیکھے، بدنگاہی کرے، چوری کرے، ڈکیتی کرے اور خوب عیاشی کرے، لیکن اس نے اپنے نفس کی آواز، نفس کی دعوت اور شیطان کی بات کو ٹھکرا دیا، عارضی عیش کو دائمی عیش پر ترجیح نہ دیا، نفس کشی کیا اور سب اس خوف سے کیا کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

دوسرے یہ کہ اسے اس بات کا خوف رہا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہے، وہ یہ دیکھتا ہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور فلاں شخص کیا کر رہا ہے، اس ڈر اور خوف سے اس نے گناہ کو خیرباد کہا، اس کے قریب جانا بھی چھوڑ دیا اور طاعات پر عمل کرتا رہا، خدا کے احکامات کو بجالاتا رہا اور منہیات و محرمات سے اپنے کو بالکل بچاتا رہا۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن نے کہا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔

بہرکیف جو بھی تفسیر ہو، گناہوں سے بچنے والے اور خدا کے سامنے حضوری سے ڈرنے والے اور اس کی تیاری کرنے والوں کے لئے دو جنتیں ہوں گی۔

جنتوں کی توضیح اور دیدارِ باری تعالیٰ

جناب! وہ دو جنتیں کس چیز کی ہوں گی؟ امام بخاری نے عبداللہ بن قیس

کی روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ چاندی کی ہوں گی اور اس میں درخت کے علاوہ ہر چیز چاندی کی ہوگی یہاں تک کہ برتن اور عام استعمال کی اشیاء بھی چاندی ہی کی ہوں گی۔ اسی طرح دو جنتیں سونے کی بھی ہوں گی اور اس میں بھی درخت کے سوا ہر چیز سونے کی ہوگی۔ جس مؤمن کو اس جنت سے سرفراز کیا جائے گا اس کے اور اللہ کی دیدار کے درمیان حجاب باری کے سوا کوئی چیز رکاوٹ نہ ہوگی اور جب یہ حجاب ہٹ جائے گا تو پھر وہ دیدار باری سے شرف بار ہوں گے(۱)، اس وقت مسرت کا کیا عالم ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ——— اس دنیائے فانی میں تو بندہ کے اندر دیدارِ باری تعالیٰ کی تاب لانے کی طاقت نہیں لیکن آخرت میں ہمیں اللہ ایسی قوت دیں گے کہ ہم اپنے رب کی زیارت کر سکیں گے۔ اللہ ہم سب کو اپنی زیارت سے باریاب اور شرف یاب فرمائے۔

آیت کا مصداق

مشہور مفسر ابن کثیر نے عطاء خراسانی کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی (۲) اور اس تائید میں بعض روایتیں بھی مروی ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ نقل کی جاتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مرتبہ دودھ پیا، کسی نے بتایا کہ جس آدمی نے یہ دودھ پیا ہے اس کی کمائی کے حلال و حرام ہونے میں شبہ ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت ابو بکر حلق میں انگلی ڈال ڈال کر دودھ کی قے کرنے لگے۔ حضورؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اے ابو بکر! اللہ نے تمہارے

---

(۱) بخاری عن عبداللہ بن قیس ۲/۲۴۷۔ (۲) ابن کثیر ۴/ ۲۹۶۔

بارے میں بالکل صحیح نازل فرمایا ہے کہ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (۱) اسی طرح ابن ابی حاتم نے عطاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دن روزِ قیامت، اس میں میزان کے قائم ہونے، جنت جہنم، بڑے بڑے پہاڑوں کے روئی کی طرح اڑنے، سورج کے بے نور ہونے اور ستاروں کے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے کے بارے میں بہت غور و فکر کرنے لگے اور اتنا خوف کھانے لگے کہ وہ انسان ہونے کے بجائے یہ تمنا کرنے لگے کاش! میں گھاس پھوس ہوتا تو اس دن حساب وغیرہ نہیں دینا پڑتا اور مجھے کوئی جانور کھا گیا ہوتا اور یہ بھی تمنا کرنے لگے کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (۲)

آخر یہ شرف کیوں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوتا جب کہ انہوں نے ہر موقع رنج و راحت میں حضورؐ کا ساتھ دیا۔ مَردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا، کئی غلام مسلمانوں کو ان کے ظالم آقا کے پنجہ اور تکالیف سے آزاد کرایا اور تو اور اسلام کی تاریخ کا وہ اہم موڑ جس کے بعد سے اسلام کی آواز پورے عالم میں پھیلی جس کو تاریخ اسلام واقعہ ہجرت سے یاد کرتی ہے اس میں بھی آپؐ کے شریکِ سفر آپؓ ہی تھے اور آپ ہی کو سفر میں رفاقت کا سب سے بڑا شرف حاصل ہوا۔ خود قرآن نے آپ کی اس سعادتِ کبریٰ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ——— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غار ثور میں دشمن بالکل قریب ہو چکے تھے، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا: یارسول اللہ!

---

(۱) مواہب الرحمان ۲۷/۲۱۶۔

(۲) روح المعانی ۲۷/۱۱۶۔

دشمن قریب آچکے ہیں، وہ ہمیں دیکھ لیں گے، آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! گھبراؤ مت، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

بعض متجددین کا شبہ

اس آیت کی بنیاد پر حضرات علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو کافر ہے۔

لیکن اس زمانہ میں متجددین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے ساتھ ایمانی رشتہ کی وجہ سے نہیں لے گئے تھے بلکہ اس لئے لے گئے تھے کہ وہ آپ کو نقصان نہ پہونچائیں اور آپؐ اس لئے بھی لے گئے تھے کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ ابوبکر کہیں مکہ سے مدینہ تک کی ہجرت کی اطلاع دشمنانِ اسلام کو نہ دیدیں۔

لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپؐ اللہ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے گئے تھے۔ ابوبکرؓ کے اخلاص و دیانت کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ کہ آپؐ ایسے سخت اور مشکل وقت میں آپؓ پر اعتماد کرتے ہوئے مدینہ کے پہلے سفر میں آپ کو ساتھ رکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو ایک نادان بچہ بھی بے وقوفی ہی سمجھے گا، کیوں کہ اگر یہی بات ہوتی تو آپ کا پورا خاندان مکہ ہی میں تھا، اپنے بچوں سے کہہ جاتے کہ تم بتا دینا۔ اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو کہہ جاتے کہ تم لوگوں کو بتا دینا۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا، پورا خاندان خدمت میں لگا ہوا تھا، حضرت عبداللہ مکہ کی خبریں دیتے رہتے تھے، غلام دودھ پلانے کے لئے بکریاں چرانے اُدھر ہی آیا کرتے تھے، پھر عبداللہ کی

آمدورفت کی وجہ سے قدموں کے نشانات پر بکریاں چلا دیا کرتے تاکہ وہ نشانات مٹ جائیں اور غار تک کسی کی آمدورفت کا قطعاً علم نہ ہو سکے۔ سفر میں سہولت کے لئے اونٹ کا انتظام حضرت ابوبکر نے ہی کیا، سفر میں رہبری کے لئے ایک رہبر کا انتظام بھی انہوں نے ہی کیا تھا(۱) اتنی خدمت کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس لئے ساتھ لے گئے تھے تاکہ وہ اس کی اطلاع کافروں کو نہ دیدیں۔ تو اسے متعنت اور ہٹ دھرم ہی کہا جائے گا، اس کا پھر کوئی علاج نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدّیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں

تو یاد رکھو کہ اہلِ سنت و الجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ اور یہی عقیدہ حضرات صحابہ کا بھی تھا کہ حضرت صدیق اکبر کو حضورؐ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ تمام انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، اسی وجہ سے قرآن جیسی ابدی کتاب میں آپ کی مدح میں کئی آیتیں اتری ہیں اور اس سے بڑی مدح اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، حضرت جبرئیل نے عرض کیا: یارسول اللہ یقرئك السلام آپ کے رب آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضؓ کو بھی خدا کا سلام پہنچا دو اور یہ پوچھو کہ وہ اس حال میں مجھ سے راضی ہے؟

جب حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیامِ سلام حضرت ابوبکر صدیق تک پہونچایا تو خوشی و مسرت کے مارے رو پڑے اور عرض کیا: ءَ اللہ سمّانی؟ کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ کہ ابوبکر کو سلام کہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں اللہ نے تمہارا نام لیا ہے، پھر فرمایا: انا راض عن ابی بکر ہیں اپنے رب سے راضی ہوں،

(۱) السیرۃ الحلبیہ ۲/۲۲۵۔

انہی خصوصیات کی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ کے مصداق حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔

آیت کا ایک اور مصداق

بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا مصداق وہ شخص ہے جس نے اپنے لڑکوں کو وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں تو میری نعش کو آگ میں جلا دینا اور راکھ کو تیز آندھی میں اڑا دینا تاکہ نہ میرے جسم کے اجزاء رہیں گے اور نہ خداوند قدوس ہم سے اپنے کئے کے بارے میں سوال کرے گا۔

یہ کہنے کے بعد وہ شخص ایک دن اور ایک رات توبہ و استغفار میں مشغول رہا اور اس کے بعد مرگیا۔ مرنے کے بعد اس کے لڑکوں نے اس کی وصیت پوری کردی ——— جب بارگاہِ خداوندی میں اس شخص کو پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے اللہ! صرف تیرے سامنے پیشی اور حسابِ کتاب کے ڈر سے ——— تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم وکرم سے اسے معاف فرمادیا ——— اور اس کے علاوہ کتبِ تفسیر میں بہت سے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

آیت کا حکم عام ہے

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور قیامت تک آنیوالی نسل کیلئے بشارت ہے کہ جو شخص بھی خدا کے سامنے حاضری سے ڈرجائے

اور اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈر کر نفس کو خواہشات سے بچالے، اپنی اصلاح کرلے، خوفِ خدا اس کے دل میں جاگزیں ہوجائے، فرائض ادا کرتا رہے محرمات سے بچتا رہے، اسے ہر وقت یہی خوف دامنگیر ہو کہ اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ مثلاً ایک مزدور سارا دن کام کرکے چور چور ہو کر آرہا ہے اب نفس چاہتا ہے کہ کچھ دیر آرام کرلے لیکن ادھر مغرب کی اذاں ہو رہی ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونے اور منھ دکھانے سے خوف کھاتے ہوئے مسجد چلا جائے اور سوچے کہ آرام بعد میں کرلیں گے تو ایسے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دو جنتیں عطا فرمائے گا۔

اَب جس شخص کے دل میں خوفِ خدا گھر کرجائے تو وہ کوئی گناہ کرسکتا ہے؟ اس سے کسی گناہ کے سرزد ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب بھی نماز پڑھے گا تو یہی فکر ہوگی، طواف کرے گا تو یہی فکر ہوگی، اس کے بعد اس کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوجائیگا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اس کا تعلق نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے ہمیں بھی یہ دولت عطا فرمائے اور ہر مسلمان کے اندر یہ خوف خشیت پیدا فرمادے۔

تزکیۂ نفس کیلئے اہل اللہ کی صحبت ضروری ہے

اس سلسلہ میں اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کو بندہ اپنے دلوں میں جمالے، آدمی ہر وقت یہ تصور کرتا رہے کہ میری ہر حرکت اور ہر فعل سے اللہ پوری طرح واقف ہے۔ میں اس کے سامنے ہوں، اس میں بھی تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن اللہ چاہے تو

کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جب اس بات پر ہر آدمی کا کامل یقین ہو جائے تو پھر اس کی ہر حرکت اتباعِ سنت کیلئے ہو گی، اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا تمام ہی افعال سنت کے مطابق ہوں گے۔

لیکن زبان سے کسی لفظ کا نکالنا اور بات ہے اور دلوں کو مانجھ کر نفس کا تزکیہ کر کے مرتبہ احسان تک پہونچا دینا اور بات ہے، یہ صفت اہل اللہ کا کام ہے، یہ صفات اور یہ بلند مرتبہ ان کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز سیکھنے کیلئے معلم کی اور اس فن کے استاذ کی ضرورت پڑتی ہے تو جس طرح علم بغیر معلم کے اور کتاب بغیر استاذ کے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح احسان اور سلوک بھی اہل اللہ کی صحبت کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔

اہل اللہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی عمریں گذر جاتی ہیں لیکن ان کی زبان اور ان کے اعضاء و جوارح سے کبھی بھی خلاف شریعت کسی بھی عمل کا صدور نہیں ہوتا، موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھئے اور کبھی بھی ایسی عظیم نعمت کو ضائع مت ہونے دیجئے، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ نعمت طاقت کے زور سے حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک خدا ہی اس کا موقع نہ میسر فرمادے، ان اہل اللہ اور بزرگانِ دین کا کوئی بھی لمحہ یادِ خدا سے غافل نہیں رہتا۔

امّت اور صاحبِ امّت کا مجاہدہ

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے ان کے سامنے شیطان پر لعنت بھیجی تو فرمایا کہ جتنی دیر تم نے دشمن کے یاد کرنے میں گذار دی۔ اتنی دیر محبوبِ حقیقی کی یاد میں گذارتے تو تجھے بے حد ثواب ملتا ——— مجاہدے کے بہت سے واقعات حدیث میں منقول ہیں، ایک مرتبہ نبی کریمؐ تشریف لائے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان رسّی کھینچی ہوئی ہے، تو آپ نے پوچھا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ زینب کی رسّی ہے، جب وہ تکان محسوس کرتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ نہیں اسے کھول دو، تم میں سے ہر شخص اپنی خوشی سے نماز پڑھے اور جب سستی معلوم ہو تو بیٹھ جائے (بخاری عن انس ۱/۱۵۴) ——— یعنی اتنی محنت و مشقت بھی نہیں ہونی چاہیے کہ پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوتا ہو۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ تہجد کی نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک میں ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر بھی آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں اپنے رب کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا اللہ نے جو مجھ پر احسانات فرمائے ہیں اس کا شکر بھی ادا نہ کروں؟۔

آلِ داؤد کو بھی دیکھئے کہ انہوں نے عبادت کے لئے چوبیس گھنٹے تقسیم کر رکھے تھے مثلاً گھر میں بارہ آدمی ہیں تو ہر فرد خانہ دو دو گھنٹے ذکر خدا میں مشغول رہے تاکہ کوئی بھی ایسا لمحہ نہ گذرے کہ اس میں ہم اللہ کی یاد سے غافل ہوں۔

خانہ کعبہ نیکیاں لوٹنے کی جگہ ہے

یہ خدا کا گھر ہے، بیت اللہ سامنے ہے، یہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، اگر رحمت کے دربار میں بھی ہم محروم رہے تو یہ ہماری بدقسمتی کی انتہا ہو گی کہ دریا بہہ رہا ہو اور انسان پھر بھی میلا کچیلا رہے تو اس محرومی پر جتنا رویا جائے کم ہے، دریا کا اس میں کیا قصور ہے؟ دریا کی موجیں تو تمہارے گھر نہیں آئیں گی، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی رحمت کے دریا میں بھیجا ہے، یہاں آکر بھی ہم نے اپنی اصلاح نہ کی، باطن کو نہیں سنوارا، منکرات کو نہیں چھوڑا، ہماری طبیعتیں طاعات کی عادی نہ بن سکیں تو پھر ہماری کہیں اصلاح نہیں ہو سکتی، گویا ہم دھتکارے ہوئے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کیوں کہ یہ مرکز ہے اس مرکز میں رہ کر بھی ہمیں ہدایت نہ ملے، یہاں رہتے ہوئے بھی آدمی جھوٹ بولے، گالیاں دے، نماز نہ پڑھے، منہیات و محرمات کا کاروبار کیا جائے اور منہیات کا استعمال کرے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم ٹھکرائے ہوئے ہیں۔

یہاں رہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی اور اپنے بیوی بچوں اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کر سکیں۔ ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات، توحید و رسالت اور فرائض وغیرہ سکھائیں۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو کہ ہمارا مکہ میں آنا کارآمد رہا، ہم کامیاب رہے، اگر جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس لوٹے، مکہ آئے تھے تو قبروں پر سجدہ کرتے تھے، واپس گئے پھر بھی قبروں پر سجدہ کرتے رہے، وہاں پیروں سے مانگتے تھے، مکہ سے واپس جانے کے باوجود بھی پیروں کی قبر پر دستِ سوال دراز کرتے رہے، انہی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے رہے تو سمجھو کہ اس دروازے سے محروم گئے۔

وہاں سے آئے تھے تو صحابہ کے دشمن تھے، اس نے مکہ آکر اپنی آنکھوں سے وہ مقامات دیکھے جہاں صحابہ نے قربانیاں دیں، جہاں حضرت بلال حبشی کو کوڑے لگائے گئے۔ صحابہ کو اسلام قبول کرنے کی سزا میں ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے، ان کے خون بہائے گئے، جہاں حضورؐ کے قدم مبارک زخمی ہوئے، آپ نے بے شمار مصائب جھیلے اور جہاں آقائے مدنیؐ نے توحید کا درس دیا۔

وہ یہاں آکر ان مقامات کو دیکھ کر بھی صحابہ کا دشمن ہی رہا، صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہے اور آگے نہیں بڑھتا کہ آگے ابوبکرؓ اور عمرؓ آسودۂ خواب ہیں، یہاں آکر بھی تعصب ختم نہیں ہوا تو نہیں معلوم یہ تعصب کہاں جاکر ختم ہوگا اور کونسا دروازہ ہوگا جہاں اسے ہدایت ملے گی؟ اسی لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ صدیق اکبر کے بارے میں ہے۔

جنت ہر مومن کیلئے ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر بندۂ مومن کے لئے بشارت ہے، چنانچہ ابن جریر طبری نے ابو درداءؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرمائیں گے۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اگرچہ زنا بھی کیا ہو اور چوری بھی کی ہو؟ ——— راوی کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ حضور! اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری بھی کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا

کہ جو بھی اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرے، اس کو دو جنتیں ملیں گی، راوی نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ! اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے، آپؐ نے فرمایا کہ: ابو درداءؓ! تیری ناک خاک آلود ہو، اگر اللہ دیدے تو کون روک سکتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انسان گنہ گار ہو لیکن جب سچی توبہ کرلے گا تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اللہ جنت سے نوازیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زنا کرنے کی پوری زندگی عادت بنی رہی پھر بھی اس کو دو جنتیں ملیں گی۔

خطا اور توبہ ——— خاصۂ بشریت

انسان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، جب بھی اس کے دل میں خوفِ خدا گھر کر جائے اور وہ بارگاہِ خداوندی میں آکر اپنے گناہوں پر توبہ کرے، یہ عہد کرلے کہ آئندہ اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوگا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ گناہوں سے رجوع کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کے اعمال کئے ہی نہ ہوں(۱) توبہ کے بارے میں مایوسی شیطان کا وسوسہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی تم نے شراب پی لی ہے اب کیا گندی زبان سے اللہ کا نام لوگے؟ یہ خیال اور عقیدہ بالکل غلط ہے اور شیطان کا حملہ ہے، ایک بار کیا؟ اگر بار بار بھی توبہ کیا اور ہر بار گناہ سرزد ہو گیا، یہاں تک کہ اگر سو مرتبہ بھی سچی توبہ کیا اور ہر بار توبہ کے تقاضے مکمل نہ کر سکا، پھر بھی ندامت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں معافی کی درخواست کی تو اللہ اس کے گناہوں کو ضرور ہی معاف فرمادیگا۔

عام انسانوں سے گناہوں کا صدور باعثِ تعجب نہیں ہے۔ انبیاءؑ

---

(۱) ابن ماجہ عن ابی عبیدہ بن عبداللہ عن ابیہ ۲/۳۱۳ باب ذکر التوبۃ۔

کے علاوہ کوئی بھی گناہوں سے معصوم نہیں ہے، بلکہ گناہوں کا صدور تو بشریت کا خاصہ اور تقاضہ ہے، انسان سے گناہ سرزد ہو ہی جایا کرتا ہے۔ اگر کسی انسان سے گناہ سرزد ہی نہ ہو تو وہ انسان نہیں بلکہ کوئی اور مخلوق ہے۔ اس کے علاوہ اگر انسان سے گناہ سرزد ہی نہ ہو اور گناہ کو انسانیت کے خلاف تصور کیا جائے تو پھر خداوند قدوس کی شانِ رحمت کا ظہور کیسے ہوگا؟ یہ تو اللہ کا نظام ہے کہ بندوں سے خطا سرزد ہوتی ہے اور پھر اس کی شانِ رحمت جوش میں آتی ہے بشرطیکہ بندہ ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور اپنے نفس کی اتباع چھوڑ دے۔

مؤمنین جنّات بھی جنّت میں جائیں گے

اس آیت کے عموم سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایماندار جنات بھی جنت میں جائیں گے، کیوں کہ لفظ "مَن" عام ہے، جس میں جنات اور انسان دونوں شامل ہیں۔ اسی لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ "جنتان" میں دو جنتوں میں سے ایک انسان کے لئے ہے اور دوسری جنات کے لئے ہے کیوں کہ آیت کے مخاطب جنات اور انسان دونوں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ دورانِ نماز جنات کا گذر ہوا جنات حضورؐ کی قرأت کو سنتے رہے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو ان جنوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کو بھی جا کر کہا: ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب سیدھی اور حق بات کی رہنمائی کرتی ہے اور انہوں نے دوسرے جنوں کے سامنے اسلام پیش کیا، اس طرح اور بھی مختلف مواقع پر جنات آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، اور آپؐ نے ان کو اسلام کا کلمہ پڑھایا۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی

کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ اس کی روش اور چال وحلیہ جنوں جیسی ہے۔ وہی صحابی ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے پوچھا: کیا تم جن ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! میں جنوں میں سے ہوں۔

تو یہ مت سمجھئے کہ مسلمان صرف انسان ہی ہوتے ہیں بلکہ جنات بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانوں میں علماء، صلحاء، زہّاد اور اتقیاء ہوتے ہیں اسی طرح ان میں بھی ہوتے ہیں اور جس طرح انسانوں میں سے مسلمان جنت میں جائیں گے اسی طرح مسلمان جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت جنات کے دخولِ جنت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔

اس آیت کے بعد پھر دونوں گروہوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا گیا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ اے جن وانس! تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جنّت کے باغات

آگے ارشاد ہوا: ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ کہ جنت کے باغات کے درخت مختلف ڈالیوں اور ٹہنیوں والی ہوں گی۔ درخت ایک ہوگا لیکن اس کی ہر شاخ میں الگ الگ ہوں گی اور ہر شاخ پر الگ قسم کے پھل لدے ہوئے ہوں گے، اور ان درختوں کے حسن وجمال کا تو اس دنیا میں تصور کر ہی نہیں سکتے۔ یہاں صرف پڑھ سکتے ہیں کہ ایسا ہوگا، ویسا ہوگا، ورنہ اس کی حقیقت تو اس وقت معلوم ہوگی جب اللہ ہمیں اپنی رحمت سے جنت میں لے جائے گا۔

اللہ ہمیں اور پوری امتِ مسلمہ کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں اپنی ان دائمی نعمتوں سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

درس ۶ ﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (۵۴ — ۶۱)

ترجمہ: وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہونگے جن کے اَستر دبیز ریشم کے ہوں گے، ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا، پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان باغات میں نیچی نگاہ والیاں ہونگی کہ ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے، پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟ پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دُنیا کی پابندیاں آخرت میں نہیں ہوں گی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے، اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ نے جنتیوں پر انعام کا ذکر کیا تھا، ارشادِ باری ہے: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ ——— متکئین کے معنی تکیہ" لگائے ہوئے، ٹیک لگائے ہوئے" کے آتے ہیں جیسے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ نے ٹیک لگا کر کھانے

سے منع فرمایا ہے، آج کل عام رواج ہے کہ کرسی پر ٹیک لگا کر ٹیبل پر رکھ کر کھاتے ہیں۔ آپؐ نے اس طرح کھانے سے منع فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں آپؐ نے اسے تکبّر کی نشانی قرار دیا ہے۔ کھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سیدھے اور زمین پر بیٹھکر کھائے اور نبی کریمؐ نے ہمیشہ اسی طرح کھایا ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ دنیوی احکام اُخروی احکام سے بالکل جُدا ہیں۔ دنیا میں جو پابندیاں شریعت نے عائد کر رکھی ہیں وہ پابندیاں آخرت میں عائد نہیں ہوں گی، مثلاً دنیا میں مَردوں کے لئے سونا حرام ہے، ریشم کا اِستعمال حرام ہے۔ لیکن آخرت میں یہ پابندی نہیں ہوگی۔ آخرت میں تو سونے چاندی ہی کے محلات ملیں گے، اہلِ جنت کے کپڑے اعلیٰ قسم کے ریشم کے ہوں گے، انکے بِستر اور تکیئے بھی اعلیٰ قسم کے ریشم کے ہوں گے، اسی طرح آخرت میں ٹیک لگاکر کھانے کی بھی اجازت ہوگی ——— دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دَارالجزاء ہے، دنیا اللہ کی فرماں برداری اور اطاعت کے لئے ہے اور آخرت اس کا بدلہ ملنے کیلئے ہے، اس لئے دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض مخالفینِ اسلام اور منکرینِ قرآن اعتراض کرتے ہیں کہ جناب یہ مسلمان ایک وقت کہتے ہیں کہ مرد کے لئے ریشم حرام ہے، سونا حرام ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ جنت کے اندر انہیں سونے کے محلات ملیں گے، چاندی کے محلات ملیں گے۔ انہیں ریشم کے خوبصورت کپڑے ملیں گے تو یہ چیزیں حرام ہیں، پھر یہ ان کو کیسے اِستعمال کرے گا؟ ناخواندہ اور دین سے ناواقف مسلمان گھبرا جاتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اس کی بات تو صحیح ہے۔ حالانکہ بات

یہ نہیں ہے۔ بات دَراصل یہ ہے کہ دنیا ہے ہی عمل کرنے کے لئے اور آخرت بھی صرف اس عمل کا بدلہ دینے کے لئے ہے، تو جس بندہ نے اللہ کی پابندیوں، حرام کردہ چیزوں کا پاس ولحاظ رکھا اور دنیا کی خواہشوں کو ٹھکرا دیا تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ انہیں آخرت میں دیں گے۔ انہوں نے سونا استعمال نہیں کیا تو آخرت میں اس نعمت سے نوازا جائے گا، جس نے ریشم کے استعمال سے اپنے آپ کو باز رکھا، آخرت میں اس کو خدائے تعالیٰ ریشم کے بہترین لباس پہنائیں گے

اس لئے یہ یاد رکھیں کہ دنیا کے احکام الگ ہیں، برزخ کے اَحکام الگ ہیں اور آخرت کے احکام الگ ہیں، اسی وجہ سے ہمیں بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں کیوں کہ ہم نے ان کو دیکھا نہیں، ہم نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا ہے جب تک اس کا مشاہدہ نہ کرلیں وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی حقیقت کو تین جملوں میں بیان فرمادیا، آپ نے فرمایا: مالاعین رأت، جس کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہے۔ ولا اذن سمعت نہ ہی کسی کان نے سُنا ہے ولاخطر علیٰ قلب بشر اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گذرا ہے۔

مُستشرقین کا ایک اور شبہ

مستشرقین نے اس حدیث کے مفہوم پر بھی اعتراض کیا کہ حدیث کہتی ہے مالاعین رأت جنت ایسی جگہ ہے جس کو کسی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں ہے حالانکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دیکھا ہے ولا اذن سمعت اور نہ کسی کان نے اس کے بارے میں سُنا ہوگا حالانکہ قرآن وحدیث میں جابجا یہ سننے کو ملتا ہے کہ جنت ایسی ہوگی، ویسی ہوگی، ولاخطر علی قلب بشر اور نہ کسی انسان کے دل

میں وہ بات آئی ہوگی، حالانکہ قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے تو یا حدیث صحیح ہے اور واقعہ غلط یا نعوذ باللہ حدیث غلط ہے اور واقعہ صحیح؟

اصل بات یہ ہے کہ جب تک آدمی منشأ کلام نہ سمجھے، فقط لفظوں سے اور ظاہر کلام سے بات سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً آپ انگلش ڈکشنری اٹھالیں اور اس میں ادویات کے نام لکھے ہوں، آپ وہ نام پڑھ تو ضرور لیں گے کیونکہ آپ انگریزی سے واقف ہیں، لیکن آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا کہ یہ دوا کس لئے ہے اور کس مرض کی ہے؟ یہ صرف ڈاکٹر صاحب ہی بتا سکتے ہیں اسی طرح قانون کی کتاب کو قانون داں ہی سمجھ سکتا ہے اور علم ہندسہ کی کتابوں کو صرف ریاضی سے واقفین ہی بتا سکتے ہیں، اسی طرح قرآن و حدیث کو متبحر علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ غیر عالم کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہے۔

اس موقع پر علماء نے لکھا ہے کہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ جو کچھ قرآن اور دوسری احادیث میں جنت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کا ادراک آنکھ، کان، ناک اور دل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ عالم آخرت میں اس کا مشاہدہ نہ کرلے، اب ہمیں کتنا ہی سمجھایا جائے کہ وہاں ایسی حوریں ہوں گی، ایسی نہریں ہوں گی، فلاں فلاں سامانِ آرائش ہوں گے تو اگرچہ جنت کی باتوں کو ہم نے سُن کر سمجھ لیا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ صرف انہی احادیث سے معلوم نہیں کر سکتے جب تک ہم اس کا مشاہدہ نہ کرلیں۔

جنّت کے بستر

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ یعنی جنت میں جنتی ایسے

بستروں پر ٹیک لگائے ہوں گے جن کا اندرونی حصہ استبرق کا ہوگا۔ استبرق سے وہ ریشم مراد ہوتا ہے جو موٹا ہو، آدمی ٹیک لگا کر اس وقت بیٹھتا ہے جب کسی طرح کا غم اور فکر نہ ہو، کھانا وغیرہ کھائے ہوا ہو تو جنت میں ان پر کوئی غم اور فکر نہ ہوگا، اسی لئے "مُتکئین" فرمایا اور یہ بھی فرمادیا کہ "فرش" بہت سے بستر جنتیوں کے لئے ہوں گے، دنیا میں تو اعلیٰ قسم کے بستر معدودے چند ہی آدمی رکھتا ہے اور صرف موقع بہ موقع استعمال کرتا ہے اور استعمال کر کے لپیٹ کر حفاظت سے رکھ دیتے ہیں لیکن جنت میں اعلیٰ قسم کے بستر ے ایک دو نہیں بلکہ کثیر تعداد میں ہر ایک کو مہیا ہوں گے جس کی وجہ سے نہ تو وہ خود خراب ہوگا، اور نہ ہی کثرت کی وجہ سے اس کے خراب ہونے کی فکر ہوگی اور آدمی بے فکر ہو کر اس بستر پر ٹیک لگائے گا۔

"فراش" تو کئی چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے تکیہ، گدّا، چادر اور لحاف وغیرہ، لیکن یہاں صرف لحاف اور لحاف میں بھی صرف استر کا ذکر آیا ہے، دراصل اس سے بتلانا مقصود یہ ہے کہ جب بستر کے اندرونی حصہ کا یہ عالم ہے تو ظاہری حصہ کا کیا عالم ہوگا؟

جنّت کے میوے

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ یعنی جنت میں میوے اتنے قریب قریب ہوں گے کہ تم ٹیک لگا کر بیٹھو گے تب بھی وہ تم کو ہاتھ آجائے گا، دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر کھڑے ہوں تو پھل قریب اور بیٹھ جائیں تو دور ہو جاتا ہے اور ٹیک لگانے سے تو اور بھی دور ہو جاتا ہے لیکن آخرت کا معاملہ بالکل برعکس ہوگا، وہاں پھل دور نہیں ہوگا بلکہ قریب ہوگا اور اشارے کا منتظر ہوگا، جیسے ہی جنتی کا

اشارہ ہوگا وہ پھل اس کے ہاتھ کے قریب آجائے گا خود اس کو پھل کے قریب جانا نہیں پڑے گا یہی دنیا اور آخرت کے پھلوں میں فرق ہے۔

دنیا میں تم باغوں میں جاتے ہو، پھل توڑنے کیلئے درخت پر چڑھتے ہو پھر توڑ کر کھاتے ہو اور منافع میں لاتے ہو، اس کو سردی و گرمی کے اثرات سے بچاتے ہو، مسلسل اس میں دوائیں چھڑکتے رہتے ہو اس میں بھی کوئی کچا، کوئی پکا، کوئی گلا ہوا اور کوئی سڑا ہوا۔ لیکن آخرت میں بغیر کسی محنت کے عمدہ عمدہ میوے اور بہتر سے بہتر پھل جنتی کے لئے ہمہ وقت تیار اشارہ کے منتظر ہوں گے۔

حُوریں شوہر نا آشنا ہوں گی

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ ان جنتوں میں نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی جن سے نہ تو کسی انسان نے آشنائی کی ہوگی اور نہ ہی کسی جن نے۔

دوسری جگہ انہی حوروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ کہ یہ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی اور پوشیدہ و تابندہ موتی کی طرح چمک رہی ہوں گی۔ "حور" کو حور اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی سیاہی بہت ہی سیاہ اور سفیدی بہت ہی سفید ہوگی آنکھیں بڑی بڑی ہونگی۔ ایک اور جگہ فرمایا: عربا اترابا جنتی حوریں ہم عمر اور نوجوان ہوں گی، کسی انسان اور کسی جن نے ان سے آشنائی نہیں کی ہوگی۔

ایک اور مطلب مفسرین نے لکھا ہے کہ نہ کسی انسان نے انسانی عورت کو اور نہ کسی جن نے کسی جن عورت کو چھوا ہوگا۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر بیان کی ہے کہ انسان تو انسان کسی جن نے بھی ان کو چھوا نہ ہوگا، دنیا میں بعض

مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت نیک ہوتی ہے لیکن وہ اپنے کو جنوں سے نہیں بچا پاتی۔ یہ عورتیں اور حوریں نیچی نگاہیں رکھنے والی ہوں گی جو دوسروں کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی، یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ اپنی نگاہیں جھکی رکھیں گی اور سر اٹھائیں گی ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باحیا ہوں گی، بے حیا اور ہر ایک سے آشنائی کرنے والی عورتوں میں سے نہیں ہوں گی۔

بے حیا اور باحیا عورت میں فرق یہی ہے کہ بے حیا عورت چلتے ہوئے کبھی بائیں طرف دیکھتی ہے اور کبھی دائیں طرف، کبھی کپڑے ٹھیک کرے گی، ان کی بے حیائی کے آثار چال ڈھال اور جذبۂ خود نمائی سے ظاہر ہوتے ہیں، اس کے اندر بے حیائی مچلتی ہے اور وہ چین نہیں لینے دیتی، تو پھر اس کے ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہیں، یہ کوئی عورتیں ہیں؟ یہ انسان کی شکل میں شیطان ہیں، یہ تو اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینے والی ہیں، مثالی عورتیں تو ازواجِ مطہرات تھیں، صحابیات تھیں، تابعیات تھیں۔

عورتوں کا باہر نکلنا؟

بعض لوگ اس موقع پر بھی یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ اور دیگر صحابیات جنگ میں شریک ہوتی تھیں، جب صحابیات باہر نکلتی تھیں تو آجکل عورتوں کا باہر نکلنا کیوں کر ممنوع ہوگا ——— لیکن ان کا یہ سوال تاریخ سے ناواقفیت اور خیر القرون کی خواتین سے ناآگہی پر مبنی ہے۔ آج کے زمانہ کے حالات اور اس وقت کے حالات و کیفیات میں بہت بڑا فرق ہے۔

اس زمانہ میں خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی اور تقویٰ اس قدر تھا کہ ہر شخص اجنبیہ پر نگاہ ڈالنے سے ڈرتا تھا، کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا تھا،

اگر آج بھی اس وقت کا سا ماحول ہو جائے تو آج عورتیں بھی باہر نکل سکتی ہیں، لیکن جب بے حیائی کا دور دورہ ہو، ناچ گانے عام ہوں، وہ زمانہ آگیا ہو جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک وہ زمانہ آئے گا کہ عورتیں دوسری عورتوں کے بال لے کر اپنے بال کو بڑا دکھانے کی کوشش کریں گی، ان کے سر اونٹ کے کوہانوں کی طرح اونچے ہوں گے، وہ ایسا لباس پہنیں گی جس کے پہننے کے باوجود وہ ننگی ہی ہوں گی، لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی ان کی طرف مائل ہوں گی۔ اپنی ابروئیں باریک کریں گی اور خوشبو لگا کر باہر نکلیں گی۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہوگی ——— بھلا ایسے زمانہ میں عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟

دورِ حاضر کا المیہ

آج المیہ تو یہ ہے کہ ایسی ہی عورتوں کو معزز خواتین میں شمار کیا جاتا ہے، جو خاتون نماز وغیرہ پڑھتی ہو وہ تو آپ کے نزدیک عورت ہی نہیں ہے کہ جب دیکھو نماز پڑھ رہی ہے، قرآن پڑھ رہی ہے، یہ کوئی عورت ہے؟ اگر بیوی ہوتی تو میرے ساتھ باہر جاتی، ہوٹلوں میں بیٹھتی، غیروں سے ملتی اور پھر پتہ چلتا کہ فلاں کی بیوی ہے، تب تو ٹھیک ہوتا ــ اس کی وجہ سے تو میرے اوپر عذاب آگیا، میرا گھر مسجد بن گیا۔

یاد رکھو کہ دراصل عورت وہی ہوتی ہے جو باپ کے گھر میں بیٹی بن کر رہے، بھائی کے گھر میں بہن بن کر رہے اور شوہر کے گھر میں عورت اور بیوی بن کر رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت وہ ہے جب اس پر شوہر کی

نظر پڑے تو اس کو خوش کر دے، مثلاً شوہر کو خوش کرنے کے لئے لباس اچھا پہنتی ہو۔ خوشبو لگاتی ہو، تیاری کرتی ہو۔ لیکن المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں یہ غیروں کے لئے ہوتا ہے، نیز آپؐ نے فرمایا کہ جب وہ کوئی حکم دے تو وہ اس کو بجا لائے، جب وہ گھر سے باہر ہو تو اس کے مال اور عزت و آبرو کی امانت کی حفاظت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کرنے والی بیوی ایک عظیم نعمت ہے اور جو عورت اپنے نفس کی حفاظت نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے عورت ہی نہیں کہا جانا چاہیئے۔

معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ

قرآن نے اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے لئے حکم دیا کہ مرد اپنی نگاہیں پست رکھیں لیکن ہمارے معاشرہ کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں وہ عورت بہتر شمار نہیں کی جاتی جو اپنی نگاہیں پست رکھتی ہیں۔ بلکہ وہ عورت اچھی سمجھی جاتی ہے جو نظریں ملا کر بات کرے۔

بھئی! اگر تم کو اپنی نفسانی خواہشات محبوب ہیں تو اپنے کو مسلمان کہنا چھوڑ دو، اگر مسلمان رہنا چاہتے ہو تو پھر حضورؐ کے فرمان کو پوری کائنات پر مقدم رکھنا ہوگا پھر وہ معاشرہ اسلامی ہوگا ورنہ وہ معاشرہ قطعاً اسلامی کہے جانے کے لائق نہیں۔ اسلامی معاشرہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں اسلامی تعلیمات اور مشرقی تہذیب کو اولیت حاصل ہو۔

زمانہ کی خرابی کو دیکھ کر دل سے یہ آواز نکلتی ہے کہ کاش! مسلمانوں کا معاشرہ، مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی اسلامی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ ہو ——— خدا کرے کہ وہ وقت آئے

جب اسلامی تہذیب تمام تہذیبوں پر غالب آجائے اور اسلامی معاشرہ کو مثالی معاشرہ سمجھا جانے لگے۔ آمین یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(درس ۷)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (۶۲ — ۶۹)

ترجمہ: اوران دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو اور باغ ہیں، تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟ وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو جوش مارتے ہوں گے، پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟ ان دونوں باغوں میں میوے کھجور اور انار ہوں گے۔ آخر اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اوّل وآخر آیات میں ربط

رحمٰن ورحیم اللہ کی یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں جو ان کی کمالِ رحمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، البتہ رحیم کا اطلاق بندوں پر بھی ہوسکتا ہے، اور رحمٰن کا استعمال صرف اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، بندوں پر اس کا اطلاق درست نہیں۔ علماء لغت لکھتے ہیں کہ رحیم کے مقابلہ رحمٰن میں بہت زیادہ

مبالغہ ہے، کہا جاتا ہے: "یارحمٰن الدّنیا ویارحیم الاٰخرۃ"

دنیا کے اندر اس کی رحمتیں اور نعمتیں اتنی عام ہیں کہ اپنے پرائے سبھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ساری مخلوق ان سے فائدہ اٹھا رہی ہے، نیک اور بد، مسلمان اور کافر، چرند و پرند، درندے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ سبھی ان نعمتوں سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، ہوا سے کافر بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور مسلمان بھی، وہ بھی زمین پر چلتے ہیں اور مسلمان بھی، سورج، چاند، ستارے ان کی روشنی سے سبھی استفادہ کر رہے ہیں۔

بلکہ بعض دنیوی نعمتوں میں تو کفار ہی بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ ان کا منتہا دنیا ہی ہے، ان کی زندگی کا حاصل صرف دنیا کمانا ہے، یہاں کی ترقی ان کے لئے سب سے بڑی ترقی ہے اور یہاں کا تنزل ان کے لئے سب سے بڑی تنزلی ہے۔ یہاں کی عزت ان کے لئے بڑی عزت اور یہاں کی ذلت ان کیلئے سب سے بڑی ذلت ہے لیکن مؤمن کا مقصود آخرت اور صرف آخرت ہے، دنیا کی زندگی مومن کے لئے سفر کی طرح ہے اور یہ دنیا محض ایک مسافرخانہ ہے، جس طرح ایک مسافر "مسافرخانہ" کو اپنی منزل نہیں سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد اس جگہ کو خیرباد کہنا ہے۔ ایک "مومن حقیقی" دنیا کو اسی نظر سے دیکھتا ہے، وہ اس کو اپنی اصل منزل ہرگز نہیں سمجھتا۔

اس لئے رحمٰن میں اللہ کے بڑے مہربان ہونے کا اظہار ہے، سورت کی ابتدا بھی اسی نام سے ہوئی کہ الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ یعنی کمالِ رحمت تو ان پر ہے جن کو قرآن کے علم سے سرفراز کیا گیا۔ اگر یہ علم حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں ہے۔ اس سورت کی انتہا بھی رحمتِ خداوندی ہی پر ہوئی کہ آخرت میں جو نعمتیں مؤمنوں کو ملیں گی وہ بھی رحمت ہوں گی، وہاں بھی

اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور صلحاء اور اتقیاء کے درجات کو بلند فرمائے گا ہی، بڑے سے بڑے نافرمان اور گنہگار مؤمن کو بھی اپنی دامنِ رحمت میں جگہ دے گا ۔

علمِ قرآن کا تقاضا

علمِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ صرف اسے حاصل کرلیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے، بلکہ قرآن کے علوم حاصل کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوا جائے، اس کے احکام بجالائے جائیں ۔ علومِ قرانی حاصل کئے جائیں اور اس پر عمل نہ کیا جائے، یہ تو ایسے ہی ہوگا کہ ڈاکٹر آپ کو مرض کی تشخیص کرکے دواؤں کا نسخہ لکھدے، آپ اس کو محفوظ کرلیں اور ہر روز ایک بار پڑھا کریں، پھر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں کہ جناب! مجھے تو وہی تکلیف ہے۔ ڈاکٹر آپ سے پوچھے گا کہ دواؤں کا جو نسخہ لکھ کر دیا تھا وہ کیا ہوا؟ آپ کہیں گے: میں نے اس کو بہت ہی سنبھال کر رکھا ہے اور خراب بھی نہیں ہونے دیا ہے بلکہ میں تو اسے ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرتا ہوں۔ ڈاکٹر آپ سے کہے گا کہ عجب پاگل اور بے وقوف آدمی ہو، میں نے نسخہ اس لئے تھوڑا ہی لکھا تھا کہ اسے صرف غلاف میں چھپا کر رکھو اور روزانہ پڑھ لیا کرو اور تمہیں خود بخود فائدہ پہنچ جائے گا؟ تم اس نسخہ کے مطابق عمل کرتے، دوا خریدتے، اس کو کھاتے، پھر تمہارا مرض دور ہوتا، اسی طرح قرآن کا علم بھی اس پر عمل کرنے کے لئے ہے نہ کہ صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے۔

نیکوکاروں کی جنتیں

آگے ارشاد فرمایا کہ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ ان دونوں باغوں سے

کم تر دو اور باغات خداوندِ قدوس نے تیار کر رکھے ہیں۔ اس سے پہلے بھی دو جنتوں کا ذکر آیا ہے اور اب پھر دو جنتوں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسّرین کے کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ سابقہ آیت میں بیان کی گئی جنت سے قریب قریب یہ دونوں جنتیں ہوں گی، دوسری یہ کہ یہ دونوں جنتیں پہلے ذکر کی گئی جنت سے ادنیٰ ہوں گی، پہلی دونوں جنتیں انتہائی اعلیٰ وارفع ہیں (۱) یعنی پہلی دونوں جنتوں سے مراد "جنت عدن" اور "جنت نعیم" ہیں اور پچھلی دونوں جنتوں سے "جنت الفردوس" اور "جنت الماویٰ" مراد ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ پہلی دونوں جنتیں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور یہ دونوں جنتیں یاقوت کی ہوں گی (۲) ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے ہیں اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب الیمین کے لئے (۳) لیکن ان تمام اقوال میں سب سے راجح قول یہی ہے کہ پہلی دونوں جنتیں اعلیٰ وارفع ہوں گی، اور یہ دونوں جنتیں ان سے کم درجہ کی ہوں گی۔

جَنّت کی اقسام

لیکن یہ ضرور ذہن نشیں کر لیجئے کہ جنت چاہے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کی صرف یہی دو چار قسمیں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے یہاں اور بھی بہت سی جنتیں ہیں، یہ تو صرف بڑی بڑی جنتوں کا ذکر ہے، ورنہ ان کے نیچے بھی جنت کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں عام اہل ایمان اپنے اعمال کے لحاظ سے داخل ہوں گے، علماء سلف سے ایک قول یہ بھی نقل کیا

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۸۴۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) ابن کثیر ۴/۲۹۹۔

گیا ہے کہ بعض جنتیں ایسی بھی ہوں گی جس میں مؤمنین کی اولاد ہی داخل ہوں گی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب مؤمن جنت میں چلا جائے گا، وہاں اس کو اپنی اولاد نظر نہیں آئے گی تو وہ کہے گا اے اللہ! میری اولاد کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیری اولاد تیرے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکی ہے، اس لئے وہ نیچے کی جنت میں ہے، وہ کہے گا اے رب کریم! میں جہاں اپنے لئے دُعا کیا کرتا تھا، وہیں اپنی اولاد کے لئے بھی تو کرتا تھا۔ ارشادِ باری ہوگا کہ ان کی اولاد کو بھی ان ہی کے ساتھ کردو اور اس سے ان کے درجات میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی۔

اولاد کے اعمال صالحہ

اسی سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اولاد کے اعمالِ صالحہ کا فائدہ والدین کو پہونچتا ہے اور والدین کے اعمالِ صالحہ سے بھی اولاد کو فائدہ پہونچتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین آدمیوں کے اعمال مرنے کے بعد بھی برابر جاری رہتے ہیں، اول صدقۂ جاریہ، مثلاً کسی نے مدرسہ بنوادیا، ہسپتال بنوادیا مسافر خانہ بنوادیا وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے علم جس کو اپنے سینہ سے دوسرے کے سینہ میں منتقل کرتا ہو اور اس سے خلقِ کثیر استفادہ کر رہی ہو، تیسرے نیک اولاد جو ہمیشہ اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہو (۱)۔ تو جس طرح اولاد کے عملِ صالح سے ماں باپ کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح والدین کے اعمالِ صالحہ سے اولاد کو بھی فائدہ پہونچے گا۔

---

(۱) ترمذی عن ابی ہریرہؓ ۱/۲۵۶ باب ما جاء فی الوقف۔

بعض علماء کے بیان کے مطابق مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ میں نسبۃً کم درجہ کی جن دو جنتوں کا ذکر ہے وہ انہی نیک بندوں کی اولاد کے لئے ہے[۱]۔

فرقِ مراتب اور نظامِ عالم

جنت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرق مراتب رکھے ہیں، اس کے علاوہ بھی آپ جہاں نظر دوڑائیں، فرقِ مراتب ضرور نظر آئے گا، فرشتوں میں دیکھئے تو تمام فرشتوں میں چار فرشتے میکائیلؑ اسرافیل، عزرائیل اور جبرئیل سب سے افضل ہیں اور ان میں بھی حضرت جبرئیل اعلیٰ و اشرف ہیں، آپ انبیاء کو دیکھئے تو ان میں بھی فرقِ مراتب دیکھیں گے، بعض کو کتاب دی گئی، بعض کو نہیں دی گئی جن کو کتاب دی گئی ان میں بھی سب سے اعلیٰ و افضل درجہ ہمارے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اور آپ کو سید الانبیاء کے خطاب سے پکارا گیا۔ حضرات صحابہ میں بھی آپ دیکھیں کہ بعض صحابہ بعض سے افضل ہیں، خلفاء اربعہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، خلفاءِ اربعہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیق کو نمایاں مقام حاصل ہے اور آپ انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ پھر عام صحابہ میں فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنیوالوں سے، بدری صحابہ دوسرے صحابہ سے افضل ہیں، عام انسانوں میں جو اہلِ علم اور زہد و تقویٰ والے ہیں وہ اللہ کے نزدیک جاہل اور زہد و تقویٰ سے محروم لوگوں سے افضل ہیں۔

یہ تو شخصیات کا حال ہے۔ آپ زمان و مکان پر بھی غائرانہ نظر ڈالیں تو وہاں بھی فرقِ مراتب پائیں گے۔ ماہِ رمضان کو دیکھئے اس کو تمام مہینوں پر فضیلت حاصل ہے، راتوں کو دیکھئے تو تمام راتوں میں شبِ قدر سب سے

---

(۱) روح المعانی ۲۷/۱۲۱۔

افضل ہے، دنوں کو دیکھئے تو اس میں جمعہ کے دن کو برتری حاصل ہے، مکان میں پوری دنیا کی سب سے بہتر سرزمین خانۂ کعبہ کی ہے، مساجد میں سب سے بہتر مسجدِ حرام پھر مسجد نبویؐ پھر مسجد اقصیٰ اور اسکے بعد شہروں کی جامع مسجدیں۔

غرضیکہ آپ جہاں بھی نظر دوڑائیں، فرقِ مراتب ضرور نظر آئے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر فرقِ مراتب نہ ہو تو اس عالم کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ آج کل مختلف ممالک اور تنظیموں کی طرف سے مساوات و برابری کا نعرہ لگایا جاتا ہے، دعویٰ کرنا تو آسان ہے، لیکن اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا عالم و جاہل برابر ہیں؟ کیا عقلمند اور بے وقوف برابر ہیں؟ کیا اپاہج اور تندرست برابر ہیں؟ کیا ایک انجینئر اور ایک عام مزدور میں کوئی فرق نہیں؟ کیا ماہر سائنس داں اور سنگ کن برابر ہو سکتے ہیں؟ وہ خود کہنے پر مجبور ہوں گے کہ نہیں، بالکل نہیں! ——— کیوں کہ یہ نظم عالم کے خلاف ہے، عورت اور مرد میں مساوات و برابری کا دعویٰ کرنا نہایت آسان ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ عورت بچہ دیتی ہے، تم کیوں نہیں دیتے؟ اگر مساوات اور برابری پر چلنا ہے تو اچھی طرح چلو، اگر بیوی نے دو بچے دیئے ہیں تو تم کم از کم ایک ہی جن کر دکھاؤ — اگر مساوات کرنی ہے تو ہر چیز میں مساوات کرو۔

مساوات کا مفہوم

حقیقت یہ ہے کہ مساوات کا نعرہ لگانے والوں نے مساوات کا معنی اور مفہوم ہی نہیں سمجھا ہے، مساوات کا مطلب ہے ثواب میں برابری، فیصلوں میں برابری، احکامات میں برابری، سزاؤں میں برابری کہ کوئی چھوٹا کرے یا بڑا کرے، ہر ایک کو ایک جیسی سزا ملے، ایسا نہ ہو کہ چھوٹا جرم کرے

تو اس کے لئے موت کی سزا دو اور کوئی بڑا کرے تو صرف چند ماہ قید کی سزا دو۔

وہ مساوات نہیں جسے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ عورتوں کو بھی میدانِ کار میں مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا جائے، فرق مراتب تو ایک فطری بات ہے اگر یہ نہ ہو تو یہ نظام عالم اپنے حال پر باقی نہیں رہے گا۔ پس جس طرح ان تمام چیزوں میں فرقِ مراتب ہے اسی طرح ان جنتوں میں بھی ہے، ہر بندے کو اس کے عمل کے لحاظ سے جنت ملے گی، اگر بڑا متقی اور پرہیزگار ہے تو اسے اور جنت ملے گی اور عام مؤمن ہے تو اس کو اور جنت ملے گی۔

جنت اور سامان آرائش و آسائش

جنت میں جو کچھ چاہو گے وہ تمہیں ضرور ملے گی وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ کہ جنت میں جس چیز کی خواہش ہو گی وہ تمہیں مل کر رہے گی، نبی کریمؐ نے جب یہ بشارت اپنے صحابہ کو سنائی تو ایک صحابی نے پوچھ لیا کہ اے اللہ کے نبیؐ! مجھے اونٹ بہت زیادہ پسند ہیں تو کیا مجھے اونٹ ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ملے گا اور ضرور ملے گا اور اگر تم یہ چاہو گے کہ جنت میں اونٹنی کا بچہ پیدا ہو تو صرف تمہاری خواہش ہونے کی دیر ہو گی، پوری ہونے میں دیر نہیں ہو گی۔

جنت میں اپنے حصّہ پر قناعت

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنت کے تو مختلف درجات ہیں بعض خوش نصیب ایسے ہوں گے جو اعلیٰ و ارفع جنت میں ہوں گے، بعض اس سے کمتر ہوں گے تو کیا نیچے درجہ والی جنت میں داخل ہونے والوں کی یہ خواہش نہیں

ہوگی کہ اونچے درجہ والی جنت میں وہ بھی چلا جائے، یہاں تو کوئی بھی نیچے نہیں رہنا چاہتا، ہر آدمی دوسرے سے اونچا رہنا چاہتا ہے، ایک نے دو ہزار کمائے تو دوسرا سوچتا ہے میں چار ہزار کماؤں، چاہے جھوٹ بولنا پڑے۔ دھوکہ فریب دینا پڑے۔ اگر جنت میں کسی کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو قرآن کی پیشین گوئی کی خلاف ورزی ہوگی اور اگر خواہش پوری کر دی گئی تو پھر اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کیا رہا؟

مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش اور ہوس صرف دنیا ہی میں ہے۔ آخرت میں یہ خواہش ہوگی ہی نہیں وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ۔ کیوں کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی کینہ اور حسد اللہ ان کے دلوں سے نکال دیگا، جو جہاں ہوگا وہیں مطمئن ہوگا۔ اس لئے یہ تمنا اور خواہش بالکل ہی پیدا نہ ہوگی۔ اس خواہش کی تکمیل کا سوال تو اس وقت ہوگا جب کہ ایسی خواہش بھی دل میں جاگے، جب خواہش ہی نہیں جاگے، دل میں وہ پیدا ہوگی ہی نہیں تو پھر تکمیل کہاں؟۔

حضرت طلحہ کے بیٹے حضرت علی کی خدمت میں آئے، حضرت علی نے اعزاز میں اپنی چادر بچھا کر ان کو بٹھایا اور فرمایا کہ تیرے والد اور ہم ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں فرمایا وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے ان سے فرمایا کہ دعا کرو ہمیں اللہ ان لوگوں میں سے بنا دے جن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ یعنی جب ہم جنت میں ایک ساتھ جمع ہوں تو ہمارے دلوں میں کسی قسم کی کدورت نہ ہو

جب دل سے خواہش نکال دی جائے گی تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہاں ادنیٰ سے اعلیٰ جنت میں داخل ہونے کی خواہش ہوگی، اسی لئے

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت کے کئی درجات ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ درجہ انبیاء کرام کا ہوگا اور انبیاء میں بھی سب سے اونچا درجہ ہمارے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔

جنت الفردوس کی آرزو

اس لئے اگر اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو، اگر طلب کرو تو جنت الفردوس کی طلب کرو، اللہ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ کسی اللہ والے نے بڑی اچھی مثال دی ہے، وہ میدانِ عرفات میں تھے، فرمایا کہ یہ بتاؤ: اگر سب لوگ جمع ہو کر سخی کے دروازے پر چلے جائیں اور ایک پیسے کا سوال کریں تو کیا وہ انہیں لوٹا دے گا؟ لوگوں نے کہا: ہرگز نہیں، پھر فرمایا کہ جتنے لوگ میدانِ عرفات میں آئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی مرادیں پوری کردے اور سب کو بخشدے تو اس کے خزانے میں ایک پیسے کے برابر بھی کمی نہیں آئے گی۔ تو جب اس کے خزانے میں ایک پیسے کے برابر بھی کمی نہیں آتی ہے تو وہ ہمیں کیوں نہیں دیں گے؟ شرط یہ ہے کہ ہم انسان بنیں اور مانگنا سیکھیں، اس کی نافرمانی سے دُور بھاگیں، اگر ہم نافرمانی کریں، عدول حکمی کرتے رہیں، اس کے احکام سے بغاوت پر اتر جائیں تو پھر اس کے لائق کہاں رہ جاتے کہ خداوند قدوس ہمیں کچھ دے اور ہماری دعا قبول کرے۔

باغات میں درخت اور چشمے

آگے ارشاد فرمایا: مُدْهَامَّتَانِ ۝ کہ وہ دونوں باغ نہایت

سبز اور سیاہی مائل ہوں گے، جب سبزی گہری ہوتی ہے تو وہ سیاہ نظر آتی ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ وہ باغ قسم قسم کی شاخوں والے ہوں گے۔ اب یہاں ان کی سبزی کا بیان ہے کہ وہ بالکل گہرے سبز ہوں گے، اسی لئے علماء سبز عمامہ کے استعمال کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ یہ اہلِ جنت کا لباس ہوگا۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ ان دونوں باغات میں چشمے اُبل رہے ہوں گے اس سے پہلے فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ آیا تھا کہ چشمے دریا بن کر بہہ رہے ہوں گے اور یہاں فرمایا کہ چشمے ان دونوں باغات میں ابل رہے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اُبلنے والا چشمہ بہنے والے چشمے سے کمتر ہوتا ہے، اس لئے پہلے جن جنتوں کا ذکر آیا وہ تو اعلیٰ درجہ کی ہیں اور بعد کی جنتیں اس سے کم درجہ کی ہیں۔

جنتی میوے

فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ ان میں پھل، کھجور اور انار ہوں گے۔ ان پھلوں کا نام لے کر قرآن میں ذکر آیا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اس طرح ذکر کیا جانا ان کے شرف پر دلالت کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت جبرئیل میکائیل ..... کا نام لے کر ذکر کیا ہے، حالانکہ فرشتے تو اور بھی ہیں، لیکن ان کا علاحدہ نام لیا جانا ان کے خاص شرف وعزت کی دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں عام پھلوں کے لئے فاکہۃ لانے کے بعد خاص طور پر کھجور اور انار کا ذکر کیا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ پھل اعلیٰ قسم کے ہیں۔ حضرت مریمؑ کے لئے کھجور ہی کا پھل منتخب کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ کھجور کے تنے کو ہلاؤ، کھجور خود بخود گریں گی، بالآخر کھجور ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا، دوسری چیز بھی تو دی جاسکتی تھی۔

کھجور کی خاصیتیں

حکماء اور اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ولادت کے بعد عورت کے لئے سب سے بہتر غذا کھجور ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے مؤمن کو کھجور کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ارشاد فرمایا کہ ہر درخت ایک موسم میں تروتازہ رہتا ہے اور دوسرے موسم میں خشک رہتا ہے، لیکن کھجور ایسا درخت ہے کہ ہر موسم میں تروتازہ رہتا ہے اسی طرح مؤمن بھی ہر حال میں اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتا ہے۔ کھجور کا ہر جزء کارآمد ہوتا ہے، اسی طرح مؤمن کا ہر لمحہ کارآمد ہوتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ بعض پھل گرمی میں ہوتے ہیں اور بعض سردی میں، بعض میٹھے ہوتے ہیں اور بعض کھٹے، بعض چھلکا سمیت کھایا جاتا ہے اور بعض بغیر چھلکے کھائے جاتے ہیں۔ خداوند قدوس نے دونوں قسم کے پھل کا ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں دونوں قسم کے پھل ہوں گے۔ کھجور اور انار ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک گرمی میں ہوتا ہے، دوسرا سردی میں، ایک میٹھا ہے دوسرا کھٹا، ایک چھلکا سمیت کھایا جاتا ہے، دوسرے کا چھلکا نہیں کھایا جاتا۔

آگے ارشاد فرمایا کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ہ اے جن وانسان! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے اللہ ہم تیری کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہی ہمارے لئے یہ روا اور درست ہے۔

دعا کریں کہ اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ــــــــــــــــ آمین یارب العالمین۔

درس ۸

فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۝

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ
لَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ
خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝
تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ ۝

ترجمہ:

ان میں خوبصورت خوب سیرت عورتیں ہوں گی، پھر اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہوں گی، خیموں میں محفوظ ہوں گی، پھر اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ ہی کسی جن نے، تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ وہ لوگ بہتر چاندنیوں اور خوبصورت قالینوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بڑا ہی بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

اس سے پہلے آپ جنت کی صفتیں پڑھ چکے ہیں، کچھ اور صفات آگے آرہی ہیں لیکن اس سے پہلے کہ دوسری صفات آپ کو گناؤں یہ عرض کرتا چلوں کہ جنت کے بارے میں جتنی باتیں آئی ہیں، چاہے خداوند قدوس نے اپنی کتاب میں بیان کی ہوں یا ان کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

زبانِ حق ترجمان سے کی ہو، وہ سب کی سب حق ہیں، اگر ان میں سے ایک کا بھی کوئی انکار کرے گا تو ایمان کی حدود سے نکل کر کفر کی حدود میں داخل ہو جائے گا ——— جہاں تک لوگوں کے اعتراض کا سوال ہے تو میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان کے اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے، وہ خالق کی قوت کو مخلوق کی قوت پر قیاس کرتے ہیں اور دنیا پر عالمِ آخرت کو قیاس کرتے ہیں، یہ ان کی بنیادی غلطی ہے۔ جب کہ یہ دنیا ایک علٰحدہ عالم ہے، برزخ ایک علٰحدہ عالم ہے اور آخرت ایک علاحدہ عالم ہے، جیسے کہ عالمِ ارواح ایک علٰحدہ عالم تھا ——— اس لئے قرآن نے جو کہا وہ بالکل حقیقت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ بالکل صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بار بار جن وانس کی ضمیر کو جھنجھوڑا ہے کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

حورانِ جنت کیسی ہوں گی؟

آگے ارشاد فرمایا: فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝ جنت کے باغوں میں ایسی عورتیں ہوں گی جو خوبصورت بھی ہیں اور خوب سیرت بھی۔ قرآن کے ہر لفظ میں حکمت ہے، قرآن نے خوب سیرتی کو خوبصورتی سے پہلے ذکر کیا ہے جس سے اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو عورت خوب سیرت نہیں وہ خوبصورت نہیں ہے، جس میں صرف خوبصورتی ہو، لیکن اس کے اخلاق اور عادات واطوار اچھے نہ ہوں تو وہ حقیقی خوبصورت نہیں ہے۔ ایک مسلمان عورت کی خوبصورتی اسی میں ہے کہ اس کے اخلاق اور عادات و اطوار عمدہ ہوں، اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا کہ وہ ایسی عورتیں ہوں گی کہ خوب سیرت اور خوبصورت بھی ہونگی

جب اے بندے! اللہ نے تمہارے نیک اعمال کے عوض اتنی عظیم نعمت سے نوازا ہے تو پھر اس کے نعمتوں کی ناشکری کروگے؟ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

آگے ان حورانِ جنت کی تعریف کرتے ہوئے ارشادِ باری ہے: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ کہ جنتی حوریں خیموں کے اندر رہنے والی ہوں گی، وہ خیمے تیس تیس میل لمبے ہوں گے اور وہ خیمے ایسی موتیوں کے بنے ہوں گے جو اندر سے خالی ہوں، خیمہ بھی اس طرح گھرا ہوگا کہ مؤمن جب ایک جنتی بیوی کے پاس ہوگا تو دوسری کی نظر اس پر نہیں پڑے گی، دوسری کے پاس ہوگا تو تیسری نہیں دیکھ سکے گی، ان خیموں کے اندر بھی پردے کا انتظام ہوگا۔

خیموں کے بارے میں بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حقیقی خیمے ہوں گے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حقیقی خیمے نہیں ہوں گے بلکہ ان کی آرامگاہوں ہی کو خیموں کی طرح بنا دیا جائے گا۔

عصرِ حاضر میں خوبصورتی کا معیار

یہ تو جنتیوں کی خوب سیرتی اور خوبصورتی کا بیان ہوا، لیکن ہمارے زمانہ میں خوبصورتی کا معیار کیا ہے؟ ہمارے زمانہ میں کس کو خوب سیرت اور خوبصورت کہا جاتا ہے؟ یہ عجب المیہ ہے کہ ہمارے زمانہ کی خوبصورتی کا پیمانہ اور معیار اسلامی نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔

آج خوب سیرت اس کو کہتے ہیں جو لوگوں سے بے محابا ملتی ہو، بیوی آپ کی ہو اور رات غیروں کے ساتھ کلب میں گذارتی ہو، بیوی آپ کی اور محفلیں ہوں غیروں کے ساتھ؟ اکبر الٰہ آبادی خوب کہہ گیا کہ ؎

خدا کے فضل سے میاں بیوی دونوں معزز ہیں
اسے غصہ نہیں آتا، اسے غیرت نہیں آتی

دونوں ماشاء اللہ شریف آدمی ہیں، پڑھے لکھے ہیں اور با اخلاق ہیں کہ خاوند کو غیرت نہیں آتی اور بیوی کو غصّہ نہیں آتا۔ بیوی خاوند کے پہلو میں غیر عورتوں کو دیکھتی ہے تو اسے غصّہ نہیں آتا اور خاوند اپنی بیوی کو غیر مردوں کے ساتھ ناچتی، رنگ رلیاں رچاتی دیکھتا ہے تو اس کو غیرت نہیں آتی، یہ غیرت تو اَن پڑھ، جاہل اور وحشیوں کو آتی ہے، جنہوں نے "الف ب" بھی نہیں پڑھا ہے کہ اگر بیوی کو غیروں کے ساتھ دیکھا تو سنگسار کر کے مار دیا۔

یاد رکھئے کہ عورت کا حُسن اور خوبصورتی عورت کی اچھی سیرت اور حیا کی چادر سے ہے۔ اگر عورت کی سیرت اچھی نہ ہو، حیا کی چادر نہ اوڑھے ہوئی ہو، وہ بدطینت اور بدچلن ہو تو وہ عورت کبھی خوبصورت نہیں کہلا سکتی۔

اس میں صرف عورتوں ہی کا قصور نہیں ہوتا بلکہ مردوں کا بھی قصور ہوتا ہے اور اَب کبھی کبھی مرد ہی عورت کو بے حیا بننے پر مجبور کر دیتا ہے، کئی بچّیوں نے خط لکھا ہے کہ ہم اسلامی حُدود میں رہ کر زندگی گذارنا چاہتی ہیں۔ لیکن شوہر ایسا کرنے نہیں دیتا۔ ہم پردہ میں رہنا چاہتی ہیں لیکن شوہر پردہ کرنے نہیں دیتا، ہم نماز پڑھنا چاہتی ہیں لیکن شوہر نماز پڑھنے نہیں دیتا شوہر ہمیں کہتا ہے کہ بال کٹوا کر شہر میں گھومنے چلو تاکہ میں دوستوں کے سامنے فخر سے کہہ سکوں کہ میں نے کسی جنگلی لڑکی سے شادی نہیں کی ہے بلکہ ماڈرن اور مغربی تہذیب کی دلدادہ لڑکی سے شادی کی ہے، میں نے کسی قدامت پسند اور دقیانوسی قسم کی لڑکیوں سے شادی نہیں کی ہے۔

یہ بیچارے زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر سمجھ بیٹھے ہیں، ایسی ناسمجھی اور حماقت پر رونا آتا ہے۔ بلا اختیار دل سے ان کی اِصلاح کے لئے دُعائیں نکلتے ہیں اور ہم تو صرف یہی کر سکتے ہیں۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ

مغربی تہذیب سے متاثر اور ماڈرن خیال کے ہر مسلمان کو اسلام کے احکام کی سمجھ اور ان کی پاسداری کا خیال دل میں پیدا کر دے۔ اللہ ہر مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے، جو مسلمان بیبیاں بازاروں اور قہوہ خانوں کی زینت بن گئی ہیں۔ اللہ انہیں پھر سے حیا عطا فرمائے اور انہیں بنات طاہرات کا سا پردہ اور حیا نصیب فرمائے، ساتھ ہی مردوں کو بھی غیرت کی صفت عطا فرمائے۔

جنتی عورتیں کنواری ہوں گی

آگے ارشاد فرمایا: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ جن حوروں کو نہ کسی انسان نے اور نہ ہی کسی جن نے تصرف میں لایا ہوگا یعنی جنتی عورتیں ایسی پاکباز ہونگی کہ انسان تو انسان کسی جن نے بھی ان کو چھوا نہ ہوگا، جن تو انسانی خون کی گردش میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن اتنی قدرت کے باوجود جن نے بھی کسی جنتی عورت کو چھوا تک نہ ہوگا۔

صحبت کے وقت دعا کی حکمت

چوں کہ جن کی طرح شیطان بھی انسان کے خون میں گردش کرتا رہتا ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم دی کہ جب میاں بیوی باہم ملنا چاہیں تو وہ بے ستر ہونے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا پڑھ لیا کریں۔ جب تم یہ پڑھ لوگے تو شیطان کا تصرف نہیں ہوگا اگر یہ نہیں پڑھے تو شیطان بھی شریک ہو جاتا ہے اور اس اختلاط سے پیدا ہونے والے بچہ میں بھی شیطانی اثرات ہوتے ہیں اور شاید آجکل جو نافرمان بچے پیدا ہو رہے ہیں، ان کی وجہ یہی ہے کہ والدین آپسی اختلاط کے وقت اس دعا کے

پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے، اس لئے ان سے بچنے کا واحد طریقہ یہی دُعا کا اہتمام ہے ——— بعض مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہ بھی بتایا ہے کہ جو حوریں صالح جنوں کے لئے ہیں ان کو کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا اور اسی طرح جو حوریں نیک انسانوں کے لئے ہوں گی، ان پر کسی مرد نے تصرّف نہ کیا ہوگا۔

اہل جنّت کے فرش

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ کہ یہ جنتی سبز چاندنیوں اور خوبصورت قالینوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، سبز رنگ جنت کے رنگوں میں سے ہے، تمام رنگوں میں جنتیوں کے لئے اسی رنگ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ اس سے قوتِ باصرہ کو تازگی ملتی ہے اور آنکھوں کو بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اطبار کا کہنا ہے کہ صبح سویرے سبزیوں پر جما کر نگاہیں ڈالنا آنکھ کی روشنی کے لئے بے حد مفید ہے۔

یہاں آیات کی ترتیب میں فرق پر غور کریں کہ اس سے پہلی آیت میں اولاً "اتکار" یعنی ٹیک لگانے کا ذکر تھا، بعد میں حوروں کا ذکر تھا، لیکن یہاں پہلے حوروں کا ذکر ہے اور بعد میں "اتکار" یعنی ٹیک لگا کر بیٹھنے کا ذکر ہے، بعض مفسرین نے اس تقدیم و تاخیر کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ تفنّنِ کلام اور فصاحت و بلاغت کا ایک انداز ہے۔ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ اہلِ جنت کے مختلف احوال کا ذکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ دونوں ہوسکتا ہے، بلیغانہ اندازِ کلام بھی اور جنتیوں کے مختلف احوال کا ذکر بھی اور صرف یہی دو حکمتیں نہیں بلکہ اسکے علاوہ اور بھی حکمتیں ہوسکتی ہیں جن سے اللہ ہی واقف ہے۔

اللہ کی ذات بابرکت ہے!

اخیر میں فرمایا گیا کہ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ حضرات مفسرین نے تبارك کے کئی معنی بتائے ہیں۔ بعض نے کہا بلند و بالا ہے، بعض نے کہا: برکت والا ہے، بعض نے کہا کہ دوام و ثبات والا ہے۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ تیرے رب کا نام جو دوام و ثبات والا ہے جو صاحبِ جلال بھی ہے اور صاحبِ کرم بھی، جس کا نام ہی اتنا بلند ہے تو ذات کتنی بلند ہوگی؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے فرمایا تھا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کہ ہر چیز فانی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات کو دوام اور بقا ہے، کسی اور کو نہیں، پھر اسی کو دہرایا کہ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ——— بعضوں نے لکھا ہے کہ سورت کی ابتدا میں صفت "رحمٰن" لائی گئی جو رحمت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اخیر میں بھی ایک ایسی صفت یعنی صفت "رب" لائی گئی کہ اس میں بھی رحمت ہے۔ ساری مخلوق اس کی مربوب اور پروردہ ہے، اس خالق نے تمام جانداروں کو پالا ہے اور پالتا وہی ہے جو مہربان ہو، رحم کرنے والا ہو، جس میں رحمت و شفقت کا جذبہ ہو۔ اسلئے سورت کی ابتدا بھی رحمت سے ہوئی اور انتہا بھی رحمت پر ہوئی۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب تک خدا کا ذکر نہ کرو گے یہ نعمتیں، یہ جنتیں وغیرہ حاصل ہو ہی نہیں سکتیں، ان نعمتوں کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ تم ان کا ذکر کرو اور اسی کے نام سے یہ نعمتیں باقی ہیں ——— دعا فرمائیں کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو اور اللہ تعالیٰ جنت الفردوس کی دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سُورۃُ الواقِعَۃ

درس ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣
اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَآءً
مُّنْۢبَثًّا ۝٦ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ
السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢ (۱ — ۱۲)

(ترجمہ) جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں تو وہ (بعض کو) پست کردے گی اور (بعض کو) بلند کرے گی، جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے اور تم تین قسم کے ہوجاؤ گے، سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے ہیں؟ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں؟ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہی ہیں، وہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

سُورۂ واقعہ اور اس کی فضیلت و خصوصیت:

اس سورت کا نام سورۂ "واقعہ" ہے۔ "واقعہ" قیامت کا نام ہے، کیونکہ اس کا واقع ہونا حتمی اور یقینی ہے جسے نہ کوئی ٹال سکے گا اور نہ ہٹا سکے گا اور وہ اپنے مقررہ وقت پر آکر ہی رہے گی، اس سورت کا دوسرا نام بعض حدیثوں میں "سورۃ الغنیٰ" بھی آیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

سُورۃ الواقعۃ سُورۃ الغنی فاقرؤھا وعلموھا اولادکم (۱)

سورۂ واقعہ سورۂ غنیٰ ہے، اس لئے اس کو پڑھا کرو اور اپنی اولاد کو سکھایا کرو۔

دوسری روایت میں ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ سکھاؤ اس لئے کہ یہ سورہ غنی ہے (۲)

یوں تو پورا قرآن ہی فضیلت سے معمور ہے لیکن اس سورت کے لئے بھی بعض فضیلتیں آپؐ نے بیان فرمائی ہیں۔ ایک موقع پر آپؐ کے رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ کے بالوں میں سفیدی آگئی ہے، آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں"۔ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ہود، واقعہ، مرسلات، عمّ یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا کہ ان سورتوں میں قیامت کے احوال، قیامت کی ہولناکیاں، حساب و کتاب، عذاب و ثواب اور بلا تخصیص ہر ایک سے محاسبہ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ایک حقیقی مؤمن کا دل متأثر ہوتا ہے اور دل کے متأثر ہونے سے جسم پر ناتوانی اور کمزوری کا آنا امر واقعی اور امر مشاہد ہے، ان ہولناکیوں کی وجہ سے اپنی امّت کی فکر لگی ہوئی ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ اسی فکر نے مجھے بوڑھا کر دیا اور میرے بالوں میں سفیدی آگئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرض وفات میں مبتلا ہوئے، حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مرض کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لئے آئے، آپؓ نے پوچھا کہ آپ کو کیا بیماری ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ مجھے میرے گناہوں کی بیماری ہے، مجھے اپنے ہی گناہوں کی تکلیف ہے، حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا، آپؓ کی کیا خواہش ہے؟ ابن مسعودؓ نے کہا

---

(۱) روح المعانی ۱۲۸/۲۷۔

(۲) حوالہ سابق۔

کہ مجھ کو اپنے پروردگار کی رحمت کی خواہش ہے، حضرت عثمانؓ نے دریافت فرمایا کہ آپ کے علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کو بھیجدوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: اچھا آپ کے لئے بیت المال سے عطیہ کا حکم دے دوں؟ فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا کہ اچھا آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا، حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا کہ آپ کو میری بیٹیوں اور بچیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فاقہ و تنگدستی میں مبتلا ہو جائیں گے حالانکہ میں نے اپنی بچیوں کو سکھا دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا، اس کو فاقہ کی نوبت کبھی بھی نہیں آئے گی (۱) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس طرح پڑھاتے تھے جس طرح آج تم پڑھتے ہو لیکن آپؐ کی نماز ہلکی ہوتی تھی، فجر کی نماز میں سورۂ واقعہ اور اس جیسی سورتیں پڑھتے تھے (۲) مشہور تابعی مسروق کہتے ہیں کہ جو شخص اگلی اور پچھلی امتوں کے حالات معلوم کرنا چاہے۔ جنتیوں اور جہنمیوں کے انجام سے واقف ہونا چاہے اور دنیا کے لوگوں اور آخرت کے لوگوں کا حال جاننا چاہے تو اس کو سورۂ واقعہ پڑھنا چاہیے۔

پہلی سورت سے ربط

یہ جو سورتِ مبارکہ ہم پڑھ رہے ہیں اس کے مضامین سابقہ سورت سے ملتے جلتے ہیں، وہاں قرآن کا ذکر ابتدا میں آیا تھا، یہاں اخیر میں آیا ہے، وہاں دنیوی نعمتوں کا تذکرہ قرآن کے ذکر کے بعد آیا ہے، یہاں اس سے پہلے آیا ہے، اس سورت میں دنیوی نعمتوں کے بعد قیامت اور جنت و جہنم کا ذکر آیا ہے یہاں ان کا ذکر دنیوی نعمتوں سے پہلے آیا ہے (۳) اس سورت میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر تھا، آخرت کی نعمتوں کا ذکر تھا لیکن وہ ترغیب کے انداز میں تھا، اس سورت میں ان کا تذکرہ

---

(۱) درمنثور ۸/۳۔

(۲) بیان القرآن ۹۴/۔

(۳) ملاحظہ ہو "ابن کثیر"۔

ترہیب کے انداز میں آیا ہے، اس میں کمالِ رحمت کا ذکر تھا اور یہاں کمالِ عظمت وہیبت کا ذکر ہے، اس لئے ان دونوں سورتوں میں بہت گہرا تعلق اور ربط ومناسبت ہے۔

اسلام کے بنیادی عقیدے

سورۂ واقعہ کے ان تمہیدی باتوں سے واضح ہے کہ اس سورت کا زیادہ تر تعلق معاد اور آخرت سے ہے، اس لئے آیات کی تفسیر وتوضیح سے قبل ہم اسلام کے چند اہم بنیادی عقائد کو قدرے تفصیل سے بیان کر رہے ہیں، اصل میں اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں، توحید، رسالت، آخرت۔

توحید

اس کا مطلب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا دل وزبان سے اقرار کرے، اس بات کا اعتراف کرے کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہیں، اللہ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں، کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد کی درخواست کی جائے، پوری کائنات، نظامِ ارضی اور نظامِ سماوی کا چلانے والا اللہ ہی کی ذات ہے جو علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی کامل ہے۔

رسالت

دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ورسل پر ایمان لایا جائے، یہ اعتراف کیا جائے کہ اس دنیا میں جتنے انبیاء اور رسول آئے سبھی برحق ہیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار سابقہ انبیاء پر بھی ہمارا ایمان ہے، اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور نبیوں پر ایمان ہی مومن ومسلم کی پہچان ہے۔ اور جن کو شیطان نے بھیجا، یعنی مسیلمہ کذاب، مرزا غلام احمد قادیانی اور اسود عنسی جیسے خود ساختہ جھوٹے پیغمبروں کو ہم نہیں مانتے، جس

کو اللہ نے نہیں بھیجا وہ اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔

عقیدۂ آخرت

اَب آخری عقیدہ ہے عقیدۂ آخرت کہ ہر انسان اور ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونا ہے، اس عالمِ دنیا کے بعد عالمِ برزخ ہے اور اس کے بعد عالمِ آخرت ہے، جس میں ہر ایک کا حساب و کتاب ہونا ہے، جزا و سزا ہونی ہے، نیکو کاروں کا جنت میں اور بدکاروں کا جہنم میں داخلہ ہوگا، سابقہ کتب توریت، زبور، انجیل اور ابدی سرچشمۂ ہدایت قرآنِ کریم پڑھ لیں تو ان تین مسائل میں کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

آخرت کا تصوّر ہی وہ عقیدہ ہے جس پر توحید و رسالت اور پورے دین کی بنیاد ہے آخرت کے تصوّر کے بغیر توحید و رسالت پر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا، آخرت کا خوف، جزا و سزا کا ڈر، جہنم کا خوف، جنت کی طرف رغبت، یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو بداعمالیوں، بدکرداریوں سے اجتناب اور اچھے اخلاق و کردار سے اپنے کو سنوارنے پر مجبور کرتی ہے، اللہ کا قانون ہے کہ وہ اپنے قانون پر عمل کرانے کے لئے ظاہری چیزوں کے اختیار کرانے کا پابند نہیں بلکہ انسان کے اندر ایک جذبہ پیدا کرتا ہے، خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے دل کو معمور کر دیتا ہے جو شریعت پر چلنے کے لئے آپ کے لئے ممد و معاون بنتا ہے اور شریعت پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے جب تک وہ اندر والا جذبہ پیدا نہیں ہوگا، خارجی اسباب کتنے ہی مہیا کر لئے جائیں انسان کبھی بھی شریعت پر نہیں چل سکتا۔

ایک شخص سحر کے وقت اٹھتا ہے، بستر چھوڑ دیتا ہے، رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے نیند کو حرام کر لیتا ہے، آرام کو تج دیتا ہے، وضو کرتا ہے، تہجد پڑھتا ہے اور سر سجدے میں رکھکر رو رہا ہے بتاؤ کہ اس کو کس نے اُٹھا دیا؟ یاد رکھو! اس کو کسی انسان نے نہیں بلکہ رضاءِ الٰہی کے حصول کے شوق اور جذبہ نے بیدار کر دیا ہے جو دلی تڑپ کے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتی۔

ایک آدمی حرم کے باہر کھڑا ہے، فرض نماز کی اذان ہو رہی ہے، وہ اذان کی آواز سنتے ہی دوکان کے اندر بیٹھ کر اندر سے دروازہ بند کرلیتا ہے کہ میں اندر بیٹھا رہوں، یا کوئی بہانہ نہیں بنا تو سگریٹ ہاتھ میں لیکر بیت الخلاء میں چلا جاتا ہے، جب تک لوگ مسجد میں رہتے ہیں وہ سگریٹ پیتا رہتا ہے اللہ نے اس کے مقدر میں ہی یہ عادت مقدر کر رکھی ہے، لوگ نماز پڑھ کر نکلیں گے تو یہ صاحب بھی ہاتھ منھ دھو کر نکل آئیں گے، اَب اس کو کس نے روکا ہے کہ نماز نہ پڑھو؟ ظاہر ہے کہ یہ جرأت اور گناہ والی عادتیں حساب کتاب اور جہنم سے بے خوفی، سزا و جزاء کے عدمِ احساس کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس کے دل میں نہ جہنم کا خوف ہے اور نہ آخرت کا، نہ اللہ کے روبرو حاضری کا ڈر ہے اور نہ ہی محاسبۂ اعمال کا۔ اور وہ جو تہجد کے لئے اُٹھ رہا ہے اللہ نے اسکے دل میں قبر، حشر، حساب کتاب، جزاء و سزاء اور جہنم اور عند اللہ جواب دہی کا احساس پیدا کر دیا ہے، خوفِ آخرت اس کے دل میں جاگزیں کر دیا ہے کہ آج میں کچھ محنت کرلوں گا، نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کرلوں گا، پروردگار کو راضی کرلوں گا تو مجھے کچھ ضرور ملے گا۔

وائے! حرمان نصیبی

بھائیو! بڑے بڑے لوگوں، امراء و رؤسا کی زندگیاں دیکھی ہیں، مسلمان ہونے کے باوجود گھر میں کبھی کسی نے نماز نہیں پڑھی، نام پوچھو تو ماشاء اللہ عصام الدین، چراغ الدین، وہ دین کا چراغ کیا جلائیں گے؟ خود گم کردۂ راہ است کرا رہبری کند؟ ان کے پورے گھرانے اور معاشرے کو دیکھیں تو میاں بیوی، بچے بچیاں اپنے وقت میں ٹینس کھیلیں گے، کلب جائیں گے، کالج ہو آئیں گے، بازار ہو آئیں گے، سارے کام اپنے اپنے وقت پر کرلیں گے، مجال ہے جو ایک منٹ اِدھر اُدھر ہو جائے لیکن سالہا سال گذر جائے، نماز کا اہتمام کرنے والا نہ ملے گا، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ ان کے پاس جاکر بیٹھیں اور اسی اثناء میں اذان ہو جائے تو کہیں گے کہ آپ نماز پڑھ کے آجائیں ہم آپ کا انتظار کرتے ہیں، اَب اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دنیا پر یقین بڑھتا

چلا جاتا ہے، آخرت پر یقین کم ہی نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کا خوف اور اس کے تصور میں جس قدر کمی آتی ہے آدمی اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ کہ دنیا ہی کی محبت بڑھنے سے یہ برائیاں دل میں بیٹھ جاتی ہیں، دنیا میں الجھ کر انسان آخرت کو تو بھول جاتا ہی ہے۔ اس لئے آخرت کا تصور جس قدر دل میں ہوگا اسی قدر اللہ سے تعلق مضبوط ہوگا اور اعمال خود بخود درست ہو جائیں گے۔

قیامت ـــــ عین حکمت کا تقاضا

اس لئے اصولی طور پر یہ بات یاد رکھیں کہ آخرت اور وقوع قیامت ہی پر ایمان لانا توحید و رسالت پر ایمان لانے کا مدار ہے، جس کا آخرت پر ایمان نہ ہو تو اس کا توحید، رسالت اور دوسری ضروریات دین پر بھی ایمان نہیں ہے، میدانِ حشر کا قائم ہونا اور آخرت کا ہونا عین حکمت کا تقاضا ہے کہ اگر ایک ایسا دن وجود میں نہ آئے جس میں ہر انسان کو اپنے کئے ہوئے کا حساب نہ دینا پڑے، نیک و بد، فاسق و فاجر کو اپنے برے اور نیک اعمال کا بدلہ نہ ملے، ظالم کو ظلم کی سزا نہ دی جائے، مظلوم کی فریاد رسی نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و انصاف کا مظاہرہ کہاں ہوگا؟ دنیا میں تو ظالم مزے میں ہیں اور مظلوم عذاب میں ہے، سرمایہ دار سرمایہ جمع کرنے کی دھن میں لگا ہے، مزدور نانِ شبینہ کا محتاج ہے، دولت مند غریب کی عزت اور عفت و عصمت ہر چیز سے کھیلنے کو اپنا حق سمجھتا ہے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھانا اپنا انسانی حق سمجھتا ہے، اگر ایک ایسا وقت نہ ہو جس میں ظالموں کو ظلم کی سزا، مظلوموں کی داد رسی، نیکوں کو نیک عمل کا بدلہ، بُروں کو برائی کی سزا دی جاسکے تو پھر اللہ کے وصف عدل کا کیا معنی ہوا؟ اس کا ظہور کب ہوگا؟ اس لئے ایک ایسا وقت ضرور متعین ہونا چاہیئے جس میں صاحبِ حق کو اس کا حق مل جائے، اللہ نے اس کے لئے آخرت کا دن مقرر کیا تاکہ اسی میں ہر صاحبِ حق کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے۔

علاوہ ازیں خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کی خبر دی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے جہاں پر ہر ایک کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

زیارتِ قبور کی اجازت کی حکمت

قبروں کی زیارت کا فلسفہ یہی ہے کہ وہ انسان کو اپنی پہلی منزل یاد دلاتی ہے: انہا تذکر الآخرۃ۔ انسان کو اپنے اعمال پر رلاتی ہے اور مستقبل کی تیاری کرنے پر مجبور کرتی ہے، قبر کی زیارت اس لئے نہیں ہوتی کہ تم وہاں جاکر منتیں مانو، چڑھاوے چڑھاؤ تم وہاں جاکر جانور ذبح کرو، پھولوں کی چادریں چڑھاؤ اور نہ اس لئے کہ گلے میں کپڑے ڈال کر قبر کو سجدے کرو، اس کا طواف کرو، بلکہ قبر کی زیارت کی حکمت یہی ہے کہ قبر آخرت کی یاد دلانے کا مؤثر ذریعہ ہے، جب آخرت یاد آئے گی تو اعمال خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے، نہ کسی سپاہی کی ضرورت ہوگی نہ کسی ڈنڈے کی نہ کسی چوکیدار کے جگانے کی ضرورت ہوگی، جب تک حشر ونشر، حساب وکتاب کا تصور دل میں جاگزیں نہیں ہوگا، اس کا خوف پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک لاکھ پہروں کے باوجود انسان گناہ سے باز نہیں آئے گا، کتنے ہی حفاظتی وصیانتی انتظامات کرلو چوری بہرحال ہوگی اس لئے ذکر آخرت اور خوفِ آخرت ہی وہ نسخۂ اکسیر ہے جو انسان کو گناہوں سے باز رکھ سکتا ہے

قرآن میں تذکرۂ آخرت کا انداز

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جتنی بھی سورتیں آپ پڑھیں گے اول سے لے کر آخر تک کسی نہ کسی جگہ آخرت کا تذکرہ آپ کو ضرور ملے گا، کبھی تو ترغیبی انداز میں، کبھی ترہیبی انداز میں، کبھی جہنم کا خوف دلاکر اور کبھی جنت کی خوشخبری سناکر، آخرت کے ذکر کا انداز کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہاں جنت ہوگی، نعمتیں ہوں گی، حور وقصور ہوں گے، ایسے لباس ہوں گے، ایسے خادم

ہوں گے، ایسے ایسے عمدہ بستر ہوں گے، ایسے مقامات ہوں گے تاکہ انسانوں کو اس کی طرف رغبت ہو، ان کو حاصل کرنے کا شوق بیدار ہو، کبھی اس کا انداز یہ ہوتا ہے کہ جہنم ہوگی کوڑے ہوں گے، سزا ہوگی، جحیم ہوگی، کھولتا ہوا پانی ہوگا، پیپ پلائی جائے گی تاکہ بندے کے دل میں اس کا خوف اور ڈر پیدا ہو، انسان کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض طبیعتیں ترغیب کو قبول کرتی ہیں، بعض طبیعتیں ترہیب کو قبول کرتی ہیں، اس کی مثال آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کا ایک بچہ اس وقت تک پڑھنے نہیں جاتا جب تک ایک ریال نہ دو، آپ نے ایک ریال دیدیا تو وہ خوش ہو کر چلا گیا، دوسرے بچے کو دس ریال بھی دیدو پھر بھی اسکول نہیں جائے گا، جب تک اس کو دو تھپر نہ رسید کردو، یہ صرف اس وجہ سے کہ بعض کی فطرت ترغیب کے قبول کرنے کی عادی ہوتی ہے اور بعض کی ترہیب قبول کرنے کی، اسی لئے اللہ نے بھی اپنے بندے کو مختلف انداز میں خطاب فرمایا۔

ان باتوں کے ذہن نشیں ہو جانے کے بعد سورۂ واقعہ کی تفسیر و توضیح بغور سنیں۔

قیامت آکر رہے گی

اذا وقعت الواقعۃ لیس لوقعتہا کاذبۃ ــــ جب قیامت واقع ہوگی اور اس کے واقع ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے ــــــــــ قیامت کے آنے سے پہلے تین مرتبہ صور پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے تو دنیا کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی، فنا ہو جائے گی، تمام کے تمام انسان مر جائیں گے اور اس روئے زمین پر کوئی متنفس باقی نہیں رہ جائے گا، دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے تمام لوگ زندہ ہو جائیں گے حتیٰ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک ایک قبر سے ستر ستر مردے نکلیں گے۔ اور جب تیسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو میدانِ حشر قائم ہوگا، حساب و کتاب ہوگا، میزان عدل قائم ہوگا، نیک اعمال والے

جنت میں اور بُرے اعمال والے جہنم میں جائیں گے، اسی کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے قرآن نے کہا کہ واقعہ یعنی قیامت ہو کر رہے گی اور تم اس سے کسی طرح بھاگ نہیں سکو گے، اس کے واقع ہونے میں ذرہ برابر بھی کسی شک وشبہ اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر تم اس وہم میں مبتلا ہو جھوٹ موٹ کا ایک چیز کو ہوّا بنا کر تمہیں ڈرایا جا رہا ہے تو یاد رکھو اس میں ذرا بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے، قیامت کی خبر اتنی پکی خبر ہے کہ جب آگئی تو اسے کوئی جھٹلا نہیں سکے گا، کوئی قیامت کا انکار کر کے ہی کیا کرے گا، موت کا انکار کر کے ہی کیا کرے گا؟ لاکھ انکار کے باوجود بھی آکر ہی رہے گی، اسی بے بسی اور عاجزی کی وضاحت قرآن نے کی کہ اس کے آنے والے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا اور چونکہ قیامت کا واقع ہونا ایک بدیہی اور تحقیقی بات ہے اسی لئے بعض مفسرین نے کہا کہ "واقعہ" قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے (۱)

عزت وذلت کا معیار

آگے ارشاد فرمایا گیا خافضة رافعة کہ وہ دن پست کرنے والا ترقی دینے والا ہے، جو لوگ دنیا میں منکر تھے، سرمایہ دار تھے، ..... دنیا میں نمرود و فرعون کے پیروکار تھے، جو دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ان کو دنیا میں جو سربلندی حاصل ہے وہ ہمیشہ حاصل رہے گی وہ ہمیشہ بلند رتبہ والی قوموں میں ہی سے رہیں گے اور جو غریب تھے مسکین تھے، ایمان کی دولت سے مالا مال تھے، دنیا میں حقیر اور نیچی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وہ اسی طرح حقیر اور پست حال و پسماندہ رہیں گے بلکہ اس دنیا کا قانون ہی بدلا ہوگا، اس کا ضابطہ ہی انوکھا ہوگا، وہ دن بڑا عجیب و غریب قانون لے کر نمودار ہوگا، اس دن بلند مرتبہ والے، حکومتوں والے، دنیا میں سپید و سیاہ کے مالک ذلیل و خوار اور پست کر دیئے جائیں گے اور وہ نیچے جہنم

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۴۲۔

پہونچا دیئے جائیں گے، متکبرین ذلیل کئے جائیں گے اور جو ایمان کی دولت سے مالا مال تھے، دنیا میں پست سمجھے جاتے تھے، وہ اللہ کا عزیز اور پیارا ہو جائے گا، اس کو اکرام و عزت سے نوازا جائے گا۔ اکرام و اعزاز کا معیار اس دن صرف ایمان و اعمالِ صالحہ ہوں گے، جن کے پاس یہ سرمایہ ہوگا وہ سربلند ہوں گے اور جن کے پاس یہ سرمایہ نہ ہوگا، وہ سربلندی سے محروم ہوں گے، وہ ذلیل کر دیئے جائیں گے، کہاں ابو جہل، ابو لہب، عقبہ، عتبہ، شیبہ، ربیعہ، یہ لوگ تو اسفل السافلین میں... جائیں گے۔ اور کہاں بلالِ حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، بی بی سمیہؓ اور دوسرے غربا صحابہ اور اصحابِ صفہ سب جنت کے اعلیٰ مراتب سے لطف اندوز ہوں گے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قیامت اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی جانب پست کریگی اور اللہ کے دوستوں کو جنت کی جانب بلند کریگی (۱)، حسن و قتادہ نے کہا کہ کفار دنیا میں مغرور اور اپنے نزدیک معزز و مکرم تھے تو قیامت ان کو جہنم کی ذلت و خواری میں مبتلا کریگی اور اہلِ ایمان جو دنیا میں بے وقوف اور ذلیل سمجھے جاتے تھے، ان کو عزت و جنت سے سرفراز کریگی اور سدیؒ نے کہا کہ تکبر والوں کو ذلیل و خوار کرے گی اور تواضع اختیار کرنے والوں کو بلند کریگی (۲)، اسی آیت میں قیامت کے دن کے اسی عجیب قسم کے انقلاب کے پیش آنے کو بیان کیا گیا ہے۔

نظامِ کائنات میں ہلچل

آگے ارشاد فرمایا: اذا رجت الارض رجاً ان آیتوں میں قیامت کے دن کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ جب زمین کو حرکت دی جائے گی، زمین پوری کی پوری لرزنے لگے گی، چپہ چپہ کپکپانے لگے گا، طول و عرض میں زلزلہ پڑ جائے گا، اس کی ایسی حرکت

---

(۱) روح المعانی ۲۷/۱۳۰۔

(۲) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۴۳۔

ہو گی جیسے چھلنی کی ہوتی ہے اور چھلنی میں آٹا چھنتا ہے، دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ اذا زلزلت الارض زلزالہا جب زمین کو اچھی طرح ہلا دیا جائے گا، ایک اور آیت میں فرمایا گیا یاایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم، اے لوگو! اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، یقین کرلو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے، وبست الجبال بسّاً۔ پہاڑ ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ زلزلہ کی وجہ سے نہیں بلکہ شانِ الٰہی کی ہیبت سے پہاڑ پس کر ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے فکانت ھباءً منبثا۔ یہ پہاڑ آج تمہیں یکجا نظر آرہے ہیں جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان پھٹ جائے گا، زمین بدل جائے گی، پہاڑ چورا چورا ہو جائے گا، دوسری آیت میں ہے کثیباً مہیلاً پہاڑ ریگ رواں کی طرح ہو جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جیسے ہوا کے جھونکے سے غبار بلند ہوتا ہے۔ پھر اس میں کچھ نظر نہیں آتا ہے، اسی طرح اس کا حال ہوگا۔ اس لئے زمین پہلے تو زلزلہ کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ جائے گی پھر یہ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کے گالے کی طرح ہو جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر ہوا کی سختی سے اڑ جائیں گے اور زمین ایک برابر میدان کی طرح ہو جائے گی (۱)

"ھباء" ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اڑتے ہیں۔ نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے اور "منبث" اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نیست و نابود کر دے، جس طرح خشک پتوں کے چوروں کو ہوا ادھر سے اُدھر بکھیر دیتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کے طول و عرض میں اضطراب ہی اضطراب ہوگا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے پھر غبار بن کر اڑ جائیں گے اور نظر بھی نہیں آئیں گے (۲)

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۴۳۔ (۲) ابن کثیر ۴/۳۰۳۔

لوگوں کی تین قسمیں

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کنتم ازواجاً ثلٰثۃ۔ کہ قیامت کے دن تمہاری تین جماعتیں ہو جائیں گی، اس سے دنیا کے تمام لوگوں کو بھی خطاب ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تمام انسانوں کی تین قسمیں ہو جائیں گی، وہ بھی جو حضورؐ کی آمد سے قبل دنیا میں تشریف لائے اور وہ بھی جو حضورؐ کے زمانے میں تھے اور وہ بھی جو حضورؐ کے بعد سے قیامت تک پیدا ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے ——— اور اگر خطاب صرف اسی امت مرحومہ محمدیہؐ سے ہو تو مطلب ہوگا کہ تمہارے بھی تین گروہ ہوں گے اور باقی امتوں کے بھی تین گروہ ہوں گے، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان تینوں گروہوں میں سے ایک گروہ عرشِ الٰہی کے داہنی جانب ہوگا، یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدمؑ کی دائیں پسلی سے پیدا ہوئے، ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور وہ عرشِ الٰہی کے داہنی جانب ہوں گے، یہ لوگ جنتی ہوں گے۔ دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدم کی بائیں پسلی سے نکالے گئے تھے۔ انہیں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، یہ لوگ جہنمی ہونگے تیسری جماعت اللہ عزوجل کے سامنے ہوگی، یہ خاص الخاص لوگ ہوں گے، یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خاص قرب کے مالک ہوں گے، انہیں خصوصی امتیاز اور بلند درجہ نصیب ہوگا، ان میں انبیاء، رسل، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہونگے دائیں جانب والوں کی بہ نسبت ان کی تعداد کم ہوگی (۱) سورۂ ملائکہ میں انہی تینوں قسموں کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث منتخب لوگوں کو

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۳۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (فاطر/۳۲)

بنایا، پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنیوالے ہیں، بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں

۱۔ دائیں والے

فاصحابُ المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ ۝ یہاں اللہ نے تینوں گروہوں میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان فرمائی کہ جو دائیں والے ہیں وہ کیا ہی خوب ہیں؟ یعنی دائیں طرف والوں کی تعریف و توصیف کافر کی سمجھ سے باہر ہے اگرچہ کہ آثار و قرآن اور ایمان و اسلام سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے، لیکن کفار ان کو بے تہذیب اور بے وقوف سمجھتے ہیں، ان کی نگاہ میں ایمان و اسلام کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور جب وہ قیامت میں دیکھیں گے کہ ان ہی لوگوں کو نعمتوں، آسائشوں سے نوازا جا رہا ہے، جن کو ہم بے وقوف اور ذلیل سمجھتے تھے، وہی آج ہم سے آگے ہیں، ہر شخص انہیں تعظیم و تکریم سے دیکھے گا، تو وہ بے ساختہ کہے گا کہ یہ داہنے والے کیا ہی خوب ہیں؟ دائیں والوں سے مراد یہی ہے کہ وہ اللہ کے عرش کے دائیں جانب ہوں گے، انہیں اپنا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا یا جیسا کہ اس سے پہلے میں نے بیان کیا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو اللہ نے آدمؑ کے دائیں شق سے پیدا فرمایا ہوگا اور وہ عرش کے دائیں جانب ہوں گے۔ یہی لوگ "اصحاب المیمنۃ" ہوں گے۔

۲۔ بائیں والے

واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ۔ دوسرے نمبر پر فرمایا کہ بائیں والے

کیسے بدتر ہیں؟ ـــــ یاد رکھو! یہی وہ لوگ ہیں جو عرش کے بائیں جانب ہوں گے حضرت آدم کے بائیں جانب سے نکالے گئے اور ان کے نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب میمنہ وہ لوگ ہیں کہ جب حضرت آدم کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکالی گئی اور ان سے عہد لیا گیا تو ان کے دو حصے ہوئے، ایک حصہ ان کی پیٹھ کی دائیں جانب سے نکالا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ جنتی ہیں اور مجھے کچھ پروا نہیں دوسرا حصہ ان کی پیٹھ کی بائیں جانب سے نکالا گیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنمی ہیں اور مجھے کچھ پروا نہیں، ابن جریجؒ نے کہا کہ اصحاب المیمنہ نیکیوں والے لوگ ہیں اور اصحاب المشئمہ برائیوں والے ہیں (۱)

معراج والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم لوگ سماءِ دنیا پر چڑھے تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اسکے دائیں جانب بھی آدمی کی صورتیں ہیں اور بائیں جانب بھی آدمی ہی آدمی کی صورتیں ہیں، جب وہ دائیں جانب دیکھتا ہے تو ہنس دیتا ہے اور بائیں جانب دیکھتا ہے تو رو دیتا ہے، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا "خوش آمدید، مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح"! ـــــ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون شخص ہیں؟ جبرئیل نے کہا یہ آدم ہیں اور دائیں بائیں جو صورتیں نظر آرہی ہیں وہ انکی اولاد ہیں، دائیں والے اہلِ جنت ہیں اور بائیں والے اہلِ جہنم ہیں (۲)

۳۔ سبقت کرنیوالے

تیسرا گروہ نیک کاموں میں سبقت کرنے والوں کا ہے، ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ السّابقون السّابقون۔ یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں وہ تو اعلیٰ

---

(۱) قرطبی ۱۷/۱۹۷۔

(۲) قرطبی ۱۷/۱۹۸۔

درجہ کے ہیں، یہ سبقت کرنے والے خاصان خدا ہیں، ان میں انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین ہوں گے۔ سابقین میں کون کون لوگ شامل ہیں؟ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس سے چار آدمی مراد ہیں۔ عرب سے: میں (حضورؐ کی ذات گرامی) فارس سے سلمانؓ، حبشہ سے بلالؓ اور روم سے صہیبؓ، یہ چاروں سابقین سے مراد ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سابقون وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے مسجد میں آتے ہوں اور اخیر میں مسجد سے نکلتے ہوں (۱)، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم لوگ جانتے ہو، سابقین کون کون لوگ ہیں؟ .....

ادب یہ ہے کہ آدمی کو معلومات حاصل ہوں مگر جب کوئی بڑا آدمی پوچھے تو کہدے کہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں، حضرات صحابہ مقام نبوت سے بخوبی واقف تھے اور اسی لئے اللہ نے ان کو نبی کی صحبت و رفاقت کی دولت عطا فرمائی تھی، انہوں نے نہایت ادب و احترام سے جواب دیا کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کہ اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے

بعض کوتاہ فہمیاں

بعض حضرات کی نگاہوں سے جب یہ اور اس طرح کی حدیثیں گذرتی ہیں تو سمجھتے ہیں کہ صحابہ نے حضورؐ کو بھی اعلم (زیادہ جاننے والا) کہا اور اللہ کو بھی اعلم (یعنی زیادہ جاننے والا) کہا۔ صحابہ نے اللہ اور رسول میں کچھ بھی فرق نہیں کیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ عالم الغیب تھے۔ میں ان سے مؤدبانہ عرض کرتا ہوں کہ یہ ان کی کوتاہ فہمی اور ناسمجھی ہے۔ بہت سارے مواقع پر آپ نے خود اپنی زبان سے کبھی لاعلم (میں نہیں جانتا) کا اقرار فرمایا اور کبھی لاادری (میں واقف نہیں) کا اقرار

(۱) درمنثور ۶/۸۔

فرمایا۔ خود خداوند قدوس نے فرمایا کہ آپؐ نہیں جانتے کہ روح کیا چیز ہے؟ آپؐ نہیں جانتے کہ قیامت قریب ہے یا دور؟ مایدریك لعل السّاعة تكون قريباً۔ (احزاب: ۶۳) حضرات صحابہ کا یہ کہنا کہ اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں، یہ غایتِ ادب اور غایتِ احترام کے طور پر ہے نہ کہ عقیدہ کا بیان ہے کہ اللہ بھی عالم الغیب ہے اور حضورؐ بھی عالم الغیب ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

پنبہ کجا کجا نہم

ایک اور غلط فہمی لوگوں میں عام ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا، اس لئے اللہ کا سایہ نہیں ہے تو حضورؐ کا بھی سایہ نہیں ہے، نعوذ باللہ وہ بھی خدا ہو گئے ؎

تن ہمہ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

کن کن مسئلوں پر رویا جائے، ایک ہو تو بات بھی ہے، کیا دلیل ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہیں تھا؟ کیا قرآن کی کسی آیت میں یہ موجود ہے؟ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضورؐ پر بھی سایہ نہیں تھا۔ اصل میں یہ محاورہ مشہور ہے کہ فلاں کے سر سے والد کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ والد کی جو تعلیم و تربیت اور نظرِ شفقت ایک اولاد کے لئے ہوتی ہے، اس سے وہ محروم ہو گیا، آپؐ کے اس دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی والد ماجد فوت ہو گئے، آپؐ کی پیدائش سے کچھ عرصہ بعد والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں، پھر کچھ ہی عرصہ عبد المطلب کی رفاقت و تربیت اور نظرِ شفقت میسر آئی کہ وہ بھی چل بسے، ابو طالب نے پرورش کا بیڑہ اٹھایا لیکن ایک عرصہ بعد انہوں نے بھی عدم کا رختِ سفر باندھ لیا اور آپؐ کا حقیقی معاون و مددگار سوائے اللہ کے کوئی نہ رہا۔ اس لئے محاورۃً کہدیا جاتا ہے کہ حضورؐ پر کسی کا سایہ نہیں تھا اور نہ حضورؐ کا سایہ ہی تھا، یہ مراد نہیں ہے کہ حضورؐ

کا وہ سایہ نہیں تھا جو چلتے وقت ہوا کرتا ہے۔ یہ بدعقیدوں کا گھڑا ہوا مسئلہ ہے علاوہ ازیں آپؐ کا یہ معجزہ تھا کہ دھوپ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ پر بادلوں کا سایہ فرما دیتے تاکہ دھوپ کی تپش آپؐ کے جسم مبارک پر نہ پڑے، ظاہر ہے جب بادل آجائے تو سایہ ہوتا ہی نہیں ہے۔

عقل و فہم سے عاری لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ بشر نہیں تھے، انسان نہیں تھے، آپؐ کی ذات سراپا نور ہی نور تھی، یہ عقیدہ باطل عقیدہ ہے۔ حضورؐ سید البشر ہیں، خیر البشر ہیں، قرآن نے خود اس کی صراحت کی ہے کہ آپؐ انسان ہیں۔ کیوں کہ انسان کے اندر جو جو صفات پائی جاتی ہیں وہ سب آپ کے اندر موجود ہیں عام انسانوں کی طرح حضورؐ بھی کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، شادیاں کرتے ہیں بیٹے بیٹیاں بھی ہیں۔ جنگوں میں زخم بھی کھائے ہیں، طائف سے لوٹتے ہوئے اوباش اور غنڈوں کی پتھر بازی کی وجہ سے جسم تو جسم جوتے بھی لہولہان اور خون آلود ہو گئے۔ یہ سب انسان ہی کی تو صفتیں ہیں، اس لئے ہمارے نبی بشر ہی ہیں، عام انسانوں سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ان باتوں کو وہ لوگ خود تقریروں میں بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم حضورؐ کو بشر کہیں تو کہیں گے کہ یہ وہابی ہے۔ جو شخص بشریت کا مسئلہ سمجھائے وہ وہابی ہے۔ لیکن خود تقریر کریں اور تقریروں میں بشریت کا مسئلہ بیان کریں تو کوئی بات نہیں بالکل ٹھیک ہے۔ مولانا احمد سعید کاظمی (اللہ انکی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے) بڑے عالم تھے، گو بریلی مسلک کے تھے، لیکن عالم عالم ہوتا ہے چاہے کسی جماعت کا بھی ہو، انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا منکر ہو وہ کافر ہے" انہوں نے یہ بات لکھی ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر یہی بات مولوی مکی کہے تو وہ وہابی ہے۔ اب اس کا کیا علاج ہے؟

خواجہ غلام فرید نے اپنی کتاب "اشاراتِ فرید" میں باقاعدہ لکھا ہے کہ "علمِ غیب خاصۂ خدا است وخاصیتہ الشئ الذی لایوجد فی غیرہ"، کہ علمِ غیب خدا ہی کا وصف خاص ہے اور خاصہ کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسرے میں نہ پایا جائے۔ خواجہ صاحب نے اس کو لکھا ہے تو یہ ٹھیک، مگر مولوی مکی نے کہہ دیا تو وہ وہابی ہوگیا۔ جو خیال خواجہ صاحب کے بارے میں رکھتے ہو، وہ دوسرے کے بارے میں بھی رکھو، یا جو فتویٰ مولوی مکی پر لگاتے ہو وہ ان پر بھی لگاؤ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

خواجہ صاحب سے پوچھا گیا کہ علماء دیوبند کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ خواجہ صاحب نے "ارشادات فرید" میں لکھا ہے کہ جو شخص علماء دیوبند کے بارے میں سوءِ ظن رکھتا ہے فقیر کو اس کے سوءِ خاتمہ کا خطرہ ہے، یعنی علماءِ دیوبند کے بارے میں جو بُرا گمان رکھے، خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو، چوں کہ حضرت خواجہ صاحب نے ایسا لکھا ہے اسلئے کوئی بات نہیں اور اگر مولوی مکی کہدے تو وہ وہابی ہوگیا، کیوں کہ وہ تو پیر تھے پیر۔ اور میں کہاں چھوٹا موٹا مولوی! میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑے عالم تھے، ان کے یہاں کتبِ حدیث خصوصاً بخاری شریف وغیرہ کا درس ہوا کرتا تھا، اللہ ان کی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے۔

عزیزانِ من! نبی کی شان بڑھا کر خدا کے درجہ تک پہونچانا بھی کفر ہے اور نبی کی شان وعظمت گھٹا کر عام انسانوں کے برابر کر دینا بھی کفر ہے، نبی کو نبی اور خدا کو خدا بنائے رکھنے ہی میں ایمان کی سلامتی ہے۔ اللہ ہمیں نبی کی شان میں گستاخی سے بچائے، ہمیں افراط وتفریط سے بچائے کہ ہم انبیاء کو خدائی صفات

سے متصف قرار دیں۔

"سابقون" کون لوگ ہیں؟

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ سابقون کون کون لوگ ہیں؟ حضرات صحابہ نے غایتِ ادب و احترام سے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو حق دیا جاتا ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں، جب ان سے کوئی مانگتا ہے تو محروم نہیں کرتے، جب وہ فیصلہ کریں تو ایسا فیصلہ کریں جیسا اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہیں، مطلب یہ کہ جب اس کو قاضی بنا دیا گیا، حکم بنا دیا گیا تو اسی جگہ اپنے آپ کو پرکھ کر دیکھا کہ اگر میں مدعی کے مقام پر ہوتا یا مدعا علیہ کے مقام پر ہوتا تو میرا دل کیا چاہتا؟ جو اپنی ذات کے لئے چاہتا ہے وہی دوسرے کے لئے چاہے انصاف سے فیصلہ کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہی لوگ ہوں گے جو قیامت میں اللہ کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے اور سب سے آگے آگے ہوں گے، اللہ ہم سبھوں کو وہ درجہ نصیب فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ یوشع بن نون "سابقون" کے مصداق ہیں کہ سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر انہوں نے ہی ایمان قبول کیا، مومن آلِ یٰسین یعنی حبیب نجار بھی سابقون میں سے ہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ پر وہی پہلے ایمان لائے۔ حضرت علی بن ابی طالب بھی سابقین میں سے ہیں کہ بچوں میں سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا۔ اس روایت میں گو حضرت ابوبکر صدیق کا نام نہیں ہے لیکن اصول کے مطابق سابقون میں سے ہیں اور حضرت ابوبکر کے سابقون میں سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کیوں کہ حضرت علی نے کم سنی میں اسلام قبول کیا تھا جب کہ حضرت ابوبکر نے سن بلوغ اور عقل و ہوش کی پختگی کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت علی

کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کسی دوسرے نے اسلام قبول نہیں کیا، حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کیا تو حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، عثمانؓ جیسے تیرہ افراد بھی انہی کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ بھی سابقین میں سے ہیں ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے، بیت المقدس کی طرف بھی نماز پڑھی ہے اور مسجد حرام کی طرف بھی نماز پڑھی ہے (۱)، حضرت حسن و حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ہر امت کے وہ لوگ جو پہلے پہلے اپنے نبی پر ایمان لائے (۲)، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ سابقین میں وہ لوگ شمار ہوں گے جو سب سے پہلے نماز کے لئے مسجدوں کی طرف جاتے ہوں، جہاد کا وقت آئے تو امیر وقت کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا ہو (۳)، ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ تمام ہی اقوال درست ہیں کیوں کہ مذکورہ بالا افراد ہی سابقین میں نہیں بلکہ وہ تمام ہی لوگ اسمیں شامل ہیں جو کسی بھی نیک کام میں سبقت کریں، نماز میں، روزہ میں، حج میں، زکوٰۃ میں، راہِ خدا میں، جہاد میں، خیرات میں، امر بالمعروف میں، نہی عن المنکر میں، جس میں بھی آگے بڑھنے کی کوشش کریں، روزِ قیامت وہ سابقون میں سے ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ اس لئے ہر عملِ خیر میں سبقت کیا کریں، قبل از وقت وضو کا اہتمام کریں، مسجد جائیں، دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں، اذان ہو جائے تو سنتیں پڑھیں فرائض پڑھیں، حدیث میں آتا ہے کہ فرشتوں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا یارب! آپ نے آدم اور اولادِ آدم کی تخلیق فرمائی، وہ تو دنیا میں کھاتے پیتے ہیں، مزے

---

(۱) قرطبی ۲/۱۹۹۔

(۲) درمنثور ۸/۶۔

(۳) ابن کثیر ۴/۳۰۴۔

اڑاتے ہیں، شادیاں کرتے ہیں، دنیا کی تمام لذتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، انکو آپنے دنیا کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے تو ہمارے لئے آخرت کی ساری نعمتیں لکھ دیجئے، خداوند قدوس نے ان کی اس خواہش پر نفی میں جواب دیا، ملائکہ نے پھر عرض کیا اور اپنی عرضی پیش کی، اللہ نے فرمایا نہیں، فرشتوں نے پھر عرض کیا تو اللہ نے فرمایا، جن کو میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے اور جن کو "کُن فیکون" سے پیدا کیا، دونوں کو برابر کیسے کر دوں؟ اللہ نے فیصلہ فرما دیا فرشتہ کو میں نے کن فیکون سے پیدا کیا، آدم اور اس کی اولاد کو تو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ اس میں روح پھونکی ہے، میں نے اس کو مسجود ملائکہ بنایا ہے۔ اس کو میں جنت میں کیوں نہ داخل کروں؟ تمہیں دوں اور ان کو محروم کر دوں؟ امام عثمان بن سعید دارمی نے اپنی کتاب "الرّد علی الجھمیۃ" میں اسی اثر کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں اس مخلوق کو جس کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، ان کو ان کے برابر کیسے کر دوں جو صرف "کن فیکون" سے پیدا ہوئے ہیں؟ یہ شرف اللہ نے آدم کی اولاد کو عطا فرمایا ہے۔ مسجود ملائکہ بھی آدمؑ بنے، اللہ اپنی خلافت سے نواز کر اس روئے زمین پر آدمؑ ہی کو بنا کر بھیجا۔ قیامت کے دن بھی السّابقون السّابقون انہیں کی اولاد میں سے بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی رحمت سے سابقین میں سے شامل فرمائیں۔ ہم سب کو جنت الفردوس سے شرف یاب فرمائے، جہنم کے عذاب سے رستگاری نصیب فرمائے، آمین۔

صرف دعاؤں ہی پر بھروسہ نہ لگائے رکھیں، اس کے لئے عملی کوشش بھی کیا کریں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر نفلی عبادتوں کو پابندی سے ادا کیا کریں، تو اللہ اس بیش بہا دولت سے نواز سکتا ہے۔ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے، اگر ہمارے گناہوں کی حد نہیں تو اس کی رحمتوں کا بھی حد و حساب نہیں ہے۔

لاتعد ولا تحصیٰ ہے ۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا، اللہ کی نعمتوں کو نہ کوئی گن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی رحمتوں کا شمار کرسکتا ہے، اللہ کی رحمت تو ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئی ہے، اس لئے دعا کیا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مہربانی سے ..... ہمیں بھی وہاں بلند مرتبہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے میرے نبی اور ان کے اصحاب کو یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے ۔ اس لئے یاد رکھیں کہ آج دین کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو صحابہ کا دشمن ہو، کیوں کہ صحابہ کا دشمن قرآن کا بھی دشمن ہے اور نبی کا بھی دشمن ہے اور صحابہ سے بغض و عناد اور دشمنی بہت ہی خوفناک اور دردناک ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے السابقون الاولون من المھاجرین والانصار (توبہ : ۱۰۰) سب سے پہلے ایمان لانے والے اور سبقت کرنے والے، سب سے پہلے حضورؐ پہ اپنی جانیں قربان کرنے والے، اپنی اولاد، گھر بار، اقربا، ورثہ دار ..... چھوڑنے والے سابقون میں سے ہیں، وہ مہاجرین میں بھی تھے اور انصار میں بھی تھے ۔

اخوّت و بھائی چارگی کا تقاضا

آج مہاجرین اور غیر مہاجرین کے نام پر فسادات اور جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے ہیں ۔ ایک دوسرے کو قتل، ایذا رسانی میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اسلام کی تعلیم اور اس کا پیغام یہی ہے کہ مہاجر ہوں یا انصار، سبھی مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، آج اس مقدس اور متبرک جگہ میں دعا کرو کہ اللہ تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دے ۔ ہمارے ملک سے قتل و خوں ریزی اور ظلم و دہشت گردی کا خاتمہ فرما دے، مہاجروں کو حقیقی مہاجر

اور انصار کو حقیقی انصار بنا دے، ان کے دلوں میں وہی جذبۂ اخوت و ہمدردی، مساوات و مواسات، باہمی تعاون و تناصر پیدا فرما دے جو جذبہ اوس و خزرج اور عرصۂ دراز تک آپس میں جنگ و جدال کرنے والے بنو بکر و بنو تغلب میں پیدا فرمایا تھا، ان کو اسی طرح آپس میں ملا دے جیسا کہ اوس اور خزرج وغیرہ کو ملایا تھا۔

اللہ ان دشمنانِ دین اور دشمنانِ اسلام کو غارت و رسوا کرے جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں، مسلمانوں کو ہمیشہ تکلیف پہونچانے کے درپے رہتے ہیں، مسلمانوں کی خون کی عزت تو کعبۃ اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ساری دنیا فنا ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہے، کتنی دہلا دینے والی بات حدیث میں کہی گئی، تم کچھ نہیں کر سکتے ہو تو کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر دعا تو کر سکتے ہو، ملتزم پر کھڑے ہو کر اپنے بھائیوں کے لئے دو قطرے آنسو تو بہا سکتے ہو۔ طواف کر کے اپنے اللہ کے سامنے گڑگڑا تو سکتے ہو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ان کے لئے دعائیں تو کر سکتے ہو، ان سے پوچھو جن کے بھائی بچھڑ گئے، ان ماؤں سے پوچھو جن کی گودیں خالی ہو گئیں، ان کے نونہال پڑھنے کے لئے گئے، اماں منتظر ہے کہ بیٹا بستہ لے کر آئے گا مگر بچہ کی لاش آگئی، ان بچوں کے بارے میں پوچھو جو ماں باپ کی مامتا سے محروم ہو گئے، ان سے جا کر پوچھو، یہ درد تو وہی محسوس کر سکتا ہے جو خود صاحبِ دل ہو، اولاد رکھتا ہو، ان حادثوں سے نجات جب ہی مل سکتی ہے کہ امن و امان کے لئے دل سے دردمندانہ دعائیں کی جائے مومن کا سب سے بڑا ہتھیار دعا ہے، اللہ مانگنے والوں کو ضرور عطا فرماتا ہے، مانگنے اور لینے کا سلیقہ ہو تو ہاتھ خالی نہیں لوٹتا۔

مخالفین کی کج فہمی

میں عرض کر رہا تھا کہ وہاں تین گروہوں میں بنی آدم منقسم ہوں گے ایک دائیں والے، دوسرے بائیں والے اور تیسرے سابقین، کبھی قرآن دو گروہوں کا تذکرہ کرتا ہے، مؤمن و کافر اور دائیں والے اور بائیں والے، مگر ناقدین و معترضین اللہ تعالیٰ کے اندازِ تخاطب کی قدرت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کبھی قرآن تین قسموں کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دو قسموں کا، یہ قرآن مختلف اور متضاد باتیں کہتا ہے، آخر کون سی بات صحیح ہے؟ ہم قرآن کی کون سی بات مانیں؟

اصل میں یہ ظاہری تضاد ہے، قرآن کبھی کسی چیز کا ذکر اجمالاً کرتا ہے، اور کبھی تفصیل کے ساتھ کرتا ہے، لوگوں کی تقسیم میں بھی قرآن نے کبھی اجمال سے کام لیا اور کبھی تفصیل کا انداز اختیار کیا ہے، جہاں اجمال سے کام لیا وہاں دو گروہوں کا ذکر کیا اور جہاں تفصیل سے کام لیا وہاں تین کا ذکر کیا ہے، مثلاً لوگوں میں سے بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں، بعض جنتی ہیں، بعض جہنمی ہیں، مؤمنوں میں بھی مختلف درجات والے ہیں، انبیاء اور رسولوں کا درجہ دوسرے اہل ایمان کے درجات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ شہداء اور صدیقین کا جو درجہ ہے وہ دوسروں کا نہیں، اسی طرح کافروں کی بھی مختلف قسمیں کی ہیں۔ ایک صرف کافر ہے اور دوسرا کافر بھی ہے اور مشرک بھی، تیسرا کافر و مشرک بھی ہے اور ظالم بھی، محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف بھی بعض وہ لوگ ہوں گے جن کی موت کفر و شرک کی حالت میں ہوئی ہوگی، ان کے لئے ابدی جہنم ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ جن کو مؤمن ہونے کے باوجود ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی سزا بھگتانے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجدیں گے۔ ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جن کے گناہ کے لئے اللہ نے سزا متعین کی ہوگی کہ تمہیں پانچ سال، دس سال، بیس سال، پانچ مہینے جہنم میں رہنا ہے،

پھر اس کے بعد ان کو جہنم سے نکالا جائے گا، کیوں کہ وہ لوگ مومن ہیں اور خاتمہ بحالتِ ایمان ہوا ہے اور اگر منشأ خداوندی ہوا کہ عذاب دیئے بغیر گناہ معاف کر دیا جائے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ حضرات انبیاء کی سفارش سے، فرشتوں کی سفارش سے، دائیں بائیں بازوؤں پر رہنے والے فرشتے "کراماً کاتبین" کی سفارش سے، نیک بندوں کی سفارش سے دوزخ سے نجات پائیں گے۔ کچھ لوگ وہ ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے، کچھ وہ لوگ ہوں گے جن کو کچھ دیر کے لئے حساب و کتاب کے لئے روکا جائے گا پھر انہیں جنت میں داخلہ کا پروانہ دیا جائے گا۔

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ جس کی موت حالت ایمان میں ہوئی ہو چاہے وہ کتنا بڑا گناہ گار ہی کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن وہ جنت میں ضرور جائے گا ——— الغرض چوں کہ کفار و مسلمان، نیک و بد دونوں طرح کے لوگوں کی مختلف انواع و اقسام ہوں گی، انہیں اقسام کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن نے مختلف مواقع پر انسان کی مختلف قسمیں ذکر کی ہیں، اس لئے کہیں پر اجمالی تذکرہ ہوتا ہے اور کہیں پر تفصیلی تذکرہ۔

سبقت کرنے والوں کا صلہ

آگے ارشادِ باری ہوا اُولٰئِکَ المقربُون ۝ فِی جَنّٰتِ النَّعِیم ۝ یہی لوگ خاص قرب والے ہیں جو آرام کے باغوں میں ہوں گے، چوں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کرنے والے اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں پہل کرنے والے یہی سابقون ہوں گے، اسی لئے ان کا مرتبہ، ان کے عمل کا بدلہ سب سے پہلے بیان فرمایا ہے، پس جس شخص نے

اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں بھی خدا کی نعمتوں کے حاصل کرنے میں آگے آگے رہے گا، ہر عمل کا بدلہ اسی کے مطابق ملا کرتا ہے، جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ انہیں لوگوں کو مقربین کا درجہ حاصل ہوگا اور نعمتوں والی جنتوں سے سرفراز کیا جائیگا یہاں ان کی جنتوں کی تصویر کشی نہیں کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر ان کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے جنتیں تیار ہوں گی، اعلیٰ درجہ اور اعلیٰ مرتبہ کے لحاظ سے ان کو اعلیٰ قسم کی جنتیں ملیں گی، ان کی جنتوں سے متعلق بعض تفصیلیں آگے آرہی ہیں، وہاں ان جنتوں کی کیفیتیں اور ہیئتیں آپ کو معلوم ہو جائیں گی۔

گناہوں سے توبہ اور صالحین کی صحبت

عزیزانِ من! سابقون اور اصحاب المیمنہ میں شامل ہونے کیلئے ضروری ہے کہ انسان گناہوں سے پوری طرح اجتناب کرے اور اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ جس طرح ایک خراب مچھلی پورے تالاب کو خراب کر دیتی ہے اسی طرح بعض دفعہ ایک گناہ بھی ساری عبادتوں کی مقبولیت کھو دیتی ہے، انبیاء کے علاوہ کون ہے جو گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہو؟ کوئی انسان نہیں جو گناہوں سے بچ جاسکے، گناہ تو انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ وہ انسان انسان نہیں جس سے کوئی گناہ صادر نہ ہو۔ ابوالبشر حضرت آدم سے چوک ہوگئی تو ان کی اولاد سے گناہ اور خطا فطری چیز ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ پر گناہ کئے جاؤ، توبہ نہ کرو، قرآن کی بے شمار آیتوں میں اور حضورؐ کے بیشمار فرمودات میں توبہ کی تاکید کی گئی ہے، جوں ہی گناہ سرزد ہو جائے اس کا

علاج یہی ہے کہ اس سے توبہ کرلے، گذشتہ اعمال پر ندامت کرے، جبتک کسی سے اصلاحی تعلق قائم نہ ہو، اصلاحِ باطن کے لئے کسی سے تعلق نہ قائم کرے اعمال کا درست ہونا اور گناہوں سے دور رہنا ممکن ہی نہیں ہے، یہ قاعدہ مسلم ہے۔ حضرات علماء نے اسی لئے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی شیخ کامل سے ضرور قلبی اور اصلاحی نسبت جوڑلے، بزرگوں اور شیوخ کاملین سے نسبت قائم کرنا اور اصلاحِ قلب کے لئے ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنا یہ دین میں نئی نئی چیزوں کی ایجاد نہیں ہے، یہ بدعت کو فروغ دینا نہیں ہے، یہ تو آنحضورؐ کی بعثت کا عین مقصد ہے کہ لوگوں کے اعمال و اخلاق اور عقائد و خیالات احکامِ خداوندی کے مطابق ہوجائیں، چوں کہ شمعِ نبوت کا عکس بلاواسطہ اس وقت لوگوں پر پڑرہا تھا، آپؐ کا زمانہ سراپا خیر و برکت کا زمانہ تھا، آپؐ کی ایک لمحہ کی صحبت انسان کو مٹی سے سونا اور ذرہ سے پہاڑ بنادیتی تھی اس لئے الگ سے بیعت اور نسبت کا تعلق قائم کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ جوں جوں زمانۂ نبوت سے بعد ہوتا گیا، لوگوں کے خیر و صلاح اور تقویٰ میں اسی قدر کمی آتی گئی، حضورؐ کی نظر کیمیا اثر تھی کہ ایک نگاہ میں زندگی کی کایا پلٹ جاتی تھی اس لئے بعد میں اصلاحِ باطن کے لئے کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا گیا، کیوں کہ عمل کی اصلاح اور قلب کی اصلاح ایک شرعی فریضہ ہے، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور یہ کیفیت کسی صاحبِ نسبت ولی اللہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے اور جوتی سیدھی کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضورؐ کی صحبت:

سرکارِ دو عالم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سراپا خیر و برکت کا تھا، حضورؐ کی صحبت کی جو برکت تھی اس کی مثال ایسی تھی کہ جیسے کسی دھات کو پارس سے لگاؤ اور سونا بن جائے، آپ کی ذات ایسی رحمت و برکت والی تھی کہ جو آپؐ کی صحبت میں گیا وہ بن گیا، وہ سدھر گیا۔ شرابی و کبابی، چور و زناکار، قاتل، ڈاکو، اسلام کا کھلا دشمن اور ساری زندگی فواحش و منکرات میں بسر کرنے والا جس طرح کا بھی آدمی آیا اور حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کیا، اسی وقت اس میں تبدیلی آگئی، وہ گناہوں کی زندگی سے تائب ہوگیا۔ زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، زندگی میں بیک لمحہ تبدیلی آجاتی تھی۔ آپ کا کھلا دشمن جب اسلام پر بیعت کرتا تو اس کی نگاہ میں آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہ ہوتا، جو آپؐ کے قتل کے درپے ہوا کرتا وہی آپؐ کی جان کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دینے پر تیار ہو جاتا۔

اس کو یوں سمجھیں کہ بعض مریضوں کا بعض ڈاکٹر دو دو مہینے علاج کرتے ہیں، بعض ڈاکٹر ایسے ہوتے ہیں کہ پندرہ دن میں ایک مریض کا علاج کرتے ہیں، بعض پانچ دن میں علاج کرتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے بھی کم وقت میں مریض کے مرض پر قابو پالیتے ہیں۔ بعض ڈاکٹروں کی شہرت ایسی بھی ہوتی ہے کہ ان کے پاس ایک اکسیر بوٹی ہے کہ ایک خوراک دوا کھلایا اور مریض تندرست ہوگیا، حضورؐ کی صحبت کا بھی یہی حال تھا، جو بھی آپ کی خدمت میں آجاتا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرلیتا، لمحوں میں اس کی زندگی بدل جاتی۔ آپ تمام صحابہؓ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی زندگی میں ایک لمحہ میں کیسا انقلاب آگیا تھا۔ حضرت عمرؓ حضورؐ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے، بہن کے گھر تشریف لے گئے، وہاں قرآن سنا، دل میں ایمان جاگزیں ہو چکا تھا، ایمان

قبول کرنے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے چند گھنٹوں کے اندر اندر ہی وہی حضرت عمرؓ تلوار ہاتھ میں پکڑے ہوئے مسلمانوں کو بیت اللہ میں لا رہے ہیں کہ جماعت سے نماز ادا کرو، آپ نے فرمایا کہ پورا مکہ ہمارا مخالف ہے، ہمارے دشمن ہیں، ہم کیسے کعبہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! لات وعزیٰ کے جھوٹے پجاری جھوٹے خداؤں کی عبادت تو کعبہ میں کریں اور ہم سچے خدا کو ماننے والے چھپ کر عبادتیں کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ اندازہ کریں کہ اچانک یہ کتنی بڑی تبدیلی اور کتنا بڑا انقلاب ہوگیا، قاتل بن کر گئے تھے، محافظ بن گئے، دشمن تھے، مخلص دوست ہوگئے حضورؐ کو قربان کرنے کے لئے گئے تھے خود ہی قربان ہوگئے، اتنے کم وقت میں اور ایسا انقلاب کہ جانی دشمن غلام ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا واقعہ

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں بحالتِ کفر حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کرتی تھیں، ان کے گستاخانہ کلمات سن کر حضرت ابوہریرہؓ عاجز ہوگئے۔ ایک دن تنگ آکر حضورؐ سے کہنے لگے، یارسول اللہ! میری والدہ کافرہ ہیں اور آپؐ کی شان میں گستاخیاں کرتی رہتی ہیں اور یہ میری قوتِ برداشت سے باہر ہوچکا ہے اور اگر لڑائی کروں تو اپنی ماں سے کیسے کروں ادھر آپ نے والدین کے احترام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے، اس کے پیشِ نظر اگر لڑائی نہ کروں تو کب تک آپکی شان میں گستاخانہ باتیں سنتا رہوں؟ آپؐ نے ان کی والدہ کے لئے دعا فرمائی، اے اللہ! ابوہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما۔ حضرت ابوہریرہؓ گھر واپس ہوئے تو دیکھا کہ ان

کی والدہ غسل کر کے کپڑے پہن کر تیار بیٹھی ہیں، سلام کہہ کر حضرت ابوہریرہؓ گھر میں آئے، والدہ نے پوچھا کیا حضورؐ کا دروازہ ابھی کھلا ہوگا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، ان سے تمہیں کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا بس جلدی کرو، مجھے حضور کی بارگاہ میں لے چلو، اب مجھے صبر نہیں ہوتا، بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئیں اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ آپؐ کی ایک دعا نے اور معمولی توجہ نے ان کی زندگی ہی بدل ڈالی، سچ ہے ؎

نیکوں اور بروں کی ہم نشینی اور اس کے اثرات

حضورؐ سب سے بڑے روحانی معالج تھے، آپ کے بعد لوگوں کے روحانی علاج کے لئے علماء، محدثین، ائمہ اور مجتہدین نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، دینی مدارس کھولے ہیں، تلاوتِ قرآن پر محنتیں کی ہیں، سنت کی تعلیم کے ادارے کھولے ہیں اور کسی نے تزکیہ و احسان کی خانقاہیں قائم کیں تاکہ بندگانِ خدا کا روحانی علاج ہوسکے۔ روحانی علاج چاہتے ہیں اور اپنی کما حقہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ صحبت و معاشرت میں تبدیلی لائیں، اچھے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کریں، بدعملوں اور بدعقیدوں کی ہم نشینی سے کلی اجتناب کریں، بدعملوں کے ساتھ ہم نشینی کے برے نتائج کو حضورؐ نے کتنی خوبصورت مثال سے واضح کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، لوہار کے پاس بیٹھ گئے تو اگرچہ تم ہاتھ نہ لگاؤ اس کی بھٹی کی چنگاری تم کو ضرور پڑے گی، یا تو اس سے تمہارے کپڑے خراب ہوں گے یا کپڑا ضرور ہی جل کر رہے گا اور نیک لوگوں کی ہم نشینی کے اچھے نتائج برآمد ہونے کی مثال دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر کسی عطر فروش کی دوکان پر بیٹھو تو اگرچہ تم عطر نہ خریدو، اپنے کپڑوں میں نہ لگاؤ پھر بھی تمہارے

جسم سے خوشبو آئیگی، اسی طرح نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے تم سے نیک اعمال ہی صادر ہوں گے، اسی لئے قرآن مجید میں حکم دیا گیا یاایّھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہَ وکونوا مع الصّٰدقین۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ اللہ کے نیک بندے، عبادت گذار اور اطاعت شعار بندے صدق و راستی اختیار کرنے والے سب کے سب صادقین میں شامل ہیں۔ جب ان سے آپ کا تعلق ہوگا، آپ ان سے محبت رکھیں گے تو انکی طرح آپ کی زندگی میں بھی انقلاب آئے گا۔

شرک و بدعت کی عام وبا

بعض لوگ یہاں سے توحید کا سبق لے کر اپنے وطن جاتے ہیں تو وہ محلہ کے محلہ کو شرک و بدعت میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں، وہ اکیلا اس کا رد کیسے کرے؟ رد کرنے پر وہ مار بھی کھا سکتا ہے، اس کو لوگ تکلیف بھی پہنچا سکتے ہیں، پھر اگر یہ کڑوا گھونٹ پی لینے اور تکلیف سہ لینے سے شرک و بدعت اور قبر پرستی ختم ہو جائے تو یہ تکلیف بھی گوارا کی جاسکتی ہے لیکن وہاں تو پورا ماحول اور آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، جب وہ اپنے رشتہ داروں سے، گھر والوں سے، محلہ والوں اور بستی والوں سے کہتا ہے کہ قبر پر مرادیں مانگنا، چادر چڑھانا، اولیاء اللہ سے مانگنا، قبر پر چراغاں کرنا یہ سب بدعات و شرک ہیں اور گمراہی میں ڈھکیل دیتی ہیں۔ پوری فیملی والے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے آنے کے لئے پیر صاحب کے مزار پر منتیں چڑھا کر آئے ہیں، قبر پر چادر چڑھا کر اور پھول وغیرہ چڑھا کر آئے ہیں کہ تم اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ ہم نے ابھی چادر چڑھائی اور تم لوٹ آئے، پیر صاحب ہی نے میرا کام کیا

ہے، انہوں نے ہی ہماری دلی مراد پوری کردی ہے تو پھر ہم قبر پر پھول نہ چڑھائیں، سر نہ جھکائیں، چادر نہ ڈالیں تو پھر کیا کریں۔ جب آدمی ایسے ماحول میں جائے، ایسے شرک و بدعت کے عادی لوگوں میں گھر جائے تو اچھے باصلاحیت عالموں کی تلاش کرے، ان سے تعلق قائم کرے، ان تنظیموں سے رابطہ قائم کرے جو وہاں آکر دین کا کام کرسکے، شرک و بدعات کو مٹانے میں مؤثر کام کرسکے، سنت کو پھیلانے، درس توحید کو عام کرنے میں نمایاں کارنامہ انجام دے، اسی طرح توحید کا سبق عام ہوگا، سنتِ محمد مصطفی کی دعوت عام ہوگی، قرآن کی تعلیم عام ہوگی لیکن اس میں بھی اچانک اور یکبارگی نہیں بلکہ آہستہ آہستہ منظم اور منصوبہ بندی سے محنت کرے، کیوں کہ غیر منظم اور بے منصوبہ کام کرنے سے اکثر فائدہ کے بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

صحبت کا اثر

صحبت کا بڑا اثر پڑتا ہے، بروں کی صحبت میں رہ کر نیک آدمی بھی بدی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیکوں کی بابرکت صحبت سے برا آدمی بھی نیک کاموں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے اور نیکیاں کرنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک شخص پنجوقتہ نماز کا عادی ہے۔ ہمیشہ نماز پڑھتا رہتا ہے لیکن محلہ میں رہنے والے پڑوسی بے نمازی ہیں، ورک شاپ میں کام کرنے والے، ٹیلرس کی دوکان میں رہنے والے دوسرے ساتھی بے نمازی ہیں، ایسے ماحول میں نماز پڑھنے والا بھی نماز میں غفلت کرنے لگے گا اور آہستہ آہستہ نماز بھی پڑھنا چھوڑ دے گا۔ اس لئے کہ اس کو اچھے لوگوں کی صحبت نہیں مل سکی مگر اہل دین اور نمازیوں کی صحبت اختیار کریگا تو وہ نمازی اور پکّا نمازی بن جائے گا، اس کو اپنی عادت میں استقامت نصیب ہوگی۔ اس لئے

آپ خود بھی اچھے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کریں، اور اپنی اولاد کی بھی نگہداشت کرتے رہیں کہ ان کی ہم نشینی بھی اچھے دوستوں کے ساتھ ہو اور ان کی نشست و برخواست شریف، نیک اور پڑھنے والوں کے ساتھ ہو۔ اس سے غفلت نہ برتیں اور اولاد کی صالحیت اور صلاحیت کے لئے دعا بھی ہمیشہ کیا کریں، پیار و محبت سے تبدیلی لانے کی کوشش کریں، آپ میرے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ مجھے نیک اعمال کرنے والوں سے، صالحین سے نسبت عطا فرمائے۔ میں بھی آپ حضرات کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ سب کو صالحین و صادقین کی صحبت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اگر آپ کی یا آپ کے اہل خانہ، آپ کے آل و اولاد کی نشست و برخواست آوارہ گردوں، بدمعاشوں، بددینوں، چوروں، ڈاکوؤں اور شیطان صفت انسانوں کے ساتھ ہوتی رہی تو اس کے عواقب و نتائج بڑے المناک ہوں گے، اور اس سے بڑا المیہ اور تکلیف دہ بات کیا ہوگی کہ قیامت کے دن ہر شخص کا حشر اپنی ہی طرح کے اعمال کرنے والوں کے ساتھ ہوگا اور اپنے جرم کے لحاظ سے الگ الگ کھڑے ہوں گے، ان سب کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں بنادی جائیں گی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدِقین کی تلاوت فرمائی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں باندھیں اور فرمایا یہ جنت کے لئے ہے اور مجھے اسکی پروا نہیں، یہ دوزخ کے لئے ہے اور مجھے اس کی پروا نہیں (۱)۔

بھائیو! ——— یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ جنت یا جہنم میں جانے کا تعلق مسائل تقدیر سے ہے کہ اللہ نے دو دو راستے انسان کو دکھلائے ہیں برائی اور اچھائی، نیکی اور بدی، تم جو بھی راستہ اختیار کرو اسی کے مطابق

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۴۔

تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ نیک راہ اختیار کرو گے، سیدھی راہ پر چلو گے تو اس کا بہتر بدلہ یعنی جنت ملے گی، غلط راہ پر چلو گے تو اس کا بدلہ بہت ہی برا ہوگا اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ گلاس بیچنے والا کہے کہ اس گلاس کی گارنٹی ہے کہ سال بھر تک کچھ نہیں ہوگا، ٹوٹنا ہوگا تو سال بھر کے بعد ٹوٹے گا۔ اگر کوئی پتھر مار کر گلاس توڑ دے تو یہ اس کی گارنٹی کی ضد یا مخالف نہیں ہے۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سامان کے ٹوٹنے یا خراب ہونے کے غیر معمولی اسباب نہ اختیار کئے جائیں اور اسے اچھی طرح استعمال کریں تو یہ ایک سال چلے گا، یہاں چونکہ پہلے ہی توڑ دیا اور غلط طریقہ پر استعمال کرنے پر ٹوٹ گیا، اس لئے وقت سے پہلے ٹوٹ گیا۔ اسی طرح انسان کو بھی دو راہیں بتا دی گئیں، ایک بدی کی اور دوسری نیکی کی، اب انسان جس کو بھی اختیار کرے۔ اس کا بدلہ اسی حساب سے ہوگا۔ تو یہ تقدیر کا قصور نہیں انسان کی غلطی ہے کہ اس نے برائی کو اختیار کیا، البتہ اللہ تعالیٰ کو اس کے انجام کا علم ہے کہ وہ کیا کرے گا اور مرنے کے بعد اسے کیا ملے گا؟ اور یہ ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، اسی لئے میں برابر کہا کرتا ہوں کہ دو باتیں ہمیشہ ذہن میں رکھا کرو کہ اللہ کی صفت کیا ہے؟ کمال فی العلم اور کمال فی القدرۃ۔ یہ دونوں اللہ کی صفتیں ہیں وہ علم میں بھی کامل، قدرت میں بھی کامل ہے۔ یہ دو باتیں یاد رکھیں تو کوئی الجھن یا خلجان دماغ میں پیدا نہ ہوگا۔ اللہ کے فیصلہ اور تقدیر پر ایمان لائیں، قضا و قدر پر ایمان رکھیں۔ اس کے کمالِ علم پر ایمان رکھیں، اس کے کمالِ قدرت پر ایمان رکھیں، پھر اللہ کی رحمت سے کوئی شبہ پیدا نہ ہوگا اور اگر شبہ پیدا ہو جائے تو نعوذ اور لاحول ولاقوۃ پڑھ لیا کریں۔ اس سے بھی خلجان دور نہ ہو تو اٰمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ

والبعث بعد الموت پڑھ لیا کریں۔ اس کے پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور اس کے وساوس اثر انداز نہیں ہوتے ہیں اور ایمان علیٰ حالہٖ باقی رہتا ہے۔

درس ۲

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝

(۱۳ ——— ۲۶)

ترجمہ:

ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے، وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے۔ آبخورے، آفتابی اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا، نہ اس سے ان کو دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا، اور ان کے لئے گوری گوری، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے

حفاظت سے پوشیدہ رکھا ہوا موتی، یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا اور وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بیہودہ بات، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

پہلے کی آیتوں سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اس کا ذکر آیا تھا کہ قیامت کے دن تمہاری تین جماعتیں ہو جائیں گی، ایک داہنے والے، دوسرے بائیں والے اور تیسرے بارگاہِ خداوندی کی طرف سبقت کرنے والے ——— چونکہ سابقین ہی قافلہ اہلِ جنت کے سرخیل ہوں گے، اس لئے ان کا مرتبہ اور ان کی محنتوں کا بدلہ پہلے بیان کیا گیا کہ وہ اللہ کے بہت ہی نزدیک ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جنت النعیم ہوگا، جن باغوں اور جنتوں میں رکھے جائیں گے وہ ان کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے بلند و برتر ہوں گی، میں نے آج جن آیات کی تلاوت کی ہے، ان میں ان ہی کی جنت سے متعلق بعض اشارات ذکر کئے گئے ہیں اور ان کی اجمالی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

اولین و آخرین سے مراد

قرآن نے کہا ثلّۃ من الاولین وقلیل من الاٰخرین۔ لغت میں ثلّۃ ایک جماعت کو کہتے ہیں چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی (۱)، یہ واضح کیا گیا کہ اس مقدس گروہ میں شامل ہونے کی سعادت کن کن لوگوں کو حاصل ہوگی؟ فرمایا کہ ان میں بڑی جماعت تو پہلے والوں کی ہوگی لیکن بعد والوں میں یہ سابقین و مقربین

(۱) روح المعانی ۲۷/۱۳۴۔

تھوڑے ہوں گے، قابلِ غور بات یہ ہے کہ "اولین" سے مراد کون ہیں اور "آخرین" سے مراد کون ہیں؟ اس میں مفسّرین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنی امتیں گذری ہیں یہ "اولین" میں داخل ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قیامت تک آنے والی مخلوق "آخرین" میں داخل ہیں، جب اولین و آخرین سبھوں کو جمع کر دیا جائے تو بلاشبہ انکی تعداد بھی زیادہ ہوگی اور ان میں سابقین بھی زیادہ ہوں گے اور ان کے مقابلہ میں امتِ محمدیہ تھوڑے ہوں گے (۱)

لیکن مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ "اولین" سے مراد بھی امتِ محمدیہ اور "آخرین" سے مراد بھی امتِ محمدیہ ہی ہیں۔ اس کی تائید بعض فرمانِ نبویؐ سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: الثلثان جمیعاً من امتی یہ دونوں ثلثہ میری ہی امت میں سے ہوگی (۲) علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح کی ایک اور روایت نقل کی ہے (۳) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ کلا الثلثین من اُمّۃ محمّد دونوں جماعتیں امتِ محمدیہ میں سے ہوں گی (۴) ان مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ امتِ محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور اس امت کو تمام امتوں میں کہیں اُمّۃً وسطاً کا خطاب دیا گیا ہے اور کہیں خیر امّۃ کا ——— اگر اس امت کے سابقین کی تعداد دوسروں کے مقام میں کم ہو جائے تو پھر ان کو عزت و شرافت و الا رتبہ نہیں ملا۔ اس لئے "اولین" بھی انہیں میں سے ہوں گے اور "آخرین" بھی انہی میں سے ہوں گے، لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ "اولین"

---

(۱) درمنثور ۸/۸۔ (۴) قرطبی ۱۷/۲۰۱

(۲) قرطبی ۱۷/۲۰۱۔

(۳) روح المعانی ۲۷/۱۳۵۔

سے مراد وہ ہیں جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملا ہے اور آخرین سے مراد بعد والی وہ امت ہے جو قیامت تک آنیوالی ہے، حضورؐ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ——————

(بہترین زمانہ میرا ہے، پھر جو اس سے ملے ہوں یعنی صحابہ پھر جو اس سے ملے ہوں یعنی تابعین کا، پھر جو ان سے ملے ہوں، یعنی تبع تابعین۔)

ان میں جو خیر و برکت تھی، جو رحمت تھی وہ بلا شک و شبہ بعد والی امت کو حاصل نہیں ہو سکتی، ان کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لا تمس النار من رانی ومن رای من رانی۔ — جس نے مجھے (بحالتِ ایمان) دیکھا اور میرے دیکھنے والے کو (بحالتِ ایمان) دیکھا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

❊ ❊ ❊

جنہوں نے ایمان کے ساتھ مجھے دیکھا اور جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے ان کو جہنم کی آگ چھو کر بھی نہیں گذرے گی۔ یاد رکھو! کہ یہاں چھونے کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جہنم میں ان کا داخلہ تو درکنار، آگ ان کو چھوئے گی بھی نہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنتوں کے فیصلے فرما دیئے ہیں اور تمام صحابہ کے بارے میں اللہ نے قرآن میں وعدہ فرمایا کہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

درجہ بدرجہ افضلیت و برتری

غرض مفسرین اور سلفِ صالحین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ دونوں جماعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوں گے۔ پھر ان میں

بھی درجہ بدرجہ افضلیت و برتری اور تفاوت و تفاضل ہوگا۔ سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہوں گے، ان کے بعد عشرۂ مبشرہ ہوں گے کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں اپنی زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت دے دی تھی، ان کے بعد وہ صحابہ افضل ہوں گے جن کو اللہ نے بدر میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا، ان کے بعد وہ صحابہ ہوں گے جنہوں نے احد میں شرکت کی تھی، ان کے بعد وہ صحابہ ہوں گے جن کو صلح حدیبیہ کے موقع پر اللہ نے "بیعت الرضوان" کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا اور ان کے بعد وہ صحابہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی، رضوان اللہ علیہم اجمعین

مشاجراتِ صحابہ میں رائے زنی کی ممانعت

تاہم صحابہ کرامؓ سے بشریت کی بناء پر غلطیاں بھی سرزد ہوئیں بعض مواقع پر آپس میں اختلافات بھی ہوئے لیکن وہ اپنی نیتوں میں، اپنے ارادوں میں اتنے صادق و مخلص، اتنے پکے مومن اور رسولؐ کے ایسے عاشق صادق تھے کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا: اگر دو صحابی لڑتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل بھی کر دیں تب بھی ان دونوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ چوں کہ ان کی نیتوں، ان کے ارادوں میں کوئی کھوٹ، کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں تھا، ان کی لڑائیوں میں حبِ جاہ نہیں تھی نہ ان کے جھگڑوں میں اقتدار طلبی تھی نہ ان کے آپسی اختلافات کی بنیاد زن، زر اور زمین کا کوئی مسئلہ... تھا، ان سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی، اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ اَب اہلِ سنت والجماعت کا مشاجرات صحابہ کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ قیامت تک امت کے کسی فرد کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کا جب بھی ذکر کرنا خیر کے ساتھ ذکر کرنا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ بعض لوگ

میرے صحابہ کو برا بھلا کہیں گے، میرے صحابہ کی شان میں گستاخانہ باتیں زبان سے نکالیں گے۔ خبردار! ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھنا، ان کے ساتھ نشست و برخاست میں احتیاط برتنا اور قرابت داری و رشتہ داری قائم کرنے سے اجتناب کرنا، ایسے لوگ اس روئے زمین پر اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں گے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیٰ شرکم۔ (۱)	جب تم دیکھو کہ لوگ میرے صحابہ کو گالیاں دے رہے ہیں تو کہو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور اللہ نے جہاں یہ ارشاد فرمایا کہ میری اطاعت کرو اور میرے پیارے رسول کی تابعداری کرو (۲)، جس نے میرے رسول کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی (۳)، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر ایمان پر قائم رہنا چاہتے ہو، جنت میں شاداں و فرحاں اور کامران ہو کر جانا چاہتے ہو تو تم بھی ویسا ہی ایمان لاؤ جیسا کہ صحابہ ایمان لائے تھے اٰمنوا کما اٰمن الناس (۴)، حضراتِ صحابہ ایمان کا کامل نمونہ ہیں۔ بہت سی آیاتِ قرآنیہ میں ان کے ایمان کی شہادت خود خداوند قدوس نے دی ہے۔ کہیں فرمایا:

اُولٰئك کتب فی قلوبهم الایمان۔ (مجادلہ/۲۲)	یہی لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان راسخ کر دیا۔

اور کہیں فرمایا کہ:

---

(۱) ترمذی عن ابن عمر ۲/۲۲۵۔ باب ما جاء فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) انفال/۲۰۔

(۳) نساء/۸۰ (۴) بقرہ/۱۳۔

اولئکَ ھُم المؤمنونَ حقاً۔ (انفال/۴، ۷)

اے محمد! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری جماعت والے پکے مؤمن ہیں۔

اور کہیں فرمایا کہ:

اُولٰئک ھُم المفلِحُون۔ (لقمان/۵)

فلاح والی جماعت اگر کوئی ہے تو وہ اصحاب مصطفےٰ کی ہے۔

اور کہیں فرمایا کہ:

اُولٰئک ھم الفَائزون۔ (نور/۵۲)

یہی لوگ (یعنی صحابہ) کامیاب ہیں۔

اور کہیں فرمایا کہ:

من یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مَصیراً۔ (نساء/۱۱۵)

جو شخص رسُول کی مخالفت کریگا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ جانے کی بُری جگہ ہے۔

⁂

اتنی بڑی پاک جماعت میں سبقت کرنیوالوں کی تعداد زیادہ ہو تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے مفسّرین نے کہا کہ ثلّۃ من الاوّلین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملا اور ثلّۃ من الاٰخرین سے قیامت تک آنے والے لوگ مراد ہیں۔

جنتیوں پر انعامات و نوازشیں

اگلی آیتوں میں اللہ نے جنتیوں کے انعام و اکرام کا ذکر کیا کہ جنت میں

انہیں کیا کیا چیزیں ملیں گی، ارشاد فرمایا کہ :

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے

موضونۃ کے معنیٰ ہیں بنا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ سونے کے بنے ہوئے تخت ہوں گے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سونے، موتی اور یاقوت سے جالدار بنائے گئے ہوں گے، مشہور مفسر ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ تخت نیچے سے سونے اور جواہرات جڑے ہوں گے اور ان کے اوپر نہایت عمدہ بستر ہوں گے (۱)۔ ایسے تختوں پر تکیہ لگائے یہ خوش نصیب جنتی ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے تاکہ کسی کی طرف دوسرے کی پیٹھ نہ ہو۔ اس سے جہاں جنت کی بے پناہ وسعت و کشادگی ظاہر ہوتی ہے کہ اس کثرت کے باوجود اس وسیع مقام میں سب لوگ ایک دوسرے کے بالکل روبرو ہوں گے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو قدرت نے نہایت ہی دل فریب، دل کش اور خوش وضع بنایا ہے۔

ان جنتیوں کی خدمت کے لئے خدام بھی بہ کثرت ملیں گے، ان کا حال یہ ہوگا کہ بعض روایتوں میں ہے۔ ایک ایک مؤمن کو ستر ستر ہزار خادم ملیں گے اور بعض مؤمنوں کی خدمت کے لئے تو اس سے بھی زیادہ خدام اور نوازشیں ہوں گی۔ کیونکہ ایمان جتنا پختہ ہوگا اسی قدر جنت میں ترقیاں ملیں گی۔

جنت میں پہلے جانے والے

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ سابقون میں حضرت عمر کو سب سے پہلے

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۵۸۔

نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا، ایک صحابی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ جنت کا پروانہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ملے گا تو پھر حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ کیا ہوگا؟ کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ تو حضرت عمر سے بھی افضل ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ تم عجیب آدمی ہو۔ تم ابوبکرؓ کے بارے میں پوچھتے ہو، ان کے مراتب کا کیا کہنا؟ حضرت عمرؓ کو تو ابھی نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں مل ہی رہا ہوگا اور فرشتے ابوبکرؓ کو دولہا بنا کر جنت میں لے جا چکے ہوں گے۔

اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن کے بارے میں جبرئیلؑ آپؐ کو یہ کہنے کے لئے اتریں کہ آپ کے ربّ نے آپؐ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کے رب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میری طرف سے ابوبکرؓ کو بھی سلام کہدیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا یہ پیغام حضرت ابوبکر تک پہنچا دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے عرش پر میرا نام لیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تیرا نام لے کر سلام بھیجا ہے اور یہ پوچھا ہے کہ ابوبکر میں تم سے راضی ہوں، کیا تم بھی اپنے خدا سے راضی ہو؟ سچ ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اَب اتنے بڑے مرتبے کا کون تصور کر سکتا ہے؟ اسی لئے آپؐ نے فرمایا تھا کہ جتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ان کے احسان کا بدلہ تو اتار چکا، مگر ابوبکرؓ کے احسانوں کا بدلہ نہیں اتار سکا۔ بارگاہِ خداوندی میں بروزِ قیامت یہ سفارش کروں گا کہ اے اللہ ان کے احسانات کا بدلہ انہیں عطا فرمادے ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

. . . . . .

نوعمر لڑکے ہر وقت حاضر باش ہوں گے

آگے ان جنتیوں کے سامانِ ضیافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ، بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ° غلمان و نوعمر لڑکے انکی خدمت گذاری میں مشغول ہوں گے جو عمر میں ویسے چھوٹے رہیں گے، نہ بڑے ہوں گے اور نہ بوڑھے ہوں گے۔ نہ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل آئے گا، قدرتی چشمۂ شراب سے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ کم ہوں گے، یہ نو عمر لڑکے اور گل اندام ساقی چھلکتے ہوئے جام، جگ و پیالے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لئے ہوئے ادھر ادھر گشت کر رہے ہوں گے۔ یہ سب اہل جنت کی خوشی کے لئے ہوگا ورنہ اگر اہلِ جنت چاہیں تو شراب بھرا پیالہ خود بخود انکی خدمت میں آجائے گا، لیکن زینت و آرائش اور خوشی کے طور پر اللہ نے یہ کام نوعمر لڑکوں کے حوالہ کیا ہے۔

چونکہ خدمت کے لئے ایک خاص عمر کے لڑکے ہی موزوں ہوتے ہیں جو خوش آداب بھی ہوں، مستعد و سرگرم بھی ہوں، اس لئے اللہ ان کو ہمیشہ ایسا ہی رکھے گا۔ ان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوگی اور مزاج شناس خادم ہی اپنے مالک کی بہتر سے بہتر طریقہ پر خدمت کر سکتا ہے۔ اس لئے جو لڑکے جن کے ساتھ لگا دیئے جائیں گے وہ برابر ان ہی کی خدمت میں لگے رہیں گے، اس میں بھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہی "مخلدون" کا مفہوم ہے۔

کیا جنتیوں کے خدام کفار کے بچے ہوں گے؟

قرآن کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور راجح تحقیق بھی یہی ہے

کہ حوروں کی طرح یہ غلمان بھی جنت ہی میں خاص اس مقصد کیلئے پیدا ہوئے ہوں گے اور یہ سب اہلِ جنت کے خادم ہوں گے، لیکن بعض لوگوں کی رائے اسکے برعکس ہے، حضرت علیؓ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ نوخیز لڑکے مسلمانوں کی وہ کم عمر اولاد ہوں گے، جنہوں نے نیک یا بد کچھ بھی عمل نہ کیا ہوگا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ کفار کے بچے جو نابالغی ہی میں وفات پا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انکو اہلِ جنت کی خدمت میں لگا دیگا (۲)، اس رائے کے حق میں اگرچہ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں ملتا، لیکن کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو اس کے خلاف ہو، اس لئے کہ کفار کے دوزخ میں جانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کفار کے بچوں کے دوزخ میں جانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اولاد الکفار خدم اھل الجنۃ (۳) کفار کی اولاد اہلِ جنت کے خادم ہوں گے۔

تاہم یہ بھی ضرور یاد رہے کہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ اس خدمت میں ہی لگائے جائیں، وہ بڑا رحیم ہے، اس کی جنت بہت ہی وسیع اور کشادہ ہے ممکن ہے اپنی بے پایاں رحمت سے ان کو بے گناہی کے بدلہ میں جنت میں بھی داخل فرمادے

جنتی شراب دنیوی شراب سے جداگانہ ہوگی

آگے ارشاد ہوا لا یصدعون عنھا ولا ینزفون ۝ کہ یہ نوخیز اور گل اندام ساقی جس شراب کو پلائیں گے وہ ایسی نہیں ہوگی کہ جس سے کوئی نقصان ہو۔ نہ اس سے دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے قے ہوگی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے

---

(۱) درمنثور ۹/۸۔ قرطبی ۶۰۳/۱۷۔

(۲) روح المعانی ۱۳۶/۲۷۔

(۳) حوالہ سابق۔

فرمایا کہ دنیاوی شراب میں چار طرح کا نقصان ہوتا ہے۔ ایک تو نشہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے عقل وہوش خراب ہو جاتے ہیں، شراب پینے کے بعد انسان انسانیت سے گر کر حیوانیت کے سفلی درجہ پر اُتر آتا ہے، آدمی اپنے حدود انسانیت سے گر جاتا ہے، اسی لئے اللہ نے تمام مسکرات کو حرام قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ اس کا قلیل وکثیر سب حرام ہے، بلکہ قرآن پاک نے تو کہا ہے جیسے مردار کا گوشت نجس اور حرام ہے ایسے ہی شراب بھی حرام ہے۔ چاہے شراب کا آپ جو بھی نام رکھ لیں۔ شریعت کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ بعض بے دین اور دہریہ قسم کے لوگ، کمیونزم کے مارے ہوئے، غیر اسلامی لٹریچر پڑھنے والے اور یہودیت وعیسائیت سے متأثر ہونے والے لوگ کبھی یہ کہا کرتے ہیں کہ میں اگر شراب پیتا ہوں تو بھی جناب مجھے نشہ نہیں آتا۔ میرے عقل وہوش سلامت رہتے ہیں۔ حرام تو وہ ہے جو نشہ پیدا کر دے، عقل وہوش ختم کر دے۔ اسلئے یہ حلال ہونا چاہیئے؟

یاد رکھیں! ان کی یہ بات شریعت اسلامیہ سے دوری اور کم عقلی وکم فہمی پر مبنی ہے۔ مسکر اور نشہ آور کے معنی یہ نہیں کہ جو بھی پیئے، اسے نشہ آ ہی جائے۔ اس لئے کہ جو لوگ نشہ کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کو نشہ آتا ہی نہیں ہے، ان کے اندر قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے اور قوتِ مدافعت نشہ کو روک دیتی ہے۔ ایسے ہی جیسے کہ بعض آدمی نیند کی ایک گولی بھی کھا سکتے اور بعض لوگ چار چار گولیاں تک کھا جاتے ہیں اور ہضم کر جاتے ہیں۔ بعض اس سے زائد بھی کھا لیتے ہیں، کسی قسم کا نقصان دہ اثر خشکی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی ہے۔ یہ اسی لئے کہ وہ کھانے کے عادی ہوتے ہیں بلکہ مسکر اور نشہ آور کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص جس نے کبھی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی ہو۔ اگر اس کو

پلا دیا جائے تو اس کو نشہ آ جائے۔ اس میں اپنی حقیقت کے اعتبار سے نشہ لانے کی صلاحیت ہو، ایسے تمام ہی مسکر کو حدیث و قرآن میں حرام کہا گیا ہے۔

آمدم برسرِ مطلب

بہرحال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ دنیا کی شراب میں چار خرابیاں ہوتی ہیں، ایک تو نشہ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ دوسرے دردِ سر ہوتا ہے، جس کو خمار کہتے ہیں اور یہ ہر شراب کے پینے پر آدمی کو ہو جاتا ہے تیسرے شرابی کو شراب پینے کے بعد قے آتی ہے، نشہ سے بدمست ہو جاتا ہے، چوتھے بدبودار پیشاب آتا ہے، گندہ پسینہ آتا ہے۔ اس لئے کہ دنیاوی شراب اول تو بدمزہ ہوتی ہے، تلخ ہوتی ہے۔ دوسرے اگر ذرا بھی زیادہ ہو گئی تو اس کے غلیظ بخاروں اور گرمیوں سے پیٹ میں آتشیں کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بار بار پیتے ہیں جس میں اور بھی زیادہ بخارات پیدا ہوتے ہیں اور نتیجۃً شرابی قے کرنے لگتا ہے۔ جو بخارات اور گرمیاں دماغ تک پہونچتی ہیں اس سے دردِ سر ہو جاتا ہے۔ اس کے پسینہ سے پورا بدن گندہ ہو جاتا ہے۔

برخلاف جنت کی شرابوں کے، کہ وہ ایسی نہیں ہوں گی، خداوند قدوس نے فرمایا کہ میرے بندو! وہاں دنیا والی نجس و ناپاک شراب نہیں ہوگی، وہاں تو شراباً طہوراً ہوگی۔ وہاں جو کچھ مومن کھائے گا، ان کو بدہضمی یا گرانی نہیں ہوگی قدرتی چشمۂ شراب سے جس قدر چاہے گا پیتا رہے گا، کبھی بھی اس سے نہ دردِ سر ہوگا، نہ قے کریں گے اور نہ ہی نشہ سے بدمست ہوں گے، نہ ہی عقل و ہوش ختم ہوگی۔ بلکہ ان کے ہوش و حواس، عقل و دانائی بدستور قائم رہیں گے اور شراب سے جو لذت مقصود ہوتی ہے، وہ ان کو بھی حاصل ہوتی رہے گی، اسلئے

کہ جنت خود بھی پاک جگہ ہے اور وہاں کے لوگ بھی پاکیزہ ہوں گے، وہ جگہ تو اتنی پاک ہوگی کہ دنیا میں جو پیشاب اور فضلات جسم سے دور کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، وہاں یہ بھی نہیں ہوگی۔ دنیا میں جو حیض عورتوں کو ہر ماہ آیا کرتا ہے، اس سے وہ وہاں پاک ہوں گی، بلغم اور تھوک پیدا نہیں ہوں گے، وہ جتنی بھی شراب پئیں گے، غذائیں کھائیں گے، ایک پسینہ کے ذریعہ اللہ سب کچھ ہضم کرا دیگا وہاں اللہ جو بھی دے گا وہ طاہر و پاکیزہ ہوں گی۔

من پسند پھل

جنت کی ہی نعمتوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آگے ارشاد ہوا وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ کہ قسم قسم کے میوے انہیں ملیں گے، جس میوے کو جی چاہے ان کے سلیقہ مند خدام وہ پھل لے کر ہر وقت ان کے اِرد گرد گھومتے رہیں گے تاکہ جس چیز کی جب بھی خواہش ہو، اپنی خواہش کے مطابق کھا سکیں۔ "يَتَخَيَّرُوْنَ" کا صیغہ خود استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہوگا کہ ایک مرتبہ پسند کیا تو ملے گا اور دوسری مرتبہ پسند کرنے پر نہیں ملے گا، بلکہ جب بھی چاہیں گے، ان کے لئے تیار ہوگا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ دنیا میں پھل موسم کے تابع ہوتا ہے کہ ایک پھل ایک موسم میں ملتا ہے دوسرے موسم میں نہیں ملتا ہے، بعض پھل گرمیوں میں ہوتے ہیں تو سردیوں میں نہیں اور بعض پھل سردیوں میں ہوتے ہیں تو گرمیوں میں نہیں، لیکن جنت میں ہر چیز انسان کے تابع ہوگی، جس چیز کی وہ تمنا کرے گا وہی ملا کرے گی، جب بھی جس پھل کی انسان کو خواہش اور تمنا ہوگی وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوگا، دنیا میں پھلوں کو توڑنے کے لئے درخت پر

چڑھنا پڑتا ہے، ان کے کانٹوں کے چبھن کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، پھل توڑنے کے لئے کھونٹیاں بنانی پڑتی ہیں، کھانے سے پہلے ان پھلوں کو دھونا پڑتا ہے، گرد و غبار صاف کرنا پڑتا ہے لیکن جنت میں اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑیں گے۔ وہاں تو عالم یہ ہوگا کہ مؤمن اپنے تخت پر بیٹھا لیٹا ہوگا، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے درخت کی طرف اشارہ کرے گا۔ درخت خود بخود جھک کر مومن کے پاس آجائے گا، وہ درخت کے پاس چل کر نہیں جائے گا، وہاں یہ ندا آئے گی کہ تم نے خدا کے سامنے جھکنا سیکھا تھا۔ اپنی پیشانیاں تم نے دربارِ خداوندی میں جھکایا تھا۔ آج سب کی سب نعمتیں تیرے قدموں میں جُھکیں گی، ہر طرح کی نعمتیں تمہارے لئے حاضر ہیں۔ اللہ نے ایک بار نہیں بار بار قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم صرف میرے آگے جھکو اور گردن کو جھکاؤ، میں تمہاری کفایت کروں گا اور دنیا کی نعمتیں تیری قدموں میں ڈالونگا۔ جن لوگوں نے آپؐ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیا، اللہ نے دنیا کے اندر بھی کائنات کی تمام نعمتیں ان کے دروازوں پر حاضر کر دیں۔ اور اس وقت بھی آپ نے بڑے بڑے علماء، اولیاء اور بڑے بڑے فقیروں کو دیکھا ہوگا، ایسے ایسے دیہاتوں میں رہتے ہیں جہاں تک جانے کا راستہ بھی نہیں ہوتا وہاں پہونچنے کا راستہ بھی نہیں ہوتا۔ وہاں پہونچنے کے وسائل بھی نہیں ہوتے ہیں، وہاں بھی اللہ تعالیٰ ان کو وہ نعمتیں پہنچا دیتے ہیں جو بڑے سے بڑے آدمی کو بھی میسر نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت مریمؑ زکریا علیہ السلام کی زیر پرورش تھیں تو تمام دروازے بند ہونے کے باوجود بھی اللہ انہیں رزق اور پھل پہنچاتے تھے، یہ اس بات کے دکھانے کے لئے کہ جو اللہ اس دنیا میں اس

پر قادر ہے، وہی ان نعمتوں کے دینے پر آخرت میں بھی قادر ہے۔

من چاہا گوشت

پھر فرمایا وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ کہ طرح طرح کے پرندوں کے جس طرح کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو، جنتیوں کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا اور ان کے خدام گوشت لئے ہر وقت ان کے ارد گرد گھوم پھر رہے ہونگے یہاں تک کہ اہلِ جنت ایک خوبصورت پرندہ کو اُڑتے ہوئے دیکھیں گے تو اس جنتی کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ یہ پرندہ بہت خوبصورت ہے۔ اس کا گوشت بھی اعلیٰ قسم کا ہوگا، اس کا کباب بھی کیا عمدہ ہوگا؟ بس یہ خیال آتے ہی اسی وقت اس کا کباب بن کر آجائے گا۔ صرف تمنا کرنے کی دیر ہوگی۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس چیز کا ذکر قرآن کرے اس میں حکمت ہوتی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی فضیلت ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن نے جو پرندوں کے گوشت کا ذکر کیا ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی خاص فضیلت ضرور ہے، اگر فضیلت نہ ہوتی تو اللہ اپنے مقرب بندوں کے لئے اس کا ذکر نہ فرماتے، مقامِ احسان اور مقامِ تعریف میں ذکر کیا جانا ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے جن جن کا نام لیا ہے وہ پھل تمام پھلوں سے افضل ہیں اور جن آدمیوں کا نام لیا ہے وہ تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور جن جگہوں کا نام لیا ہے وہ تمام جگہوں سے افضل ہیں۔ اللہ نے کعبہ کا نام لیا تو کعبہ یونہی کرۂ ارض سے افضل، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ کا ذکر قرآن میں آیا ہے تو یہ بھی تمام مسجدوں میں افضل، شہروں میں مکہ کا نام لیا تو وہ بھی سارے شہروں میں افضل، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے جن انبیاء کا قرآن نے نام لیا ہے وہ سب سے

افضل ہیں اور پھر جن کو "اُولوالعزم من الرسل" کہا ہے، تورات، زبور، انجیل کا ذکر کیا ہے تو وہ بھی قرآن کے سوائے تمام کتابوں سے افضل ہیں اور قرآن اس سے بھی افضل ہے۔

اس فلسفہ سے معلوم ہوا کہ جن اشیاء کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا ہے مثلاً فیھما فاکھۃ ونخل ورمّان میں پھل، کھجور اور انار کا نام لیا گیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ پھل بھی افضل ہیں ——— یہاں پرندوں کے گوشت کا ذکر آیا ہے۔ ضابطۂ خداوندی کے مطابق پرندوں کا گوشت بھی افضل ہے اور گوشت کی تمام اقسام میں سب سے بہتر ہے۔

.....ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ "کوثر" سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہٗ نے مجھے عطا فرمائی ہے، جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے، اس کے کنارے بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرندے ہونگے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ وہ پرندے بڑے مزے میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کا کھانے والا اس سے زیادہ مزے میں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جنت میں ایک پرندہ ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں، وہ جنتی کے دسترخوان پر آئے گا، وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑائے گا، ہر پر سے اس کی ایک قسم نکلے گی جو دودھ سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھی ہوگی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کے راوی رصافی اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں (۱)

حضرت کعب بن مالک سے منقول ہے کہ جنت کے پرندے ایسے

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۸۔

ہیں جیسے بختی اونٹ ہوتے ہیں، وہ جنت کا پھل کھائیں گے، جنت کی نہروں سے پانی پئیں گے، پھر صفیں باندھ کر جنتی کے آگے کھڑے ہو جائیں گے۔ جنتی جس پرندے کو پسند کرے گا وہ اس کے سامنے آجائے گا اور جتنا چاہے گا مومن اس پرندے کو باہر سے بھی اور اندر سے بھی اپنی پسند کے مطابق کھالے گا، اس کے بعد وہ پرندہ زندہ ہو کر اڑ کر چلا جائے گا، گویا کہ اس کو کچھ ہوا ہی نہیں ہے(۱)

جنت کی صفتیں اور خصوصیتیں بیان کرنے میں حضرت کعب احبار سے بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔ حضرت کعب پرانی کتابوں کے جاننے والے تھے پرانی کتابیں انہوں نے پڑھی تھیں تو کچھ باتیں تورات سے لے لیں اور کچھ انجیل سے لے لیں، عبرانی و سریانی زبان بھی جانتے تھے۔ اس لئے جنت کی صفت بیان کرنے میں سابقہ روایات سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، مقصد جنت کی فضیلت بیان کرنا ہوتا تھا، بندگانِ خدا کو شوق دلانا ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جنت کی نعمتیں ذکر کرنے میں بعض آثار و روایات کمزور بھی نقل کر دی جاتی ہے۔

اس لئے حضرات علماء حضرت کعب کے آثار کو زیادہ نہیں لیتے۔ علماء ایسے مواقع پر کہتے ہیں کہ کعب تک تو یہ باتیں صحیح ہیں؟

غرضیکہ جنتیوں کو پرندوں کا گوشت ملے گا اور جو گوشت چاہیں گے وہ ملے گا حدیث میں آتا ہے کہ جنتی جس وقت کسی پرندے کے گوشت کی طرف رغبت کریں گے تو اس کا گوشت جس طرح کھانے کی رغبت دل میں آئے گی کہ کباب ہو یا دوسری طرح کا پکا ہوا ہو، اسی طرح کا فوراً تیار ہو کر اس کے سامنے آجائے گا ——— کیوں کہ اللہ نے اہل جنت کے لئے وعدہ

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۸۔

کر رکھا ہے کہ جب ایک جنتی کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے آکر خوشخبری دیتے ہیں کہ اے مؤمن! خوش ہو جا، اس جنت کی خوشخبری لو، جس کا اللہ نے تجھ سے وعدہ کیا تھا (۱)، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں من چاہی اور من پسند چیزیں ملیں گی۔ یہ اللہ کی طرف سے تمہاری مہمانی ہوگی، وہاں تیرا اکرام و اعزاز ہوگا (۲)

غزال چشم حُورِیں:

وحُورٌ عین کہ جنتیوں کے لئے سفید رنگ والی بڑی آنکھوں والی حوریں ملیں گی اس لئے کہ کھانے پینے کی ساری لذتیں انسان کے لئے بالکل ناقص و ادھوری ہیں۔ جب تک ان میں بیوی شریک نہ ہو جس کو اللہ نے اس کے لئے راحت و آرام اور چین و سکون کا سرمایہ بنایا ہے، جس طرح انسان اس دنیا میں رنج و راحت، خوشی و غم میں شریک کا محتاج ہوتا ہے، جس کے بغیر اس کی زندگی سونی سونی سی رہتی ہے ..... اسی طرح اگر حوریں نہیں ملتیں۔ اس جنت میں اگر کوئی شریک حیات نہیں ملتی تو جنت کی لذتیں اور آسائش و آرائش ادھوری رہ جاتی، اسی لئے اللہ وہاں جنتیوں کو بڑی بڑی اور خوب سیرت اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں عطا فرمائے گا۔

پوشیدہ موتیوں جیسی حوریں

آگے انکی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کامثال اللؤلؤ المکنون ٥ وہ اتنی پاک اور صاف و شفاف اور گوری و اچھوتی ہوں گی، جیسی چمک دمک اور صفائی و ستھرائی سیپ میں چھپے ہوئے موتی میں ہوتی ہے، حضرت عبداللہ

---

(۱) فصلت، آیت: ۳۰۔ (۲) فصلت: ۳۲۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح سیپیوں میں موتیاں آب وتاب کے ساتھ چمکتی رہتی ہیں اور اس کو کوئی انسان نہیں چھو پاتا ہے۔ اسی طرح حوریں بھی آب وتاب کے ساتھ چمک رہی ہوں گی اور انسان کے ہاتھوں سے محفوظ ہوں گی (۱) دوسری جگہ قرآن میں فرمایا گیا کہ:

کأنھن بیض مکنون۔ (صافات/۴۹) گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔

اللہ نے انڈے کی حفاظت کے لئے کس طرح کا محفوظ پردہ بنا رکھا ہے اس کو توڑ کر دیکھیں تو اندر ایک باریک سی جھلی نظر آئے گی تاکہ انڈے کی مکمل حفاظت ہو۔ ذرا غور کریں کہ اس کی حفاظت کے لئے کیسی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں۔ اللہ نے ان حوروں کو بھی اس طرح کی حفاظت فرما رکھی ہے۔ حوروں کی صفتیں بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرمایا:

لم یطمثھن انسٌ قبلھم وہ حوریں ایسی ہیں جن کو نہ کسی جن نے چھوا
ولا جان۔ (رحمٰن/۵۶) ہوگا اور نہ ہی کسی انسان نے۔

یہ حوریں اور عورتیں قیمتی چیز ہیں۔ قیمتی چیز ہمیشہ چھپا کر رکھی جاتی ہے۔ قیمتی چیز کو کوئی سڑک پر لاکر نہیں ڈالتا۔ کیا کبھی کسی نے پیسہ سڑک پر لاکر رکھا ہے کبھی سونے چاندی کا زیور سڑک پر لاکر رکھا ہے، ان کیلئے تو تجوریاں بنا رکھی ہیں کہ ان کے کوڈ نمبرات بھی تمہارے سوا کوئی آدمی نہیں جانتا، بھلا یہ کونسی عقلمندی ہے کہ دنیا کی دولت جو ہاتھوں کا میل ہے، اس کو تم اتنا چھپا کر رکھو اور میں نے تمہیں جو قیمتی دولت دی ہے اس کو گلیوں میں، ہوٹلوں میں اور سڑکوں پر پھرا رہے ہو، اصل میں جو چیز حفاظت کی تھی، اس کی تم نے حفاظت نہیں کی اور جو حفاظت کی چیز نہیں تھی، اس کی تم نے بہت حفاظت کی، اور اس کو ہر ایک سے چھپائے رکھا۔

---

(۱) درمنثور ۸/۱۱۔

قرارت کا فرق

حُورٍ عین کی قرأت میں قرار کے دو اقوال ہیں، ایک "ر" کے زیر کے ساتھ خورٍ عینٍ، دوسرے "ر" کے پیش کے ساتھ حُورٌ عینٌ۔ اگر پیش کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی۔ زیر کے ساتھ ہو تو یطوف علیھم ولدان مخلدون باکواب واباریق وکأسٍ من معینٍ وفاکھۃ ممّا یتخیرون ٥ ولحم طیر ممّا یشتھون پر عطف ہوگا اور مطلب ہوگا کہ شراب سے بھرا جام، میوے اور پرندوں کے گوشت کے ساتھ ساتھ یہ غلمان اور نوعمر بچے اپنے ساتھ حوریں بھی لئے ہوئے ہوں گے۔ اہلِ جنت کے محلوں میں، خیموں میں ان کی حوروں اور بیگمات کو پہونچا دیں گے۔ ہاں یہ نہیں ہوگا کہ برسرِ عام لوگوں کے سامنے ان کی بیگمات کو لے کر پھریں گے[1]! ان کے پہنچانے کا مقصد یہ ہوگا کہ جیسے دنیا میں خدام بیگمات کو پہنچاتے ہیں، اسی طرح جنت میں بھی وہ خدام بیگمات کو ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ میں منتقل کرنے کا کام کریں گے۔ غرض کہ جنت میں مؤمن کو ملنے والی حوریں صفائی وسفیدی، چمک ودمک اور حفاظت ہر اعتبار سے موتی کی مانند ہوں گی۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں، بیشمار مقامات پر ان حوروں کو تشبیہ دیکر سمجھایا گیا۔ کہیں تو فرمایا کہ:

فیھن خیرات حسان (۲) ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی

کہیں فرمایا کہ:

کانھن الیاقوت والمرجان (۳) گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۸۔
(۲) رحمٰن/۷۰ (۳) رحمٰن/۵۸۔

یہ نیک اعمال کا بدلہ ہوگا

آگے ارشاد ہوا: جزاءً بما کانوا یعملون ۝ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو نعمتیں ہم مؤمنوں کو دیں گے، یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے یہ تحفے انکی حسنِ کارگذاری کا انعام ہے۔

یاد رکھو! یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ سب کچھ دیکر کہہ رہے ہیں کہ یہ تو تیرے عمل کا بدلہ اور صلہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں، رحمتوں کے سامنے انسان کے اعمال کچھ بھی نہیں۔ اگر انسان کے بالوں کے برابر بھی اللہ زبانیں عطا فرمادیں اور صدیوں کی عمر بھی دیدی جائے تو تم صرف ایک سانس کی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتے ہوا بھی تو ہماری سانسیں چل رہی ہیں لیکن جب سانس بند ہوجائے تو آکسیجن کے لئے دوڑ دھوپ شروع ہوجاتی ہے اور پھر آلات اور مشینوں پر نظریں لگ جاتی ہیں۔ اگر اس وقت مریض سے کوئی کہے کہ ایک منٹ کے لئے تمہاری سانس جاری رہ سکتی ہے لیکن تمہیں ایک منٹ کا ایک لاکھ روپیہ دینا ہوگا تو وہ بخوشی تیار ہوجائے گا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ ایک منٹ میں کچھ بھی نہیں ہوگا پھر بھی یہ سوچ کر بخوشی تیار ہوجاتا ہے کہ چلو ایک منٹ کی زندگی تو میسر آجائے گی۔

اس لئے یاد رکھیں کہ ہمارے جسم کے تمام بال زبان بن جائیں اور ہمیں صدیوں کی عمر دیدی جائے تو پانی کے ایک گھونٹ کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتے، پانی، مٹی، آگ، ہوا، زمین آسمان وغیرہ کن کن نعمتوں کا ہم شکر ادا کرسکتے ہیں، یہ تو اللہ اپنی رحمت سے جنتیں عطا فرمائے گا اور کہے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔

وہاں ناشائستہ باتیں نہیں ہوں گی

جنتی جنت میں لغو بے ہودہ، بے معنی، خلافِ طبع کوئی بات نہ سنیں گے اور برائی کا ایک لفظ بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گا۔ جنت میں جب بھی ذکر ہوگا خیر کا ہوگا۔ جب بھی بات ہوگی خیر کی ہوگی۔ دنیا کی طرح نہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ محلوں اور بڑے بڑے خاندانوں میں بھی کوئی نہ کوئی غلط بات ہو ہی جاتی ہے، بیوی سے جھگڑا ہو جاتا ہے، کبھی کسی نے گالی دیدی، کبھی کسی نے بُرا بھلا کہہ دیا، کسی کی شکایت کردی، کسی کی غیبت کر دیا، قرآن نے صاف لفظوں میں صراحت کر دیا کہ:

لایسمعون فیھا لغواً ولا تاثیماً — وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ بیہودہ بات،

جنت ان سارے عیوب و نقائص سے پاک ہوگی۔ مومن کو نہ جسم میں تکلیف پہونچے گی اور نہ روح سے، نہ کان سے اور نہ آنکھ سے۔ غرض کسی چیز سے جنتی کو تکلیف نہیں پہونچے گی، وہاں نظر ڈالے گا تو سبزے پر نظر پڑے گی۔ کبھی ولدان مخلدون (نوخیز لڑکوں) پر پڑے گی، کبھی پھلوں پر کبھی پرندوں کے گوشت پر اور کبھی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں پر نظر پڑے گی۔

ہر طرف ـــــ سلام ہی سلام

ارشاد فرمایا کہ: الاقیلاً سلاماً سلاماً۔ ہر طرف سے سلام ہی سلام کی صدا سنائی دے گی، ہر طرف سے مؤمن کے لئے سلامتی ہی سلامتی کی آواز آئے گی، وہاں ان کے لئے خیر ہی خیر، رحمت ہی رحمت اور سلام ہی سلام ہوگا۔ علماء کرام نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنتی ایک

دوسرے کو سلام کہیں گے۔ فرشتے جنتی کی خدمت میں سلام پیش کریں گے، اللہ بھی ان سے سلام کہے گا! گویا رب غفور ورحیم کی طرف سے بھی سلام، فرشتوں کی طرف سے بھی، ساتھیوں کی طرف سے بھی سلام!! صبح بھی سلام اور شام بھی سلام، ہر طرف سلام ہی سلام کا منظر ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تحیتھم فیھا سلام ان کا تحیہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں السلام علیکم کہتے ہیں اور وہاں سلامٌ علیکم کہیں گے۔ بہرحال یہ یاد رکھو کہ زندگی میں بھی مؤمنوں کا ادبِ ملاقات یہی ہے، مرنے کے بعد بھی یہی ہوگا۔ زندگی میں بھی السلام علیکم اور مرنے کے بعد بھی السلام علیکم ہوگا۔

جنت ــــ صبر کا بدلہ

دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جنتی کے پاس فرشتے گروہ در گروہ جنت کے ہر دروازے سے آئیں گے اور کہیں گے کہ:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد:۲۴)

تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اس صبر کے بدلہ جو تم نے دنیا میں کیا۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت میں واویلا نہ کرے، نہ سینہ پیٹے، نہ کپڑے پھاڑے، نہ سر پر مٹی ڈالے بلکہ راضی برضا ہو اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہے۔ اسی طرح معاشرہ میں اباحیت وعریانیت اور فحاشی وبے حیائی عام ہے۔ صنفِ نازک بازاروں میں، سڑکوں پر، پارکوں میں، گلیوں میں بے پردہ پھریں کہ جنہیں دیکھ کر ابلیس اور ابلیس کی اولاد بھی شرما جائے لیکن اس کے باوجود ایک مومن آنکھوں کو بدنگاہی سے بچاتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ غیر کی عزت سے کھیلنا، اجنبی عورتوں پر نظر ڈالنا شرعاً حرام ہے۔ ایک رات میں

حرام کمائی سے آدمی لکھ پتی، کروڑ پتی بن جاتا ہے مگر مؤمن حرام سے رک کے اور صبر کر کے حلال کمائی ہی کے ذریعہ شب و روز بسر کرتا ہے۔ تمام لوگ دنیوی کام اور دھندوں میں مشغول و مصروف ہیں لیکن مؤمن ہے کہ ان جھمیلوں سے آزاد و بے فکر نماز و طاعاتِ خداوندی میں مصروف ہے۔ غرض حرام چیزوں سے اپنے کو روکنا اور حلال چیزوں پر ثابت قدمی اختیار کرنا بھی صبر کہلاتا ہے،... مصیبتوں، تکلیفوں اور ناخوشگوار حالات میں بھی آہ و واویلا نہ کرنا، ... ایک حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا بھی صبر ہے ——— اس پر فرشتے کہیں گے تم پر سلامتی ہو اس لئے کہ تم ہی نے صبر کیا تھا۔ کتنا بہتر صلہ ملا کہ دنیا میں تم نے چند سال تکلیفیں اٹھائیں لیکن ہمیشہ ہی کے لئے اس کا بدلہ ملا، تم نے تو دنیا میں کچھ عرصہ کے لئے صبر کیا لیکن اللہ نے تم کو دائمی بدلہ عطا فرمایا۔

علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ اللہ پاک بھی مؤمنوں پر سلام بھیجیں گے اور فرمائیں گے، اے میرے بندو! تم جنت کی نعمتیں لے کر مجھ سے راضی ہوئے ہو یا نہیں؟ لوگ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم راضی ہو گئے۔ پھر اللہ تعالےٰ ان سے پوچھے گا، کیا کوئی اور نعمت ہے جو بچ گئی ہو اور تم اس کی خواہش کرتے ہو؟ جواب دیں گے کہ اَب اور کوئی نعمت باقی نہیں رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اَب ایسی نعمت دیتا ہوں کہ جو اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں ملی۔ تمام مؤمنین حیرانی کے عالم میں پوچھیں گے کہ وہ کیا ہے؟ باری تعالیٰ فرمائے گا کہ یاد رکھو! آج میں تم لوگوں سے راضی ہوں۔ آج کے بعد سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

سلام مسلمانوں کا شعار ہے

سلام کے ذریعہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دُعا دیتا ہے کہ اللہ تیرے لئے سلامتی مقدر کرے، تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور تمام بری اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچائے، یہ بہت ہی عظیم دعا ہے جس کی نظیر و مثال دوسری شریعت میں نہیں ملتی یہی آدم علیہ السلام کا تحیہ تھا۔ ملائکہ کا ہے اور دنیا میں مؤمنوں کا بھی یہی تحیہ ہے اور آخرت میں بھی یہی تحیہ ہوگا۔

لیکن کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس طریقۂ ملاقات کو چھوڑ دیا جو حضورؐ کا تھا جس میں ہر اعتبار سے خیر ہی خیر کی دعا تھی، بھلائی ہی بھلائی کی درخواست تھی ——— اگر آج دیندار طبقہ ملاقات کے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہتا ہے تو تہذیب نو اور خدا ناآشنا مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمان کہتے ہیں کہ دیکھا جی! انہوں نے قرآن ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآن کی کوئی منزل یاد آگئی۔ یہ السلام علیکم کا زمانہ نہیں ہے، یہ تو گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ اور گڈ آفٹرنون کا زمانہ ہے۔ یہ بیماری صرف عجمیوں میں نہیں بلکہ ہم عربوں میں بھی آگئی ہے۔ یہ صبح کو صباح الخیر ہی کہتے ہیں۔ السلام علیکم تو یہ بھولے جا رہے ہیں۔

مومن کا تحیہ تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ہے جس میں رحمت و برکت اور سلامتی کی بھی دعا ہے اور خلوص و ہمدردی کا اظہار بھی، ... لیکن افسوس ہے کہ غیروں نے ہماری تہذیب کو اس طرح بدل ڈالا ہے کہ جوتے سے لیکر کھانے تک اور رفتار و گفتار ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہر عمل اور ہر چیز میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی مخالفت کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور اٹھنے بیٹھنے، بود و باش کے جو اسلامی آداب حضورؐ نے سکھائے تھے، ہم اسے بھول بیٹھے ہیں۔ سنتِ نبویؐ ہی کے چھوڑنے کی وجہ سے ہم دنیا میں جا بجا سزا بھگت رہے ہیں، عالمِ اسلام اور مسلمانوں میں افراتفری ہے

یہ امت افتراق و انتشار کا شکار ہے، خدا کرے کہ وہ وقت جلد ہی آئے جب کہ ہر طرف اسلام ہی اسلام ہو، مسلمان اصلی مسلمان بن جائیں اور یہ امتِ محمدیہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جائے۔

جنّت اور جہنّم افسانہ نہیں ہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ جنت و جہنم فرضی کہانیاں ہیں اور یہ محض ایک تخیّل ہے۔ جیسے شاعر کا تخیّل ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے چہرے کو کبھی چاند سے تشبیہ دیتا ہے، کبھی اسے ثریّا پر بٹھا دیتا ہے، کبھی اسے کہکشاں کے رنگوں میں دکھا دیتا ہے، کبھی دوپٹّہ کی اس طرح تعریف کرتا ہے کہ آسمان کے ستارے توڑ کر اس کے دوپٹّے میں ٹانک دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ شاعرانہ تخیّل ہی کی طرح جنّت اور جہنم بھی تخیلاتی چیز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ جنّت کا وجود ہے اور نہ ہی جہنم کا وجود ہے۔ یہ اعتقاد قرآن و حدیث کے انکار کے مرادف ہے اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنّت بھی حق ہے، دوزخ بھی حق ہے، جنّت بھی وجود میں آچکی ہے اور جہنّم بھی وجود میں آچکا ہے لیکن اس کی تمام کیفیتوں کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ ان دونوں کو وجود میں لانے والا رب العالمین ہیں اور جنّت و جہنّم کو اپنے چشم سر سے دیکھنے والے رحمۃ للعالمین ہیں، جب ایک چیز کے وجود کی خبر ربّ العالمین دیں اور دیکھنے کی گواہی رحمۃ للعالمین دیں تو اس پر مسلمانوں کو بالکلیہ یقین رکھنا چاہیئے۔ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں، جن کو قرآن کے مفہوم اور حضورؐ کے فرمان کے مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں اور جو محض اپنی عقل سے سوچتے ہیں کہ اتنی بڑی جنت کیسے پیدا ہوگئی؟ میں ان سے کہتا ہوں کہ جس خدا نے تیری عقل کو پیدا کیا، جس نے یہ زمین اور آسمان بنائے، یہ پہاڑ، اونچے اونچے

درخت اور بڑے بڑے جنگلات بنوائے۔ ہماری آنکھ کی باریک تہلی پر کتنے پردے چڑھا دیئے ہیں اور اس کے اندر یہ تاثیر رکھی ہے کہ اتنے بڑے احد پہاڑ کو اپنے اندر سمالے تو کیا وہ خداوند قدوس جنت کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ خداوند کریم جس نے چاند، سورج، ستارے، زحل، عطارد، مشتری جیسے بڑے بڑے سیّارے بنائے ہیں جو کرّۂ زمین سے بھی دس گنا بڑے ہیں، کیا وہ جنت بنانے پر قادر نہیں ہے؟ اصل میں دین سے بغض ہے، لیکن اس کو کبھی عقل کا رنگ دیتے ہیں اور کبھی نقل کا، یہودیوں، عیسائیوں اور مستشرقوں کے تحریر کردہ لٹریچر کو ہماری نوجوان نسل پڑھتی ہے جو ان کے اخلاق کردار اور ذہن و جسم ہر ایک کو بگاڑ رہی ہے۔ نتیجتاً جب وہ آیاتِ قرآنیہ پڑھتے ہیں تو ان کے ذہن میں شبہ ہوتا ہے کہ اتنی بڑی جنت کیسے پیدا ہوئی ہے؟ اور وہ جنت ہے کہاں؟ اصل چیز ایمان ہے۔ اسی پر ہر ایک مسلمان کو عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جو خدا اس عالم کے بنانے پر قادر ہے، وہ جنت بنانے پر بھی پوری طرح قادر ہے اور اس کے اندر ہر طرح کی نعمتیں دینے پر بھی قادر ہے۔

ایک عورت کا واقعہ

ایک بوڑھی عورت کا ایک ہی لڑکا تھا، وہ کسی جنگ میں شہید ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً) میرا ایک ہی لڑکا تھا اور میں نے سنا ہے کہ وہ جنگ میں شہید ہوگیا ہے۔ لیکن مجھے پتہ نہیں ہے کہ میرے رب نے میرے بچہ کی قربانی کو قبول بھی فرمالیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ جنگ میں جانیوالے تو بہت ہوتے ہیں مگر کیا پتہ کہ شہرت کے لئے گیا تھا؟ عورت کے لئے گیا تھا

نام ونمود کیلئے گیا تھا؟ اصل مجاہد تو وہ ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے گیا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمانے لگے کہ اللہ کی بندی! تیرا بیٹا تو جنت کے اعلیٰ مراتب میں ہے، وہ تو شہید ہے اور شہید کو جنت میں بلند سے بلند تر مقامات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

جنتی ہونے کی پہچان

یہ تو اس بچہ کے جنتی ہونے کی بشارت خود حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے دی تھی، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جنتی لوگوں کو خواب میں دکھا دیتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ بعد از مرگ اگر آپ اپنے رشتہ داروں کو خواب میں دیکھیں کہ وہ اعلیٰ قسم کے سفید لباس میں ملبوس ہوں اور ان کے چہروں پر اطمینان و راحت اور فرحت و بشاشت دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ اہلِ جنّت میں ہیں اور اسی طرح اگر ان کو دکھ اور تکلیف میں مبتلا دیکھیں تو ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دُعا مانگنی چاہیئے۔ ان کے لئے کثرت سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب بہت پسند آتا تھا، بسا اوقات کوئی شخص خواب دیکھتا تو گو کہ آپ ان کو نہیں پہچانتے پھر بھی ان کے بارے میں دریافت کرتے، اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ وہ مؤمن متقی ہے تو آپ خوش ہو جاتے اور اس کے خواب کو پسند فرماتے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ ایک عورت آپؐ کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس آنے والا آیا اور مجھے مدینہ سے باہر لے گیا۔ مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اسی حال میں مجھے دھوم کی آواز سنائی دی اور جنت میں خوشی کے شادیانے میں نے

محسوس کیے، میں نے دیکھا کہ فلاں ابن فلاں اور فلاں بن فلاں آئے ہیں اور اس نے بارہ آدمیوں کے نام گنائے، ان کے شہ رگ سے خون جاری ہے ان سے کہا گیا کہ جاکر نہر بیدج میں غسل کرو، میں نے دیکھا کہ انہوں نے نہر مذکور میں غوطہ مارا اور جب سر نکالا تو ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگے، ان کے سامنے سونے کا تھال آیا جس میں کھجور تھا جس قدر ان کا جی چاہا انہوں نے کھایا، لیکن میں دیکھتی ہوں کہ وجود نہ اٹھاتے ہیں ان کی خواہش کے مطابق میوہ ہو جاتا ہے۔ اور میں نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح کھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جن کا نام اس عورت نے لیا تھا ایک لشکر بھیجا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر گذری ہوگی، وہ عورت بھی وہیں موجود تھی کہ اطلاع آگئی، بارہ کے بارہ صحابہ شہید ہو گئے ہیں (۱) اس طرح اللہ نے اس خاتون کو جنت میں جانا بھی دکھایا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چشم سر سے کسی کا جنتی ہونا دکھا دیتے ہیں ـــــ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت حنظلہ کی بیوی غزوۂ احد کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے شوہر کو غسل کی ضرورت تھی۔ ابھی میرے شوہر نے غسل نہیں کیا تھا کہ غزوۂ احد میں نکلنے کے لئے نفیر عام ہوگیا! ان سے صبر نہیں ہوسکا، کہنے لگے کہ غسل میں دیر کیوں کروں؟ فوراً کپڑا پہنا اور جنگ میں دوڑ پڑے کہ ہمارے محبوب تو جنگ کے محاذ پر جارہے ہیں اور میں گھر میں بیٹھ کر غسل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ اے خوش نصیب عورت! اب تیرے شوہر کو غسل کی ضرورت ہی نہیں ہے، میں نے دیکھا ہے کہ ان کو فرشتوں نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا ہے۔ حضرات صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے جاکر دیکھا تو واقعی حضرت حنظلہؓ کے بالوں سے پانی

(۱) مواہب الرحمان ۲۷/۲۶۱، ابن کثیر ۴/ ۳۰۷

ٹپک رہا تھا۔ اسی لئے ان کا نام حنظلہ غسیل الملائکہ (یعنی وہ شخص جس کو فرشتوں نے غسل دیا) پڑ گیا۔ اسی طرح اللہ نے آپؐ کو شبِ معراج میں جنت کی بھی سیر کرا دی۔ حضرت بلالؓ کی جنت بھی دیکھی، حضرت عمرؓ کی جگہ بھی آپ نے دیکھی۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

میری ان معروضات کا مقصد اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرنا ہے کہ جنت بھی حق ہے، دوزخ بھی حق ہے، اور یہ دونوں پیدا کر دی گئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، یہ کوئی افسانہ نہیں اور نہ ہی حقیقت سے بعید باتیں ہیں۔

مگر بعض لوگ پھر بھی ذہن میں یہ خلجانات و شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں کہ اگر جنت پیدا ہو گئی ہے تو وہ کہاں ہیں؟ ہم تو ان کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اگر حوریں پیدا ہو گئی ہیں تو وہ ہمارے جاتے جاتے۔ بوڑھی ہو چکی ہوں گی، آجکل انسان کی سوچ ہی کچھ اور ہو گئی ہے۔ اگر وہ کچھ بھی عملاً کرتا ہے تو وہ خدا کے خلاف کرتا ہے۔ اگر وہ کچھ سوچتا ہے تو خدا کے خلاف سوچتا ہے۔ یہ بھی افسوس کن بات ہے کہ آج کل پڑھا لکھا اسی شخص کو سمجھا جاتا ہے جو قرآن اور اسلام پر زیادہ سے زیادہ اعتراض کرے یا سنتِ رسول کا مخالف ہو، یا صحابہ کا مخالف ہو۔ گویا جو اپنے مالک کا نافرمان ہو وہ زیادہ عقل مند شمار ہوتا ہے لیکن جو مالک کا فرمانبردار ہو جو رسول کی تعلیمات اور اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتا ہو، جو کہتا ہو کہ جو قرآن میں ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، جو حدیث کہے اس پر ہمارا ایقان ہے، خلفاء راشدین جو کہیں وہ درست ہیں تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لکیر کا فقیر ہے یہ بیچارے کیا ترقی کریں گے۔ رسولؐ کے فرمودات و تعلیمات چودہ سو سال پہلے

کی ہیں۔ وہ وقت اور تھا اور یہ وقت اور ہے، اس دور کا تقاضا کچھ اور ہے۔ اس وقت پردے کی ضرورت تھی اَب پردے کی کیا ضرورت ہے؟ اس وقت حالات کچھ اور تھے اَب کے حالات کچھ اور ہیں۔ اس وقت زکوٰۃ کی ضرورت تھی کیوں کہ صحابہ غریب تھے، مہاجر تھے، گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ گئے تھے، ان کے لئے رہنے کی جگہ نہیں تھی، اس لئے زکوٰۃ کے احکام دیئے گئے ——— لیکن اب تو ہر شخص تقریباً کھا کما لیتا ہے، اَب زکوٰۃ کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

یہ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جن کا موقف ہے کہ ٹیکس ایک ضرورت ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو سمجھا دیا کریں کہ ماضی، حال اور مستقبل سب اللہ ہی کے حکم سے ہے، جس چیز کو چاہیں روک دیں اور جس چیز کو چاہیں جاری کر دیں۔ اللہ نے جنت کو بھی پیدا کر دیا ہے اور تمام لوازمات کے ساتھ پیدا کر رکھا ہے اللہ اس چھوٹی سی کائنات ہی میں اس وسیع جنت کو سمو دے تو اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں، اربوں سال گذرنے کے باوجود بھی جنتی عورتوں کو اپنے حسن پر باقی رکھیں گے۔ یہ اللہ کی اعلیٰ قدرت ہے، وہ ایسا یقیناً کر سکتا ہے۔

اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ ہم مسلمانانِ عالم کو ایک اور نیک بنائے، اور تہذیب نو کے دلدادہ لوگوں کو سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ہمارا حساب و کتاب آسانی ہو جائے۔

درس ۳

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ
مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ
وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾
لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿٤٠﴾

(۲۷ ——— ۳۹)

ترجمہ: "اور جو داہنے والے ہیں، وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں، وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے، ہم نے وہاں کی ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں، ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا۔"

گذشتہ سے پیوستہ

اللہ تعالیٰ ان آیات میں اصحاب الیمین کا ذکر فرما رہے ہیں۔ سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی تین قسمیں بیان فرمائی تھیں، سبقت کرنے والے، دائیں والے، بائیں والے ——— سابقون یعنی سبقت کرنے والوں کا بیان اس سے پہلے درس میں آچکا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قرآن میں پہلے ادنیٰ چیز کا بیان ہوتا ہے پھر اعلیٰ چیز کا ذکر ہوتا ہے اور کبھی برعکس ہوتا ہے کہ پہلے اعلیٰ پھر ادنیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ دراصل گفتگو میں تفنن اور قدرت نیز کلام کی فصاحت و

بلاغت پر دلالت کرتا ہے۔

یہاں بھی پہلے اعلیٰ درجہ والے "سابقون" کا بیان ہوا حالاں کہ سورت کی ابتدا میں ان کا ذکر بالکل اخیر میں آیا تھا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ و التسلیم سب سے اخیر میں آئی، لیکن انعام کے اعتبار سے سب سے بازی لے گئی۔ اور سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جنت میں گئی اور سب سے بڑھ کر انعام واکرام کی مستحق ہوئی۔

دائیں والے

آگے فرماتے ہیں واَصحٰب الیمین ٥ ما اصحٰب الیمین ٥ یہاں پر "مَا" عظمتِ شان کے بیان کرنے کے لئے ہے، کہ دائیں والے کتنی بڑی شان والے ہیں؟ ان کی شان کے کیا کہنے؟ ان کے بلند مرتبہ کا کیا کہنا؟

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ پہلے لفظ تھا "میمنۃ" اور اَب لفظ آیا ہے "یمین"، وہاں بھی داہنے والے ہی مراد ہیں اور یہاں بھی داہنے والے ہی مراد ہیں، لیکن دونوں کے اسلوبِ بیان میں لطیف سا فرق ہے۔ کیونکہ کلام میں جتنی جدت ہو، اتنی ہی سننے والے اور پڑھنے والے کی توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ جتنے نئے الفاظ اور نئے اسلوب کلام میں استعمال کئے جائیں، اتنا ہی انسان متأثر ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ انداز اصل میں تفنن ہے۔ یہ اسلوب کلام کے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ خالق کا کلام ہے کسی بندہ اور مخلوق کا کلام نہیں ہے اور خالق کے کلام میں اعلیٰ درجہ کی

فصاحت و بلاغت ہوتی ہے۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہ فرق مقامِ تقسیم اور مقامِ انعام کے فرق کی وجہ سے ہے کہ پہلے مقامِ تقسیم تھا اس لئے دوسرے الفاظ استعمال کئے گئے اور یہاں مقامِ انعام ہے اس لئے دوسری تعبیر اختیار کی گئی۔

قرآن ـــــ اعجاز و بلاغت کا شاہکار

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف میں اتنی بلاغت اور اعجاز و ایجاز ہے اور اتنی حقیقت و معنویت ہے کہ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے "لیس ھٰذا کلام البشر" یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا کلام نہیں ہے، دنیا کے بڑے بڑے ادباء، فصحاء اور بلغاء کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، کوئی انسان اس جیسا کلام نہیں کرسکتا۔

آپ اندازہ لگائیں کہ دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ اور صیہونی و شیوعی اور ان کے علاوہ جتنے منکرینِ قرآن ہیں، قرآن کے مقابلہ کے لئے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا، کیا زور نہیں لگایا ہوگا؟ کوئی بھی شوشہ، جو ان کو مقابلہ کے لئے ہاتھ آیا ہو، چھوڑا ہوگا؟ انہوں نے تو ہر ہر قدم پر آپؐ کے دین کی مخالفت کی ہے، اسلام کے ہر ہر حکم کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ہر ہر حکم کے مقابل نیا حکم نکالا ہے۔ ہر طریقہ کے مقابلہ ایک نیا طریقہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ لباس میں، کھانے میں، پینے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، چلنے میں، پھرنے میں، استعمالی چیزوں میں، بولنے میں، عام آداب میں، ہاتھ ملانے میں، الوداعی

کلمات کہنے ہیں، غرض ہر چیز میں انہوں نے مقابلہ کیا ہے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا اور ان کو قدرت ہوتی تو اپنی طرف سے قرآن کی آیتیں بنا کر بھی برسرِ عام لے آتے، آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ خاموش بیٹھنے والے ہیں، اتنے بد دماغ، قرآن اور اسلام کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گئے ہیں کہ ان سے ابلیس بھی رہبری مانگتا ہے، شیطان بھی آکر ان سے سبق سیکھتا ہے، انہوں نے پوری دنیا میں اسلام کے خلاف فتنوں کے جال پھیلا رکھے ہیں، انہوں نے اپنے تئیں اسلام، صاحبِ اسلام، پیروکارانِ اسلام اور قرآن کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں کیا کچھ نہیں کیا ہے؟

یاد رکھو! یہ قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے ہیں اور نہ کر سکیں گے جیسا کہ قرآنِ کریم میں عام چیلنج کیا گیا، دنیا کے تمام فصحاء، بلغاء، ادباء، علماءِ شعراء اور اربابِ قلم کو اکٹھا کر لو اور قرآن کے مقابلہ میں ایک سورت ان تمام کی مدد سے بنا کر پیش کرو، یا ایک سورت تو بہت زیادہ ہے، کم سے کم ایک آیت ہی سہی، تم بنا کر پیش کرو، معاندین نے بیحد کوششیں کیں، محنتیں کیں، اکیڈمیاں بنائیں لیکن سورت تو دُور کی بات ہے ایک آیت بھی مقابلہ میں نہیں لا سکے۔ آج بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر دشمنانِ دین قرآن میں تحریفِ لفظی اور تحریفِ معنوی کی بہت کوششیں کر رہے ہیں۔ لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ان دشمنوں کا سر نیچا ہو گیا۔ وہ اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے اور اعتراف کرنا پڑا کہ یہ انسان کا کلام نہیں، یہ اس ذات کا کلام ہے جس نے پورے عالم کو وجود بخشا ہے۔ اس لئے یاد رکھیں کہ قرآن نے جہاں جہاں نیا لفظ اور نیا اسلوب اختیار کیا ہے، یہ اس کے حکمت و مصلحت سے پُر ہونے اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے پر واضح دلیل ہے۔

"اصحاب الیمین" نام کیوں؟

بات کہیں سے کہیں چلی گئی "اصحاب الیمین" کا تذکرہ چل رہا تھا کہ داہنے والوں کی شان کیا ہی بلند ہوگی؟ وہ کتنے بلند مرتبہ والے ہوں گے؟ سوال یہ ہے کہ ان کو "اصحاب الیمین" کیوں کہا جاتا ہے؟ ان کا یہ نام اس لئے ہوگا کہ نامۂ اعمال ان کو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، قیامت کے دن بھی پروردگار کے عرش کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے، اس کے علاوہ "یمین" برکت و رحمت کا لفظ ہے اور ظاہر ہے کہ خداوند قدوس کی طرف سے پروانۂ نجات ملنے پر وہ خیر و برکت والے ہوں گے۔

جنتی انعامات اور نوازشیں

۱۔ بے خار بیریاں

آگے کی کئی آیتوں میں ان نیک لوگوں کے انعامات اور نوازشوں کا ذکر ہے جو سابقون سے کم مرتبہ والے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ "فی سدرٍ مخضود" وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہوں گے جہاں بیری کے درخت ہوں گے لیکن کانٹے دار نہیں ہوں گے اور اس کے پھل بھی زیادہ ہوں گے۔ دنیا میں تو بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے ہوتے ہیں اور کم پھل والے ہوتے ہیں لیکن جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے۔ پھلوں کے بوجھ سے اس کے تنے جھکے جاتے ہوں گے ـــــ ایک روایت

میں آتا ہے کہ صحابہ اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ کوئی دیہاتی حضورؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے مسائل پوچھے تاکہ ان کو بھی اس کی واقفیت ہو اور دیہاتی کے بے تکے سوالات اور حضورؐ کے جواب سے وہ مستفید ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے آکر سوال کیا کہ یارسولؐ اللہ! قرآن میں ایک ایسے درخت کا بھی ذکر ہے جو تکلیف دہ ہے۔ آپؐ نے پوچھا کہ وہ کون سا درخت ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ بیری کا درخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ساتھ تم نے "مَخْضُوْد" کا لفظ نہیں پڑھا ہے کہ اللہ نے اس کے کانٹے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلہ اس میں پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ ہر ہر بیری میں بہتر قسم کے ذائقے ہوں گے جن کا رنگ بھی الگ ہوگا اور مزہ بھی جدا ہوگا (۱)۔

بیری کے درخت ذکر کرنے کی وجہ

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بیری کے درخت کے ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟ تمام پھلوں میں سے اس کا ذکر کیوں کیا گیا؟ علماء نے اس کی بھی وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے، جو عربوں کو سمجھ میں آسکیں، اگر ایسی نعمتوں کا ذکر کرتے جو عربوں کی سمجھ میں نہ آتیں تو یہ خلافِ حکمت ہوتا۔ نخل (کھجور)، رمان (انار)، عنب (انگور) چونکہ عرب میں پائے جاتے تھے، اسی لئے عربوں کو سمجھانے کیلئے قرآن میں ان کو ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بیری کا درخت بھی چونکہ عرب میں موجود تھا۔ اس لئے

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۰۹، درمنثور ۸/۱۲۔

بیری کا بھی ذکر کر دیا۔ تاہم دنیا کی بیری اور جنت کی بیری .....
میں نمایاں فرق ہوگا۔ دنیا کی بیری کا پھل تو چھوٹا چھوٹا ہوتا ہے۔ جبکہ جنت کی بیری کا پھل مٹکے جیسا بڑا ہوگا۔ حدیث میں "قلال ہجر" کے الفاظ آئے ہیں کہ "ھَجَر" کے مٹکے عرب میں اسی طرح مشہور تھے، جیسے آجکل بعض مقامات کی چیزیں مشہور ہیں ..... مثلاً "قصور" کی مٹی کی ہنڈیا مشہور ہے۔ احمد پور کی مٹی کے برتن مشہور ہیں، گجرات کی مٹی مشہور ہے کہ اس کے برتنوں میں پانی بڑا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ عرب میں "قلال ھَجَر" معروف و مشہور تھا اور حدیث میں جنت کی بیر کو "قلال ھجر" (ہجر کے مٹکوں) سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جنتی بیر مٹکوں کی طرح بڑے بڑے ہوں گے۔ ذائقہ میں بھی دنیا کے بیر سے ان کو نسبت نہ ہوگی (۱)

بعض مفسرین نے ایک اور بات بیان کی ہے کہ فی سدر مخضود کے بعد طلح منضود کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں بڑے پتے والے درخت بھی ہوں گے اور چھوٹے پتے والے بھی، کیوں کہ کیلے کا درخت بڑے پتوں والا ہوتا ہے اور بیری کا درخت چھوٹے پتوں والا۔

آیت مذکورہ میں جب "سِدر" کا لفظ آیا تو عربوں کے ذہن میں یہ تشویش پیدا ہو سکتی تھی کہ بیری میں تو کانٹے ہوتے ہیں جو تکلیف دہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو بھی دور فرما دیا کہ جنت کی بیریوں میں کانٹے نہیں ہوں گے، وہ تو بالکل بے خار اور بے ضرر ہوں گے۔

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۰۸۔

مفسرین نے ایک دوسری بات بھی لکھی ہے کہ اگر بیری کے درخت میں کانٹے نہ ہوں تو اس کا سایہ بہت لمبا ہوتا ہے۔ اس لئے بھی بیری کے درخت کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کانٹے دار ہونے کے باوجود بہت سے لوگ گھر میں بیری کا درخت لگا لیتے ہیں۔ پرانے لوگوں کو بھی آپ دیکھیں گے تو اکثر و بیشتر بیری کے درخت یا کھجور کے درخت ان کے یہاں لگے ہوئے ملتے ہیں۔ پرانے لوگوں کا یہ بھی کچھ تصور ہوتا تھا کہ ان علامات کو دیکھ کر لوگ دین کی طرف راغب ہوں گے۔ کیونکہ بیری اور کھجور کا تذکرہ قرآن و حدیث دونوں میں آیا ہے تو ایسی چیزیں جب لوگوں کی نگاہوں سے گذریں گی تو دین کی طرف توجہ ہوگی۔

مغربی تہذیب کے دل دادوں کی زینت

وہ لوگ تو دین کی طرف رغبت کے لئے بھی یہ درخت لگاتے تھے لیکن آج کل لوگ ڈیکوریشن اور زینت کے شوق میں پتھر، پلاسٹک وغیرہ کے بنے ہوئے کتے گھروں میں سجاتے ہیں، گھر میں بیٹھے ہیں، پیچھے سے کتا ہل رہا ہے، کیوں؟ محض یہ سوچ کر کہ انگریز کتا پالے اور مسلمان نہ پالے، یہ تو بڑی کمی ہوگئی، کم از کم زندہ نہ سہی، اس جیسی شکل تو رکھ لے تاکہ رات کو سوئے تو کتا نظر آئے، آخری وقت ہو تو جاتے جاتے بھی اسی پر نظر پڑے۔ آپ مسلمانوں کے گھر میں چلے جائیں، زینت کے طور پر رکھے ہوئے آپ کو ملیں گے، انگریزوں کے زمانے کے بنے ہوئے مجسمے ملیں گے، کیونکہ یہ تو ان کی خالص روحانی اولاد ہیں۔

تہذیب و ثقافت کی بات تو یہ ہے کہ سندھ کے علاقہ کی ٹوپی

آپ نے دیکھی ہوگی، وہ اس طرح کی کٹی ہوئی ہوتی ہے جیسے کہ محراب ہو، یہ دین اور اسلام کی علامت اور شناخت تھی۔ اب اگر وہ دین چھوڑ دیں، اسلام پر چلنا بند کر دیں تو اس میں ہم بھی مسئول ہوں گے، ورنہ تو انکی ٹوپی میں بھی دین کا سبق تھا، وہ اسلامی شناخت کا بہترین ذریعہ تھا۔ کیوں کہ سب سے پہلے ہمارے اس ملک میں قرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں لکھا گیا۔ وہیں سب سے پہلے عرب پہونچے اور اسلام پہونچا، اس لئے دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ اسلامی شعار ترک کر دے، اپنے دینی شعار کو بھلا دے اور دوسروں کی تہذیب و معاشرت کو اپنا لے۔

۲۔ تہ بہ تہ کیلے

غرض جنت میں نیک مسلمانوں کو بے کانٹے والی بیریاں ملیں گی۔ جس کا مزہ ہی کچھ اور ہوگا، اس کے مزہ کا اس دنیا میں ہم تصور تک نہیں کر سکتے، آگے ان ہی کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ" وطلح منضود"، ان کے لئے تہ بہ تہ کیلے ہوں گے، طلح کیلے کو کہتے ہیں اور "منضود" کے لفظ سے اس کے پھل کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے سے پیوست ہوں گے۔ ان کا انتخاب ان کی ترتیب اور ان کے رنگ و مزہ کی حسن و خوبصورتی اور چاشنی اس بات کی گواہی دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کی مہمان نوازی کے لئے ان کو خاص اہتمام کے ساتھ منتخب فرمایا ہے۔

۳۔ ہر طرف سایہ ہی سایہ

آگے ارشاد ہوا کہ "وظل ممدود" یہ جنتی لوگ لمبے لمبے سائے میں ہوں گے۔ یہاں جنت کی سرسبزی و شادابی بتائی گئی ہے کہ جنت کے درخت سرسبزی و شادابی کی وجہ سے ایک دوسرے سے اسی طرح ملے ہوں گے کہ ان کے اندر دھوپ کا گذر بھی نہیں ہوگا اور جدھر بھی نگاہ پڑے گی، ہر طرف سایہ ہی سایہ ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے کہ جنت کے درختوں کے سائے تلے تیز سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن اس کا سایہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ظل ممدود والی آیت پڑھ لو یہی روایت جب حضرت کعبؓ کو پہونچی تو انہوں نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس نے حضرت موسیٰ پر تورات اتاری اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا، اگر کوئی نوجوان شخص اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک بوڑھا ہو کر گر جائے، تو بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور خود ہی اس میں روح پھونکی ہے۔ اس کی شاخیں جنت کے دروازوں سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں (۱)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی لوگ اس کے نیچے آکر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں، کسی کو دنیاوی کھیل تماشے یاد آتے ہیں تو اسی وقت جنت سے ایک ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے ہر طرح کے باجے، راگ، راگنیاں اور کھیل تماشوں

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۱۰۔

کی آوازیں آنے لگتی ہیں (۱)

۴- رواں پانی

ان نیکوں کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے آگے قرآن نے کہا کہ "مَاءٍ مَّسْكُوبٍ" چلتا ہوا اور بہتا ہوا پانی بھی ہوگا۔ یہ کسی بخارات کی وجہ سے نہیں، اس میں مادی چیزوں کے حلول کر جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی خاص قدرت سے پیدا ہوا ہے۔ یہ آبِ حیات ہے، بے وقوف اور احمق لوگ دنیا میں آبِ حیات کی تلاش کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آبِ حیات تو جنت میں ملے گا۔ وہ گڑھے میں گھیر کر کھودی ہوئی نہروں میں نہیں چلتا، بلکہ صاف و شفاف لعل و گوہر کی سطح اور چاندی کے تخت پر رواں ہے۔ جنتی جدھر کو اشارہ کرے گا اسی طرف اس کے بہاؤ کا رخ ہوگا۔ اس کے کنارے موتی کے جھومر ہوں گے۔ یہ کیفیت و صورت ایسی دل آویز اور دلکش ہے کہ دل اندر ہی اندر لوٹ جاتا ہے اور نگاہیں ٹکی کی ٹکی رہ جاتی ہیں۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ "مَاءٍ مَّسْكُوبٍ" سے وہ پانی مراد ہے جو نالہ اور ندی کے بغیر جاری ہو، مطلب یہ کہ جنتیوں کے مکانات میں پانی بغیر کنویں، بغیر گڑھے اور بغیر نل کے آئے گا۔ وہ لوگ کہیں سے پانی لانے کے محتاج نہیں ہوں گے اور نہ ہی رسّی سے ان کو ڈول بھر کر پانی لینے کی ضرورت پڑے گی۔ بلکہ جہاں سے بھی جس طرح پانی حاصل کرنا چاہیں گے حاصل کر لیں گے (۲)

---

(۱) درمنثور ۸/۱۴۔ (۲) مواہب الرحمان ۲۷/۲۶۹۔

۵۔ ختم نہ ہونے والے بے شمار پھل

آگے ارشاد فرمایا کہ: وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۝ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝
کہ ان کے پاس پھل بھی بہت ہوں گے، ان پھلوں کی دوسری صفت یہ ہوگی کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہوں گے اور نہ کبھی کم یاب ہوں گے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موسم ہوتا ہے لیکن پھل کم ہوتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موسم ختم ہوگیا اور پھل نہیں ملتا، کبھی پھل تو موجود ہے مگر اتنی دور ہے کہ اتارا نہیں جاسکتا کبھی قریب ہے لیکن اتنے کانٹوں میں اُلجھا ہے کہ نکالا نہیں جاسکتا، جاڑے کا موسم ہے تو پھل ہے، گرمی کا موسم ہے تو پھل نہیں ہیں۔

قرآن نے کہا کہ یہ جنتی میوے اس طرح کے نہیں ہوں گے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جب بھی جنتی آدمی کو اس کی خواہش ہوگی وہ پالیں گے، خدا کی قدرت سے وہ ہر وقت موجود رہیں گے، کسی کانٹے اور کسی شاخ کی آڑ بھی نہ ہوگی، نہ ہی اس سے دوری ہوگی، حاصل کرنے میں نہ تکلیف ہوگی اور نہ ہی تکلف ہوگا ——— لیٹے لیٹے، بیٹھے بیٹھے، سوئے سوئے غرض جس حالت میں ہو، اسی حالت میں خود اسی کے پاس آجائے گا، جیسے ہی پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا لگ جائیگا۔

۶۔ آرام دہ بستر

ارشاد فرمایا: وفرش مرفوعة ان کے بچھونے اونچے اونچے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جنت بھی اعلیٰ درجات بھی اعلیٰ، پھر ہر درجہ میں تخت اور سریر جو بچھے ہوئے ہوں گے وہ بھی اعلیٰ اور ان پر جو بچھونے ہوں گے

وہ بھی باعتبار مرتبہ کے اعلیٰ ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کی یعنی پانچ سو سال کے مسافت کے برابر اونچی ہوگی (۱) مطلب یہ ہے کہ جنت کے ہر ایک درجہ میں پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہوگا جیسے زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ہے صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ جنت میں سو درجات ہیں، ہر درجہ سے دوسرے بلند درجہ تک اس قدر فاصلہ ہے، پس ہر درجہ میں یہ بلند و بالا اور نرم و گداز بستر ہوں گے، جس میں.... دوسرے درجہ تک کا فاصلہ پانچ سو برس کا ہوگا۔

حورانِ جنت اور انکی خصوصی ساخت

جب فرش اور نرم گداز بستر کا ذکر آیا ہے تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ جنت میں جنتیوں کو بیویاں بھی ملیں گی، جن کو اللہ نے خصوصی طور پر بنایا ہے، وہ نوعمر اور کنواریاں ہوں گی، وہ اپنی خوش خلقی، حلاوت و ملاحت، ظرافت و جسامت اور خوبصورتی کی وجہ سے شوہر کی محبوب ہوں گی، حدیث میں یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں لیکن جنت میں جانے کے بعد انہیں نوعمر بنا دیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چاہے وہ عورتیں کنواریاں ہوں یا ثیبہ، اللہ ان سبھوں کو خاص وضع کے ساتھ پیدا فرمائے گا۔ ایک بوڑھی عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کردے۔ آپؐ نے از راہِ مزاح فرمایا کہ اے ام فلاں! کوئی

---

(۱) گو کہ محدثین نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے لیکن بعض محدثین نے اس روایت کو قبول بھی کیا ہے۔

بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، وہ گھبرا کر رونے لگی اور روتی ہوئی واپس ہونے لگیں۔ آپؐ نے بلوایا اور رونے کا سبب پوچھا، وہ کہنے لگی روؤں نہیں تو کیا کروں؟ ہم تو جنت سے بھی محروم ہو گئے۔ آپؐ نے فرمادیا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا، قرآن میں فرمایا گیا کہ:

انا انشأنٰھن انشاءًا فجعلنٰھن ابکاراً۔ (واقعہ/۳۶)

ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔

یعنی بوڑھی عورتیں بوڑھاپے کی کیفیت کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گی، اللہ تعالیٰ پہلے انہیں جوان بنادیں گے ..... حسن و جمال عطا فرمائیں گے پھر وہ جنت میں داخل ہوں گی ..... اسی وجہ سے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مصداق جنتی حوروں کے ساتھ ساتھ دنیا کی یہ عورتیں بھی ہیں۔ جنتی حوروں کی تخلیق تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے فرمائے گا، ایک خاص وضع کے ساتھ پیدا کریگا، خود دنیا کی عورتوں کو بھی نوجوان اور دوشیزہ اور حسن و جمال کا پیکر بنا کر اور ظاہری و باطنی ہر طرح کے عیوب سے پاک کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

نیک عورتیں شوہروں کے ساتھ ہوں گی

جنت میں نیک عورتیں اپنے نیک شوہروں کے ساتھ ہوں گی، بشرطیکہ دونوں کی موت حالتِ ایمان میں واقع ہوئی ہو۔ اگر شوہر اونچے درجہ میں ہو، بیوی نچلے درجہ میں ہو تو خداوند قدوس اپنی رحمت سے دونوں کو ایک ہی درجہ عطا فرمادیں گے۔ اگر شوہر پاکباز، متقی و پرہیزگار

ہو، اور عورت گنہگار ہو یا عورت نیک و پرہیزگار ہو اور شوہر گنہگار ہو تو پاکباز اور نیکوکار کو تو اللہ جنت میں بھیج دیں گے۔ لیکن گنہگار کا معاملہ اللہ کی مرضی پر موقوف رہے گا، چاہے گا تو گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال کر گناہوں کی سزا دے اور چاہے گا تو محض اپنے فضل و رحمت سے گناہوں کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے۔

مسلمانوں کو جہنم میں عذاب دینے کے لئے نہیں ڈالا جائے گا بلکہ وہ تطہیر کے لئے ہوگا، گناہوں اور بدکاریوں کی گندگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنے کیلئے ہوگا۔ پھر گناہوں سے پاک ہونے کے بعد نبی کی سفارش سے یا اپنے کسی نیک رشتہ داروں کی سفارش سے یا براہِ راست اللہ کی رحمت سے ان کو جنت میں داخلہ کا پروانہ ملے گا۔ مومنوں کو جہنم میں ابدی طور پر نہیں ڈالا جائے گا بلکہ یہ مختصر اور تھوڑے عرصہ کا قیام ہوگا۔ اس کے برعکس جس کو جنت میں داخلہ کی اجازت مل گئی ہے وہ ہمیشہ ہی جنت میں رہے گا، اسے کبھی بھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔

جنتی عورتوں کی صفتیں

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "حُورِعین" کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ گورے رنگ کی ہیں، بڑی بڑی آنکھوں والی، سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی جیسے گدھ کا پَر ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ "کامثال اللؤلؤ المکنون" کی بابت کچھ بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کی صفائی اور جوت اس موتی کی طرح ہے جو سیپ سے ابھی ابھی نکلا ہو، ان کا بدن اتنا

چمکیلا ہوگا جیسے چمکدار موتی ہوتی ہے، جس موتی کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہو۔ اس کے بعد پھر حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یہاں تو "کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ" فرمایا گیا ہے لیکن دوسری آیت میں فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ آیا ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو خوبصورت بھی ہوں اور خوب سیرت بھی ہوں، جو حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حسنِ اخلاق کی بھی حامل ہوں۔ عورت کا جمال و کمال انہی دو چیزوں میں ہے کہ وہ اعلیٰ خلق کے ساتھ ساتھ بلند اخلاق والی بھی ہو، عورت کا سارا حسن و جمال حیا میں ہے۔ جس عورت میں حیا کا مادہ نہ ہو، وہ حقیقی عورت نہیں ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ان کی نزاکت اور نرمی انڈے کی اس جھلی کے مانند ہوگی جو اندر ہوتی ہے۔ انہوں نے پھر "عُرُبًا اَتْرَابًا" کے معنی دریافت کئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد دنیا کی مسلمان جنتی عورتیں ہیں جو بالکل بڑھیا تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نئے سرے سے اس طرح پیدا کرے گا کہ وہ کنواریاں ہوں گی۔ شوہر کی چہیتیاں ہوں گی۔ اپنے شوہر سے عشق کرنے والی ہوں گی اور اپنے شوہر کی ہم عمر ہوں گی۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ دنیا کی عورتیں زیادہ افضل ہیں یا حوریں زیادہ بہتر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کی عورتیں حوروں سے اسطرح بہتر ہیں جیسے کہ اَستر سے اوپر والا حصہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نمازوں، روزوں اور اللہ کی عبادتوں کی وجہ سے وہ بہتر ہوں گی کہ دنیا کی عورتیں روزے رکھتی ہیں۔ نمازیں پڑھتی ہیں، قرآن پڑھتی ہیں، اللہ کا ذکر کرتی ہیں۔

انہوں نے یہاں تک پہنچنے میں کافی پریشانیاں اٹھائی ہیں، جب کہ حوریں توجنت ہی میں پیدا ہوئی ہیں، انہوں نے دنیا کی کسی بھی قسم کی مشقتیں برداشت نہیں کیں، نہ روزے رکھے نہ نمازیں پڑھیں، نہ حج نہ زکوٰۃ ادا کیے۔ نہ شوہر کی خدمت کی نوبت آئی اور نہ بچوں کی تربیت ونگہداشت کرنی پڑی۔ اللہ نے ان کے چہرے نور سے، ان کے جسم سفید ریشم، سبز ریشم، زرد سنہرے ریشم، زرد سنہرے زیور اور سونے کی کنگھیوں وغیرہ سے سنوار دیا ہے، وہ اپنی زبان سے جنت میں کہتی ہوں گی:

نحن الخالدات فلا نموت ابداً	ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی مریں گی نہیں
نحن الناعمات فلا نباس ابداً	ہم ناز ونعمت والیاں ہیں کبھی مفلس ہوں گی نہیں
نحن المقیمات فلا نظعن ابداً	ہم اقامت کرنے والیاں ہیں کبھی سفر میں جائیں گی نہیں
نحن الراضیات فلا نسخط ابداً	ہم اپنے شوہروں سے خوش رہنے والیاں ہیں، کبھی روٹھیں گی نہیں
طوبیٰ لمن کنا لہ وکان لنا	خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لئے ہم ہیں اور جو ہمارے لئے ہیں

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ! بعض عورتوں کے دو دو تین تین چار چار شوہر ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اسے موت آتی ہے۔ مرنے کے بعد اگر یہ جنت میں گئی اور اس کے سب خاوند بھی گئے تو یہ عورت کس شوہر کو ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اسے اختیار دیا جائے گا جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے، چنانچہ وہ عورت

ان میں سے اس کا انتخاب کریگی، جو اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا ہو اور بہتر سلوک کرتا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ اے پروردگار! میرا فلاں شوہر بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ وہ میرے ساتھ اچھی بود و باش کرتا تھا، اسی کے نکاح میں مجھے بھیج دے، چنانچہ اس عورت کو اسی شوہر کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے آخری شوہر کے پاس ہوگی، کیوں کہ اس سے پہلے جتنوں سے شادی ہوئیں اور جتنوں سے تعلقات قائم ہوئے وہ موت کی وجہ سے یا آپسی ناچاقی اور ازدواجی رشتہ کے استوار نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئے یا ٹوٹ چکے تھے، اس لئے وہ جنت میں آخری شوہر کے ساتھ ہی ہوگی[1]۔

نیک خاتون

جنت میں صرف وہی عورتیں جاسکیں گی جو نیک ہوں۔ شوہروں کے ساتھ ان کے تعلقات بہتر ہوں، قرآن وسنت کے مطابق زندگی گذارتی ہوں، ہر حالت رنج وغم اور خوشی ومسرت میں صبر کا دامن نہ چھوڑے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کو شوہر دیکھے تو اس کے حسنِ سیرت سے اس کا دل خوش ہو جائے۔ جب شوہر گھر سے باہر ہو تو اس کے مال کی اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ جب شوہر اسے کسی کام کا حکم دے تو فوراً اس کو بجالائے اور اس کی فرماں برداری کرے۔

آج اچھی عورت کون ہے؟

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۱۰۔

اچھی عورت کی ایک تعریف تو وہ ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور ایک تعریف وہ ہے جو ہماری عقل نے کی ہے۔ آج ہماری عقل کے مطابق وہ عورت اچھی سمجھی جاتی ہے جو فیشن ایبل ہو ماڈرن ہو، بیوٹی سنٹر سے بال بنواتی ہو، میک اَپ کے سارے فنون جانتی ہو، بہترین ڈانس کرسکتی ہو، اگر شوہر گھر میں نہ ہو تو ہر آنے جانے والے کا گرم جوش خیر مقدم کرتی ہو۔ ہمارے یہاں عورت کی شخصیت کافی زمانہ یہی تعارف ہے۔ آدمی بڑے فخر سے مہمان سے کہتا ہے کہ اگر کسی وقت میں نہ ہوں، تو پھر بھی آپ میری کمی محسوس نہیں کریں گے۔ یہ بات شوہر اپنی بیوی کے بارے میں کہتا ہے، اپنی بیوی کی اس انداز میں تعریف کرتا ہے، ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کے سینے میں دل بھی دھڑکتا ہے یا نہیں؟ انکی غیرت کو کیا ہوگیا ہے؟

خدا کے فضل سے دونوں میاں بیوی مہذب ہیں
اسے غصہ نہیں آتا انہیں غیرت نہیں آتی

دونوں ماشاء اللہ ماڈرن ہیں، وہ اگر دس عورتیں لے کر پھرتا رہے تو بیوی شوہر کی تعریف کرے گی کہ میرا شوہر ایسا ہے کہ لڑکیاں اس پر جان دیتی ہیں، اِدھر اس کی بیوی کو بھی روزانہ آٹھ دس آدمی سلام کریں تو وہ کہتا ہے کہ میری بیوی سوشل ورکر (سماجی کارکن) ہے، اسے تو بڑے بڑے لوگ ٹیلی فون کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں۔ یہ کہنا بالکل بے غیرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کی غیرت ختم ہو جائے، سمجھو اس کا ایمان ہی ختم ہوگیا۔

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا؟

ابھی تھوڑی دیر قبل روایت گذر چکی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ حورعین کیا ہے؟ کیا آج کی عورتوں میں سے کسی نے اپنے شوہر سے دینی مسئلہ پوچھا بھی ہے؟ آج کی عورتوں کو اس طرح کے مسائل پوچھنے سے مطلب ہی کیا ہے؟ وہ تو صرف یہ سوال کریں گی کہ فلاں کپڑا استعمال کروں گی، فلاں کمپنی کے میک اَپ کا سامان بہت اچھا ہے وہیں کے میک اَپ کا سامان چاہیئے۔ یا کسی فلمی رسالہ کا مطالبہ ہوگا۔ یہ سب آج کل سمجھدار بیوی ہونے کی علامت ہے کہ اس کے ہاتھ میں تصویروں والا ایک رسالہ ہو کہ ماشاء اللہ بڑے پڑھے لکھے گھر کی عورت ہے۔ اصل میں بنیادی بات یہ ہے کہ جس طرح تم غیر عورتوں کو دیکھنا چاہتے ہو، وہ بھی تو غیر مَرد کو دیکھنا چاہتی ہے تم بھی فلمی رسالے دیکھتے ہو۔ اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ فلمی رسالے دیکھے۔ ——— میں کہتا ہوں کہ فحش تصویر والے ان رسائل کو پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اس سے نہ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی دین و دنیا کا کوئی فائدہ ہے؟ معلومات بڑھانی ہو تو جغرافیہ پڑھ لیتے، تاریخ کی کوئی کتاب پڑھ لیتے، ابن خلدون کی کتاب پڑھ لیتے، ماوردی کی کوئی کتاب پڑھ لیتے، کوئی انسائیکلو پیڈیا رکھ لیتے، فوٹو اور فحش رسائل پڑھنے سے معلومات میں کیا اضافہ ہوتا ہے؟ جو مرد کی نیت ہوتی ہے وہی اس کی بیگم کی بھی ہوتی ہے، فکر نہ کرو، برابر کا سودا ہے، تمہارے دلوں میں جو کچھ آتا ہے ان کے دلوں میں بھی آتا رہتا ہے۔ تمہارا جی چاہتا ہے کہ شادی کے بعد بھی آنکھ لڑاتے پھرو یا غیر محرموں پر نظر ڈالتے پھرو تو پھر عورت کو اس کا حق کیوں نہ حاصل

ہو، انہیں بھی حق حاصل ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ آج کل دونوں اسی پر صلح کر لیتے ہیں کہ تم بھی ناراض نہ ہونا، میں بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ آج کل کے پڑھے لکھے لوگ زیادہ وسیع القلب اور فراخ دل ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مُلّا لوگ جاہل اور دقیانوسی خیالات کے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنے لگتے ہیں۔ انصاف کیجئے، یہ کوئی بات ہے۔ ٹھیک ہے آزادی ہے، جو جی چاہے کرتا پھرے، بہرحال جن کو یہ آزادی بھلی لگتی ہے انہیں ہی یہ آزادی مبارک ہو ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

ہمیں تو یہ تہذیب آج تک سمجھ میں نہیں آئی، ہمارے ذہن و دماغ، اعضاء و جوارح، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے ملنے جلنے، رہنے سہنے اور سماجی و معاشرتی معاملات میں صرف تاجدار مدینہ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب اور تعلیم ہے۔ آپ ہمیں پرانا کہیں، دقیانوسی کہیں، ملا کہیں، لکیر کا فقیر کہیں۔ لیکن ہم تو اسی تہذیب و معاشرت پر عمل پیرا رہیں گے جس کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور ہمیں اسی پر فخر ہوگا۔

جنتی حوریں اور ان سے جنسی استفادہ

غرض میں عرض کر رہا تھا کہ جنت میں نیک مرد جائیں گے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کی نیک بیویاں بھی جنت میں جائیں گی، دونوں

دنیا ہی کی طرح وہاں بھی ایک ساتھ رہیں گے۔ ایک مشہور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کے لئے سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی سفارش قبول کر لی اور اجازت دے دی کہ ان میں سے جن کو چاہیں آپ جنت میں لے جا سکتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا۔ خدا کی قسم! تم لوگ جس قدر اپنے گھر بار اور بیویوں سے واقف ہو۔ اس سے بھی کہیں زیادہ جنت والے اپنے گھر اور بیویوں سے واقف ہوں گے، ایک ایک جنتی کی بہتّر بیویاں ہوں گی جو خاص طور پر اللہ نے ان جنتیوں کے لئے بنائی ہیں اور دو دو بیویاں ان عورتوں میں سے ہوں گی جن کو عبادت کرنے کی وجہ سے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہو گی، جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا، یہ اس بالا خانے میں ہو گی جو یاقوت کا بنا ہوا ہو گا، اسی پلنگ پر ہوں گی جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا ہو گا، ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے۔ یہ بیویاں اتنی نازک اور روشن رخ ہوں گی کہ انکی کمر پر ہاتھ رکھ کر دوسری طرف سے دیکھے گا تو وہ صاف طور پر دیکھ لے گا۔ گوشت، ہڈی اور کپڑا وغیرہ کچھ بھی رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ ان کی پنڈلی اتنی صاف ہو گی کہ جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورہ ڈال دیں تو وہ ڈورہ باہر سے نظر آتا ہے اس طرح اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہو گا، دونوں ایک دوسرے کی آئینہ ہوں

گے۔ جنتی اس کا آئینہ ہوگا۔ بیویاں اس کی آئینہ ہوں گی، وہ اس کے ساتھ عیش وعشرت میں مشغول ہوگا، نہ یہ نقصان میں ہوگی اور نہ ہی وہ نقصان میں ہوگا، نہ یہ تھکے گی اور نہ ہی وہ تھکے گا، نہ اس کا دل بھرے گا اور نہ اس کا دِل بھرے گا۔ جب جب جنتی ان سے قربت کرے گا تو ہمیشہ ان کو کنواری ہی پائے گا، قربت کے بعد وہ اپنے اندر سستی اور شکستگی محسوس نہیں کرے گا۔ وہاں وہ خاص مادہ نہیں ہوگا جس سے گھن آتی ہے جنتی قربت میں مشغول ہی ہوگا کہ اچانک آواز آئے گی کہ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان سے نہ تو آپ کا دل بھرے گا اور نہ ان کا آپ سے، آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں، ان کو بھی قربت کے شرف سے نوازیئے، یہ آواز سن کر جنتی وہاں سے باہر آئے گا اور ہر ایک بیوی کے پاس قربت و ملاقات کے لئے جائے گا، حوروں اور بیویوں کو دیکھ کر بے ساختہ وہ زبانِ قال سے کہنے پر مجبور ہو کہ خدا کی قسم جنت میں تجھ سے بہتر کوئی چیز نہیں، نہ ہی تجھ سے زیادہ کسی اور سے محبت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے دریافت کیا کہ یارسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جنتی لوگ جنت میں جماع کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! خدا کی قسم، خوب اچھی طرح، بہترین طریقہ پر، جب الگ ہوگا تو وہ اسی وقت پاک صاف، اچھوتی اور باکرہ بن جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنتی کو اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انسؓ نے پوچھا: حضور! کیا وہ اتنی طاقت رکھے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اسے ایک سو آدمی کے برابر قوت ملے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ایک دن میں ایک سو

کنواریوں کے پاس ہوآئے گا (دیکھئے ابن کثیر ۲/۳۱۳)

دشمنانِ دین کا بیہودہ اعتراض

اس طرح کی حدیثیں جب دشمنوں کی نگاہوں سے گذرتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ دیکھو! جنت جیسی پاک وصاف جگہ میں بھی یہ کام ہوگا۔ ان مولویوں نے تو بس جنت کی ایک لالچ دے رکھی ہے۔

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ اصل میں ایک ہی کام کو اگر حرام طریقہ سے کیا جائے تو اس سے گناہ ہوگا اور حلال طریقہ سے کیا جائے تو ثواب ملے گا۔ مثلاً کسی غیر محل میں یا غیر عورت سے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرے تو اس میں گناہ ہے، اور اپنی منکوحہ سے اسی فطری خواہش وضرورت کی تکمیل کرے تو یہ عبادت بھی ہے اور اس پر ثواب بھی ہوگا ——— علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر ایک شخص بیوی سے کھیل کود کر رہا ہے اور ایک نوافل پڑھ رہا ہے تو نوافل والے سے دوسرے کا درجہ بڑھ کر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ انسان جب اپنی بیوی کو لقمہ کھلاتا ہے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: حضور! اپنی ہی بیوی کو کھلا رہے ہیں تو پھر صدقہ کا ثواب کیوں؟ فرمایا: کیونکہ یہ اپنے رب کے حکم کی تکمیل اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کر رہا ہے۔ اس لئے یہ قربت جائز جگہ میں ہو تو برا نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے۔

دنیا میں حضورؐ کی قوت

یہ تو جنتیوں کی قوت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو دنیا کے چالیس آدمیوں کے برابر قوت عطا کی گئی تھی۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ چالیس جنتی مردوں کے برابر آپؐ کو قوت و طاقت عطا کی گئی تھی۔ جنتی آدمی کی قوت سو کے برابر ہوگی۔ تنو کو چالیس سے ضرب دیا جائے تو چار ہزار ہوتے ہیں۔ اس طرح آپ کو چار ہزار آدمیوں کے برابر قوت دی گئی تھی۔ یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آپ نے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ کبھی کبھی اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کو ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں بھی قوت کا مظاہرہ کرایا ہے، غزوۂ خندق کے موقع سے خندق کھودتے وقت ایک پتھر نکل آیا جس کو توڑنا آسان نہ تھا، صحابہؓ نے اس کے توڑنے کی بہت کوشش کی لیکن کوشش میں ناکام رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ نے صورتِ حال سے واقف کرایا کہ درمیانِ خندق میں ایک بڑا پتھر آگیا ہے جس کو توڑنے میں ہم سب ناکام ہوگئے ہیں۔ آپؐ خود تشریف لائے اور اپنے ہاتھ میں کدال لیکر پتھر پر مارا، اس سے روشنی نکلی پھر جب دوبارہ مارا تو اس کو ریزہ ریزہ کردیا۔

ایک مرتبہ مدینہ میں یہ افواہ اڑادی گئی کہ دشمن مدینہ میں گھس آیا ہے۔ دشمنوں کی تو عادت ہی ہوتی ہے کہ افواہ اڑا کر لوگوں میں خوف و ہراس پھیلایا کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا گھوڑے پر سوار ہوکر پورے مدینہ کا چکر لگایا، کوئی ساتھ نہ تھا اور گھوڑا بھی وہ جس کے اوپر زین یا کپڑا وغیرہ نہیں تھا۔ آپؐ نے مدینہ میں گھوم کر فرمایا

کوئی دشمن وغیرہ نہیں آیا ہے، فکر کی ضرورت نہیں ہے، غزوۂ حنین میں جب بنوہوازن نے تیروں کی بارش کردی، بڑے بڑے دلیروں کے قدم اُکھڑ گئے، مسلمان میدان چھوڑنے لگے، ایسے وقت میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے، آپ لگام پکڑے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے کہ:

انا النبی لاکذب، انا ابن عبد المطلب۔ — میں سچا نبی ہوں اور عبدالمطلب سردار کا بیٹا ہوں۔

میں کوئی بزدل نہیں ہوں کہ پیچھے ہٹ جاؤں گا۔ حضرت عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں... کوشش کررہا تھا کہ حضورؐ کسی طرح آگے نہ جائیں، لیکن حضورؐ اپنی سواری آگے بڑھارہے تھے اور فرمارہے تھے کہ پیچھے ہونیوالوں کو بلاؤ، صحابہ کو آواز دو، حضرت عباس نے آواز لگائی اور صحابہ بھی لوٹ آئے، پھر اللہ نے مسلمانوں کو کامیابی سے ہم کنار کردیا غرض جو قوت آپؐ کو ملی تھی وہ کسی کو نہیں ملی تھی، شجاعت کا جو حصہ آپؐ کو ملا تھا وہ بھی صرف آپؐ ہی کا حصہ تھا۔ اس لئے حضورؐ کی قوت وشجاعت کا مقابلہ کون کرسکتا تھا اور اب بھی اس مرتبہ کو کون پہونچ سکتا ہے؟ حضورؐ کی رفعت وعظمت کو کون پاسکتا ہے؟

غلط عقائد

کچھ ناسمجھ اور بے عقل لوگ سیدھے سادے مسلمانوں کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کرتے رہتے ہیں کہ حضورؐ کو اتنی قوت دی گئی جتنی کسی کو نہیں دی گئی، جس طرح حضورؐ کو شفاعت وسفارش کا حق حاصل

ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو بھی سفارش کا حق حاصل ہے کہ وہ جس کیلئے بھی سفارش کریں، اللہ کے یہاں وہ سفارش ضرور ہی مقبول ہوگی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ لوگ کہتے ہیں حضرت علیؓ حوضِ کوثر پر کھڑے ہوں گے جس کو چاہیں گے حوضِ کوثر سے سیراب کریں گے، جس کو چاہیں گے محروم کردیں گے۔ جنت کے دروازے کی کنجی بھی حضرت علیؓ کے پاس ہوگی انہی کے اختیار میں جنت و جہنم کا داخلہ ہوگا، جس کو چاہیں جنت میں بھیج دیں اور جس کو چاہیں جہنم میں بھیج دیں۔

اس طرح کے غلط اور باطل عقائد روافض کے ہیں، افسوس کہ یہی عقائد آہستہ آہستہ مسلمانوں میں بھی جاگزیں ہوگئے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ کی اتنی بلند شان ہوسکتی ہے کہ جس کو چاہیں جنت میں داخل کردیں اور جس کو چاہیں جہنم میں داخل کردیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو ان سے بھی بڑی اور بلند تر ہے۔ آپؐ کے اختیار میں بھی جنت و دوزخ کا داخلہ ہوگا۔

شفاعت کے مستحق کون ہوں گے؟

یاد رکھیں! یہ عقیدے بالکل غلط ہیں جس کے بارے میں چاہیں جنت میں داخلہ کی سفارش کردیں یا جس کو چاہیں خود ہی جنت میں داخل کردیں۔ یہ مطلق العنانی کی حکومت وہاں نہیں ہوگی۔ یہ لاقانونیت وہاں نہیں چلے گی بلکہ سفارش ان ہی لوگوں کے لئے ہوگی جو مومن ہیں، ان ہی لوگوں کے لئے سفارش مقبول ہوگی جن کے بارے میں سفارش کرنے کی اجازت بارگاہِ ایزدی سے مل گئی ہو۔

حدیث میں ہے :

لاتنفع الشفاعۃ الا لمن اذن لہ ۔ (سبا/۲۳)

سفارش ان ہی لوگوں کیلئے نفع بخش ہوگی جن کی بابت سفارش کی اجازت مل گئی ہو۔

⁂ ⁂ ⁂

قرآن کہتا ہے :

من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ ۔ (بقرۃ:۲۵۵)

کون ہے جو اس کے دربار میں اسکی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے ۔

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لئے سفارش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے، لیکن مشرکین کے لئے سفارش کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، عام امتی تو دور کی بات ہے، خود انبیاء کو مشرکین کے لئے سفارش کی درخواست کرنے سے منع کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب چچا ابو طالب جیسے محسن و مربی اور کرم فرما جنہوں نے ہر آڑے وقت میں ساتھ دیا اور انکی زندگی بھر کسی کو براہِ راست آپؐ پر دست درازی کی جرأت نہ ہوئی اور جن کے سالِ وفات کو آپؐ نے "سالِ غم" قرار دیا) کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے سخت تنبیہ فرمائی اور آیت نازل ہوگئی کہ :

مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ ۔ (التوبۃ:۱۱۳)

نبی کو اور مؤمنوں کو زیب نہیں دیتی کہ وہ مجھ سے مشرکین کیلئے معافی مانگیں دراصل جن کی موت شرک کی حالت میں ہوئی ہو، ان کے لئے معافی مانگنا تقاضائے ایمان اور غیرت ایمان کے منافی ہے ۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے طوفان آنے پر اپنے بیٹے کے

لئے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہاری ذریت کو اس طوفان سے نجات دلا دوں گا۔ آپ کا وعدہ سچا ہے، میرا بیٹا بھی میری ذریت میں سے ہے۔ وہ طوفان میں ڈوبا جا رہا ہے۔ اسے بچا لیجئے اور اس کو نجات دے دیجئے۔ حضرت نوح کا یہ دعا کرنا دراصل وعدۂ خداوندی کی وجہ سے تھا، پھر بھی اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ میرا وعدہ واقعی سچا ہے لیکن تمہارا بیٹا تمہاری ذریت میں سے نہیں ہے۔ وہ تو کافروں میں سے ہے، کافر ایک نبی کی ذریت میں سے نہیں ہو سکتا۔ تمہاری ذریت میں تو وہ لوگ ہیں جو تم پر ایمان لائے، حضرت نوح کو اپنے بیٹے کے لئے سفارش کرنے سے منع کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو بھی دین کی دعوت دی لیکن انہوں نے حق بات قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ قتل کی دھمکی بھی دی، آپؑ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا:

سلام علیك ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیاً۔ (مریم/۴۷)

میرا سلام لو، اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

جدائی کے بعد اس وعدہ کے مطابق آپ برابر استغفار کرتے رہے لیکن جب انہوں نے یقینی طور پر جان لیا کہ ان کے باپ حق کی دشمنی سے باز آنے والے نہیں ہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے استغفار کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

ما كان استغفار ابراهیم لابیه الاعن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه (توبہ/۱۱۴)

ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے مغفرت مانگنا، وہ صرف وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں فرشتے آذر کو جہنم میں ڈال رہے ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ یا اللہ! تیرا وعدہ ہے کہ قیامت میں انبیاء کو رسوا نہیں کروں گا، اس سے بڑی رسوائی آج میری کیا ہوسکتی ہے کہ سب کے سامنے میرا باپ دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کی صورت مسخ کرکے بجّو (ضبع) کی صورت بنادی جائے گی، پھر فرشتے ان کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ شکل اس لئے بدل دی جائے گی تاکہ لوگ انہیں پہچان نہ سکیں۔ رسوائی تو جب ہوگی کہ لوگ انہیں پہچان سکیں۔ جب پہچان ہی نہیں سکیں گے کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی تو پھر بیٹے کی رسوائی کا کوئی سوال نہ ہوگا (ترجمہ شیخ الہند صـ۲۷۲)

اس لئے کوئی بھی کافر و مشرک ہو، ان کے لئے معافی کا کوئی سوال ہی نہیں، مشرکین کے لئے قیامت کے دن نہ کوئی دوست ہوگا نہ ہی مددگار وہ اگر ساری دنیا کو سونا بنا کر پیش کریں کہ یہ لے کر ایک دن کے عذاب کو ٹال دو تو یہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ مشرکین کا کوئی فدیہ بھی قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ بیوی، بچے اقارب و رشتہ دار اور رفقاء و احباب کسی کی بھی سفارش کارگر نہ ہوگی۔ جس کی موت کفر و شرک اور غیر اللہ کو مسجود بنانے کی حالت میں آئی ہو تو سمجھو کہ بات ختم ہوگئی، شفاعت و سفارش میں اس کا کوئی حق ہے ہی نہیں۔

شفاعت اور اس کی اقسام

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ شفاعت برحق ہے۔ ثابت شدہ امر ہے اور مختلف آیتوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے مثلاً قرآن مجید میں

فرمایا گیا:

لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔

اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے واسطے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کیلئے بولنا پسند کر لیا ہو۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (انبیاء: ۲۸)

بجز اس کے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔

⁂

یہ اور اس طرح کی کئی آیتیں شفاعت و سفارش کے حق ہونے کو بتاتی ہیں۔ شفاعت کے بارے میں صراحتاً احادیث بھی ملتی ہیں کہ گنہ گار مؤمنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل فرمائیں گے۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صلحاء و اتقیاء، فرشتے اور قرآن بھی سفارش کریں گے۔ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ آخرت میں پانچ طرح کی سفارشیں ہوں گی۔

ایک شفاعت میدانِ حشر میں پریشانی و ہولناکی، شدت و مصیبت سے نجات دلانے اور جلدی حساب و کتاب کے لئے ہوگی کہ قیامت کے دن کی سختی سے تنگ آکر لوگ آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا جو بھی انجام ہو، اللہ رب العزت سے جلد حساب و کتاب کے لئے سفارش فرما دیجئے۔ سبھی معذرت کر دیں گے اور اپنی بھول چوک کی وجہ سے اللہ کے جلال و غضب کا واسطہ دیتے ہوئے اپنی گرفت و مؤاخذہ کے خوف کا اظہار کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر میں مشورہ دیں گے کہ تم لوگ آخری نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس

جاؤ، آپؐ سفارش کے لئے سجدہ میں سر جھکائیں گے، عرصہ تک سر جھکائے رہیں گے۔ اللہ کی حمد وثناء بیان کرتے رہیں گے۔ باری تعالیٰ پوچھے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، میں عطا کروں گا جو سفارش کرو گے، قبول کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حساب وکتاب کے لئے سفارش فرمائیں گے۔ آپؐ کی یہ سفارش قبول ہو جائے گی اور پھر حساب وکتاب شروع ہوگا۔

دوسری سفارش وہ ہوگی کہ آپؐ کچھ لوگوں کے لئے حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کے لئے سفارش فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت آپؐ کی سفارش قبول فرما کر کچھ لوگوں کو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرمادے گا۔ اس سفارش کی اجازت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہوگی۔

تیسری قسم کی سفارش یہ ہے کہ وہ گنہ گار مؤمن بندے جو اپنی بداعمالیوں کے سبب جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کے لئے سجدہ میں چلے جائیں گے۔ سجدہ میں تسبیح وتحمید اور ثناء پڑھتے رہیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ سر اٹھاؤ، جو مانگو دیا جائے گا، جو سفارش کرو، قبول کیا جائے گا۔ آپؐ کی سفارش سے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جو جہنم کے مستحق ہو گئے تھے لیکن داخل نہیں ہوئے تھے جنت میں داخل فرمائے گا۔

چوتھی قسم کی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو خود کردہ معصیتوں اور گناہوں کے سبب جہنم میں ڈالے گئے، جہنم کی سزا بھگتتے رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے یہ لوگ جہنم سے نکال کر جنت

میں داخل کئے جائیں گے ۔ یہ وہ شفاعت ہے جو صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نہیں بلکہ صالحین، مؤمنین، قرآن، فرشتے وغیرہ بارگاہِ خداوندی میں کرسکیں گے ۔ اس شفاعت کے بعد اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جہنم سے نکالے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا جنہوں نے سچے دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھا تھا اور نیک اعمال نہیں کئے تھے ۔

پانچویں شفاعت وہ ہوگی جو اہلِ جنت کے درجات و مراتب میں اضافہ کے لئے ہوگی ۔ نبیؐ اہل جنت کے لئے درجات و مراتب میں زیادتی و اضافہ کے لئے بارگاہِ ایزدی میں شفاعت فرمائیں گے ۔ اللہ آپؐ کی سفارش سے ان کے مراتب بلند کرے گا۔[1]

بعض بدعقیدگیاں

بعض بے راہ اور بددین لوگوں کا خیال ہے کہ شفاعت ولی کے اپنے ہاتھ میں ہے، ولی اپنی سفارش سے اپنے تمام مریدوں کو لے کر سیدھا جنت میں چلا جائے گا ۔ اس کو نہ کوئی فرشتہ روک سکے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا ۔ یہ خیال فاسد ہے اور اس عقیدہ کا صحت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ بھلا جہاں انبیاء "نفسی نفسی" کہہ رہے ہوں گے کہ کہیں خدا یہ پوچھ نہ ڈالے کہ تم نے درخت کیوں چکھا تھا؟ اپنے بیٹے کے لئے بخشش کی دُعا کیوں مانگی تھی؟ خلافِ واقعہ بات کیوں کہی تھی؟ تو وہاں اولیاء و صلحاء کی کیا مجال ہے کہ اجازت خداوندی کے بغیر کسی کی سفارش کرسکیں ۔ اس قسم کے عقیدے رکھنا گمراہی ہے ۔

---

(۱) نووی علی مسلم ۱/۹۷۔

یہ صحیح ہے کہ انبیاء سے محبت ایمان کی علامت ہے، اولیاء سے محبت ایمان کی علامت ہے۔ اہل اللہ سے محبت ایمان کی علامت ہے، اللہ والوں سے تعلق ایمان کی علامت ہے اور ایمان کی آبیاری کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ اگر پانی سے درخت کی آبیاری نہ کی جائے تو سوکھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان کی آبیاری کے لئے اللہ کا ذکر اور اللہ کے اولیاء سے تعلق بھی ضروری ہے۔ اللہ والوں کی صحبت بھی ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے اختیارات چھین کر انبیاء کو دے دیں، پھر انبیاء سے اولیاء کو دے دیں، پھر وہاں سے عام بزرگوں اور پیروں میں تقسیم کر دیں۔

ہم عمر حوریں

آگے ارشادِ باری ہوا: عرباً اترابًا کہ وہ محبوبہ ہوں گی، ہم عمر ہوں گی۔ عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حوریں اپنے شوہروں کی محبوبہ ہوں گی، شوہر ان کے عاشق اور یہ اپنے شوہر کی عاشق ہوں گی۔ حضرت عکرمہؓ سے منقول ہے کہ وہ ناز و کرشمہ والیاں ہوں گی۔ "عرباً" اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر کا دل مٹھی میں رکھے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی خوش کلامی اور شیریں بیانی سے اپنے شوہروں کا دل موہ لیں گی۔ جب کچھ بولیں تو یوں معلوم ہو جیسے پھول جھڑ رہے ہوں۔ جب کچھ بات کریں تو یوں محسوس ہو کہ نور برس رہا ہے ابن ابی حاتم میں لکھا ہے کہ ان کو "عُرُب" اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان کی گفتگو عربی زبان میں ہوگی۔

"اتراب" کے معنی ہم عمر اور ہم جولی کے آتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دونوں کی عمر ایک ہوگی۔ دونوں تینتیس برس کی عمر کے ہوں گے، دونوں کی پسند ایک ہوگی، جس سے یہ بھی خوش وہ بھی خوش، جو اسے ناپسند اسے بھی ناپسند، ان میں باہم بغض وحسد اور کینہ وکدورت نہیں ہوگا، یہ سب آپس میں ایک ہی عمر کے ہوں گے تاکہ بے تکلفی سے ایک دوسرے سے ملیں جلیں، کھیلیں اور کودیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جنتی کو جنتی حوریں ملیں گی، سبھی ہم عمر اور ہم جولی ہوں گی اس لئے نہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کا سوال ہوگا اور نہ ان حوروں میں رشک ورقابت کے جذبات برانگیختہ ہوں گے۔ جس طرح وہ ہمیشہ جوان اور کنواریاں رہیں گی اسی طرح ان کے شوہر بھی جوان ہی رہیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہوکر رسیلے اور شیریں آواز میں گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی اور رسیلی آواز کسی نے کبھی بھی نہیں سنی ہوگی، وہ وہی گاتی ہوں گی جو اس سے قبل بیان کرچکا ہوں۔ ابویعلیٰ میں ہے کہ ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا کہ:

نحن خیرات حسان — ہم پاک صاف، خوش وضع اور خوبصورت عورتیں ہیں۔
جئنا لازواج کرام — ہم بزرگ اور باعزت شوہروں کیلئے آئے ہیں۔

اصحاب الیمین کیلئے

ارشاد ہوا کہ: "لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ" کہ یہ خاص اوصاف کی حامل حوریں ہم نے اصحاب الیمین کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ ان ہی کے لئے حفاظت سے رکھی گئی ہیں۔ ابن جریر وغیرہ نے کہا کہ اس کا تعلق انا انشأنٰھن سے

ہے۔ یعنی خاص وضع، خاص خلقت والی حوریں اصحاب الیمین کے لئے ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اتراب کی صفت ہو یعنی وہ اصحاب الیمین کی ہم عمر ہوں گی (۱) چنانچہ بخاری وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی، ان کے چہرے چودھویں رات کی مانند روشن ہوں گے۔ ان کے بعد والی جماعت کے چہرے بہت ہی چمکدار ستارے کی طرح روشن ہوں گے۔ پاخانے، پیشاب، تھوک اور رینٹ سے پاک ہوں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کے پسینے مشک کی خوشبو کی طرح ہوں گے، انکی انگوٹھیاں "لوٗلوٗ" کی ہوں گی، ان کی بیویاں حورِ عین ہوں گی۔ انکی سیرت و صورت، اخلاق و عادات ایک ہی شخص کی طرح ہوں گے۔ یہ سب اپنے باپ حضرت آدم کی شکل پر ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے ہوں گے (۲)

طبرانی میں ہے کہ اہلِ جنت بے بال، بے ریش، گورے رنگ والے خوبصورت اور خوب سیرت، سرمگیں آنکھوں والے، تینتیس برس کی عمر کے ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہونگے (۳) ایک روایت میں ہے کہ جنتی قدِ آدم، حسنِ یوسف، عمر عیسیٰ یعنی ۳۳ سال اور زبانِ محمدؐ (عربی) والے ہوں گے۔

انعامات میں فرق

مقربین اور اصحابِ یمین کے لئے جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے،

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۷۶۔

(۲) ابن کثیر ۴/۳۱۴۔ (۳) ابن کثیر ۴/۳۱۴۔

ان میں بظاہر فرق نظر نہیں آتا ہے لیکن اگر غائرانہ نگاہ ان نعمتوں پر دوڑائی جائے تو ان میں ایک باریک سا فرق ضرور نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ جن نعمتوں کا ذکر مقربین کے لئے کیا گیا ہے عموماً وہ ہیں جو تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ انسانوں کو مرغوب خاطر ہوتی ہیں مثلاً تخت، لباس ہائے فاخرہ اور مجلسیں جن میں ہر قسم کا سامانِ سرور ہے، اور جن نعمتوں کا ذکر اصحاب الیمین کے لئے کیا گیا ہے وہ ایسی ہیں جو عموماً ابتدائی مراحل پر انسان کی خوشی کا موجب ہوتی ہیں اور اس لئے دیہات کے باشندوں کیلئے ان میں لطف کا سامان ہوتا ہے جیسے بیریاں، کیلے اور گرتا ہوا پانی۔

یہاں بیری اور کیلے کے ذکر میں بھی ایک حکمت ہے۔ بیری ایسا درخت ہے جو خشک ترین مقامات میں ہو جاتا ہے اور کیلا زیادہ پانی والے علاقے میں ہوتا ہے اور اسی لئے دریا کے کنارے میں کیلے کے باغ زیادہ تر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اصل میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر قسم کے پھلوں کے درخت ہیں۔ سورۂ رحمٰن کے آخری رکوع میں بھی اس قسم کا فرق دونوں قسموں کے باغ میں رکھا ہے مثلاً پچھلے باغوں کی سرسبزی کی طرف زیادہ توجہ دلائی ہے، اور پھلوں کی کثرت، درختوں اور شاخوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ پچھلے باغوں میں چشمے جوش مار رہے ہیں جو نظارہ جنگلوں اور پہاڑوں کا ہے۔ پھلوں میں وہ بہ رہے ہوں گے، پچھلے باغوں میں جو حور ہیں وہ خیموں میں ہیں اور پھلوں میں خیموں کا ذکر نہیں ہے۔ اور یوں مقربین کی ترقی روحانی کی وجہ سے ان کے لئے ترقی یافتہ قوموں کی راحت کے سامانوں کا ذکر ہے اور اصحاب الیمین کی ابتدائی حالت کی وجہ سے ان کے لئے انہیں راحت کے سامانوں کا ذکر

ہے جن سے ترقی کے ابتدائی مراحل کی قومیں زیادہ مانوس ہوتی ہیں۔

اگلوں اور پچھلوں دونوں ہی میں اصحاب الیمین

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ، اصحاب الیمین پہلوں میں سے بھی بہت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہیں۔ واحدی کہتے ہیں کہ اہلِ جنت میں سے آدھے سابقہ امتوں میں سے ہوں گے اور آدھے امتِ محمدیہ میں سے ہوں گے۔(۱)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَ	اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں
مِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ	گی، اسّی صفیں اس امت کی ہوں گی
الْاُمَّةِ وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ۔	اور چالیس صفیں سابقہ امتوں کی ہونگی

اس روایت سے گو کہ واحدی کے قول کی بظاہر تردید ہو رہی ہے لیکن کلیتہً بھی نہیں، اس لئے کہ فرمانِ نبوی سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب الیمین کی دو جماعتیں ہوں گی، ایک امتِ محمدیہ میں سے، دوسری سابقہ امم میں سے ہوگی۔ پس "ثلۃ من الاولین" سے سابقہ امم اور "ثلۃ من الاٰخرین" سے آخری امت مراد ہے ——— لیکن خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: هما جميعاً من امتی، دونوں ہی جماعتیں میری ہی امت میں سے ہوں گی (۲)

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۱۲۔
(۲) حوالۂ مذکور۔

کتبِ حدیث میں اور بھی حدیثیں بہ کثرت ملتی ہیں کہ اصحاب الیمین کی ان دونوں جماعتوں سے مراد اسی امت کی دو جماعتیں ہیں۔ سابقہ امم نہیں ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: میرے سامنے اپنے تابعداروں کے ساتھ تمام انبیاء پیش ہوئے۔ بعض نبی گذرتے تھے اور ان کے ساتھ صرف ایک جماعت ہوتی تھی، بعض نبی کے ساتھ صرف تین آدمی ہوتے تھے، بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ لوط علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے تم کو بتا دیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا الیس منکم رجل رشید کیا تم میں سے ایک بھی رشد و سمجھ والا نہیں ہے؟ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) گذرے اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے گذرے میں نے کہا کہ یارب! پھر میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنے داہنی جانب نیچے کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی لوگوں کے چہرے دمک رہے تھے۔ پھر مجھ سے پوچھا اب تو خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں خدایا خوش ہوں۔ پھر مجھ سے فرمایا: اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے پھر مجھ سے اللہ نے پوچھا اب تو راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں۔ اور سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ جو بدری صحابہ میں سے تھے، کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی انہی میں شامل کر دے۔ آپؐ نے دعا فرمادی ایک اور شخص کھڑے ہو گئے اور کہا اے اللہ کے نبیؐ! میرے لئے بھی

دعا فرما دیجئے، آپؐ نے فرمایا، عکاشہ تم پر سبقت لے گئے، پھر آپؐ نے فرمایا: لوگو! اگر تم سے ہو سکے تو ان ستر ہزار لوگوں میں سے بنو، جو بے حساب جنت میں جائیں گے ورنہ کم سے کم داہنی جانب والوں میں سے ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے ہو جاؤ، میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنی دنیا ہی میں الجھ جاتے ہیں۔
پھر فرمایا: مجھے امید ہے کہ اہلِ جنت کی چوتھائی تعداد صرف تمہاری ہی ہو گی۔ ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر فرمایا بلکہ مجھے امید ہے کہ تم لوگ جنت کے تہائی ہو گے۔ ہم لوگوں نے پھر صدائے تکبیر بلند کی، فرمایا اور سنو! تم اہلِ جنت کے نصف ہو گے، پھر ہم نے بلند آواز سے تکبیر کہی، اس کے بعد حضورؐ نے اسی آیت "ثلة من الاولین و ثلة من الآخرین" کی تلاوت فرمائی۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ ستر ہزار لوگ کون ہوں گے۔ ہم لوگوں نے کہا وہ لوگ جو اسلام ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے اور شرک کے مرتکب نہ ہوئے ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو داغ نہیں لگواتے جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔ (درمنثور ۸/ ۱۹)

(اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ان جماعتوں میں شامل کر کے ان بیش بہا نعمتوں کا مستحق بنائے)

مرتّب

درس ۴۷

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۝
وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ۝ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۝ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۝
وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۝
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا
الضَّآلُّوْنَ الْمُکَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ
شُرْبَ الْهِیْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝

(۴۰ ——— ۵۶)

(ترجمہ) اور جو بائیں والے ہیں، وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں؟ وہ لوگ آگ اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا۔ وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور بڑے بھاری گناہ (یعنی کفر و شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے، ایک معین تاریخ کے وقت پر، پھر (جمع ہونے کے بعد) تم کو اے گمراہو! جھٹلانے والو! درخت

زقوم سے کھانا ہوگا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا، پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا۔ غرض ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

پہلی آیتوں سے ربط

قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ جہاں وہ ایمان اور اہلِ ایمان کا ذکر کرتا ہے وہیں کفر اور اہلِ کفر کا بھی ذکر کرتا ہے، جہاں توحید کا ذکر کرتا ہے وہیں شرک کا بھی ذکر کرتا ہے، جہاں جنت اور اہلِ جنت کا ذکر چھیڑتا ہے وہیں جہنم اور اہلِ جہنم کا بھی ذکر چھیڑتا ہے، پورے قرآن کا آپ مطالعہ کر جائیں، ہر جگہ یہ اسلوب تقدیم و تاخیر کے ساتھ واضح طور پر آپ محسوس کریں گے اسی معروف اسلوب کے مطابق اس سورت میں پہلے جنت اور اہلِ جنت کی نعمتوں اور آرائشوں کا ذکر کیا تھا تو اب جہنم اور جہنم میں جانے والوں کی سزاؤں اور سامانِ ضیافت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

بائیں والے

چنانچہ یہاں سے ان لوگوں کا حشر بیان کیا جا رہا ہے جو بدبخت، کافر، مشرک اور منافق ہیں، جن کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑایا جائے گا، ان کے عذاب کا اندازہ کرنا بھی ناممکن ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اصحاب الشمال ما اصحاب الشمال، بائیں والے کیسے ہیں، وہ کتنے برے ہیں؟ انکی شقاوت و بدبختی عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ پھر بھی لوگوں کی تفہیم، جہنم اور اس کے عذاب سے ڈرانے کیلئے اگلی چند آیتوں میں اس کی ہلکی سی عکاسی کی گئی ہے۔

گرم ہوا اور گرم پانی

ارشاد فرمایا: فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ وہ سموم اور حمیم میں ہوں گے۔
"سموم" اس ہوا کو کہتے ہیں جس میں آتشیں کیفیت پائی جاتی ہو۔ آج کل اردو زبان میں اس کو "لُو" کہتے ہیں۔ اگر کسی کو لو لگ جائے تو اس کے دل اور پورے جسم پر آگ کی سی جلن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بہت ہی تکلیف دہ کیفیت ہوتی ہے۔ اس تکلیف کی تاب نہ لاکر وہ مر بھی جاتا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ جہنم کے عذاب کی جو نظیریں دنیا میں ملتی ہیں وہ نقلی ہیں اور اس تکلیف اور سزا کی اصل حقیقت کی تعبیر آخرت میں معلوم ہو گی، اس طرح دنیاوی لو کی کیفیت جسے ہم اور آپ سب جانتے ہیں، یہ نقل ہے اور جہنم میں یہ لو اصلی ہو گی اور اس سے زیادہ شدت یہ ہے کہ دنیا کی لو اور سخت گرمی سے تھوڑی دیر سوزش اور جلن کے بعد آدمی مر جاتا ہے اور لُو کی وجہ سے ہونے والی شدت و پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ برخلاف جہنم کی گرمی اور لو کے کہ اس کی حرارت میں شدت تو کہیں زیادہ ہو گی ہی، ساتھ ساتھ یہ حرارت کبھی بھی کم نہیں ہو گی اور اس کی گرمی و حرارت اور شدت سے موت بھی نہیں آئے گی۔

حمیم نہایت گرم پانی کو کہتے ہیں جیسے دنیا میں بہت سخت کھولتا ہوا پانی دیکھا گیا ہو ——— یہاں بھی دنیا کا گرم پانی آخرت اور جہنم کے حمیم و گرم پانی سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ دنیوی آگ سے گرم ہونے والی ہوا ہے اور وہ جہنم کی آگ سے گرم کی گئی ہے۔

غرض کہ جہنمی جہنم میں کس حالت میں رہیں گے؟ فرمایا کہ وہ لُو کی گرمی، شعلوں کی لپٹ اور گرم پانی کے عذاب میں ہوں گے۔ جب گرمی کی تکلیف سے انہیں شدت سے پیاس کا احساس ہو گا، پیاس بجھانے کے

لئے پانی کی طرف بھاگیں گے۔ اسی حالت میں بہت دور سے پانی نظر آئے گا جب آدمی کو سخت پیاس لگتی ہے اور پانی نہیں ملتا ہے تو اس حالت میں وہ یہ نہیں دیکھتا کہ پانی پاک ہے یا ناپاک، صاف ہے یا گندا؟ جو بھی ملتا ہے وہی پی لیتا ہے۔ جہنمیوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ جب پانی کی تلاش میں نکلے گا تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی ملے گا۔ وہ پیاس بجھانے کے لئے اس کو پینے لگے گا تو منھ کے قریب آتے ہی اس کے چہرے کی پوری کھال پانی کے پیالہ میں گر پڑے گی اور یہ پانی اس کے سر پر بھی ڈال دیا جائے گا۔ جو اس کے دماغ کی طرف سے پیوست ہو کر آنتوں میں اترے گا اور آنتیں کٹ کر نیچے بہہ جائیں گی ——— اس طرح کا معاملہ ایک ہی بار نہیں بلکہ بار بار ہوگا۔ گرمی سے تنگ آکر پانی کے پاس جائیں گے اور گرم پانی کی تکلیف سے بھاگ کر دوسری جگہ جائیں گے، اسی طرح ہوتا رہے گا۔ موت بھی نہیں آئے گی کہ کسی طرح اس عذاب سے نجات مل جائے۔ جو کھال گرم پانی سے گر جائے یا آنتیں کٹ کر گر پڑیں، اسی وقت اس کے مثل کھال اور آنتیں تیار ہو جائیں جبکہ دنیا کے گرم پانی سے آبلہ آجائے تو زیادہ سے زیادہ ایک دو دن تکلیف رہتی ہے اور دور ہو جاتی ہے ——— غرض جہنم والے جس حالت میں رہیں گے ان کا ایک نمونہ یہ ہے کہ بادِ سموم چل رہی ہوگی اور پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

سایہ ——— جو سودمند نہیں ہوگا

جہنمیوں کے عذاب کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ ظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ۔ ان پر سموم کا سایہ ہوگا جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش

ہوگا۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "یحموم" وہ سایہ ہے جو دھوئیں کی وجہ سے ہو، جب کثرت سے دھواں جمع ہو کر اٹھتا ہے تو اس سے سایہ پڑتا ہے (۱)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ "یحموم" جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور دوزخ والے اس کے سایہ میں جانے کے لئے درخواست پیش کریں گے (۲) مطلب یہ کہ جہنمی لوگ اپنی بدحواسی اور سخت بے چینی کے عالم میں سایہ کی طرف دوڑیں گے، وہ سمجھیں گے کہ یہ رحمت والا سایہ ہے۔ لیکن ان کے گمان کے برخلاف وہ سایہ خراب، کالا اور ہولناک سایہ ہوگا، نہ اس میں کوئی خوبی ہوگی اور نہ وہ ٹھنڈا ہوگا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جہنم خود بھی سیاہ ہے اور ان کی تمام چیزیں بھی سیاہ ہیں (۳)۔ اس طرح اس کا سایہ بالکل سیاہ ہوگا۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عربی محاورہ میں "لا کریم" کا لفظ زیادہ تر خوبی کی نفی کرنے کے لئے آتا ہے مثلاً کہتے ہیں: ھذا لیس بطیب ولا کریم۔ یہ چیز نہ طیب ہے اور نہ ہی کریم ہے۔ ھٰذا اللحم لیس بسمین ولا کریم۔ یہ گوشت موٹا تازہ نہیں ہے اور نہ کریم ہے۔ ھٰذا الدار لیست بنظیفۃ ولا کریم۔ یہ گھر پاکیزہ وصاف ستھرا اور کریم نہیں ہے۔

اس محاورہ کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں کسی طرح کی خوبی موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی قدر ومنزلت ہے۔ پس لا بارد ولا کریم سے بھی ہر طرح کی خوبی کی نفی ہوگئی کہ اس ہوا، پانی اور

---

(۱) درمنثور ۸/۲۰۔

(۲) قرطبی ۱۷/۲۱۳۔

(۳) حوالۂ مذکور۔

سایہ میں نہ ٹھنڈک ہے اور نہ کسی قسم کی راحت ہے۔ اس لئے وہ ہر طرح سے بدتر ہے (۱) وہ سایہ ان تمام خوبیوں سے محروم ہوگا جو ایک سایہ میں ہونی چاہیئے، سایہ میں اصل چیز ٹھنڈک ہوتی ہے لیکن دھوئیں کے اس سایہ میں وہ تمام اذیتیں ہوں گی جو دھوئیں میں ہوتی ہے۔ کوئی ٹھنڈک نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض دوسری منفعتوں اور فوائد کا بھی امکان ہوسکتا تھا مثلاً شعلوں کی لپٹ ہی سے ذرا اس کے سایہ میں امان ہوجائے یہ سہولت و منفعت بھی اس کو میسر نہ ہوگی۔

جہنم میں داخلہ کے بنیادی اسباب

ان کو جہنم میں کیوں داخل کیا جائے گا اور وہ ان دردناک سزاؤں کے مستحق کیوں ہوئے؟ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کی طرف اگلی چند آیتوں میں توجہ دلائی ہے:

۱۔ خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ۔ یہ لوگ اس سے قبل بڑی خوش حالی میں رہتے تھے، اسراف کرتے تھے، یہ لوگ اپنی خواہشوں کے مطابق ہر طرح کی لذتیں اٹھاتے تھے، دنیا میں خدا کی جو نعمتیں ملیں، ان میں یہ مست ہوگئے۔ خدا کی نعمتوں کا استعمال اس انداز سے کرتے جو حلال نہیں، سینما بینی، آوارہ گردی قحبہ خانوں میں شب باشی، ٹی وی، وی سی آر وغیرہ وغیرہ ہر وہ چیز

(۱) ابن کثیر ۴/۳۱۵۔ ، مواہب الرحمٰن ۲۰/۲۸۶۔

جو ذہنی و جسمانی عیاشی کے لئے تیار کئے گئے ہیں، میں دولت کا بے جا استعمال کیا۔ ان نفسانی خواہشوں میں اس طرح منہمک ہوئے کہ فسق و فجور سے باز آنے کا خیال بھی نہ آیا، توبہ نہیں کی۔ اپنے انجام سے بے فکر رہے اور نتیجۃً اللہ نے آج جہنم میں داخل فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے مترفین کا معنی "اسراف کرنے والے" بعض نے "تکبر کرنے والے" اور عدی نے "شرک کرنے والے" کیا ہے(۱)!

مفسرین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ "مترف" ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اعتدال و میانہ روی چھوڑ کر اسراف کیا کرے، مطلب یہ ہے کہ پہلے ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اعتدال کی راہ چھوڑ کر اسراف اختیار کیا تھا اور یہ ہر چیز میں ہو سکتی ہے مثلاً ہر فرد بشر کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کی عبودیت و غلامی میں رکھے۔ جب اس نے بندگی سے سرکشی کی اور اس کے سامنے سر نہیں جھکایا تو یہ تکبر اور اتراف ہے۔ اسی طرح خداوند قدوس کو یکتا اور بے ساجھی و شریک ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے لیکن جب کوئی برائے نام اس کا نام لے اور اس کے ساتھ شرک کرے تو یہ اتراف ہے۔ اسی طرح دنیا کی چیزوں کو یہ سمجھتے ہوئے برتنا کہ دنیا میں یہ چیزیں ہمیں فقط چند روزہ زندگی بسر کرنے کے لئے دی گئی ہیں۔ یہ زندگی سامان جمع کرنے کیلئے نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دنیوی اسباب و سامان کو اس طرح برتے کہ اپنے لئے بڑے بڑے مکانات آرائش کے لئے بنائے، زیبائش و

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۱۳۔

آرائش میں وقت گذارے تو اس نے اتراف کیا کہ یہ آخرت سے انکار ہے اور اتراف ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان جو آخرت پر مکمل یقین رکھتے ہیں اگر وہ بھی دنیا طلبی میں لگ جائیں، اللہ کی نعمتوں کا بے جا اور بے محل خرچ کریں اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع میں حد سے گذر جائیں تو اللہ نے ان کی سختی سے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ لوگ "اخوان الشیاطین" یعنی شیطان کے بھائی ہیں۔ شیطان کے اصل بھائی تو کافر لوگ ہیں لیکن اسراف و اتراف کی وجہ سے مؤمنوں کی بھی شیطان کا بھائی کہہ کر مذمت کی گئی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اتراف و اسراف ایسی بُری چیز ہے کہ مؤمنوں کی بھی زجر و توبیخ کی گئی تو پھر کفار، یہود و نصاریٰ اور اہلِ باطل جو دینی، اخلاقی، اعتقادی، سماجی اور معاشی ہر اعتبار سے اتراف و اسراف میں مبتلا ہیں ان کا انجام کیا ہوگا، جہنم کے کس گڑھے میں جائیں گے؟ قرآن نے اس کی ہلکی سی عکاسی کی ہے، اصل حقیقت کا تو وہاں پتہ چلے گا۔

۲۔ شرک اور گناہوں پر اصرار

قرآن نے ان کے جہنم میں داخل ہونے کی دوسری وجہ یہ بتائی ہے کہ كَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ وہ لوگ بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں پر حنثِ عظیم سے مراد شرک ہے (۱) اس لئے کہ اللہ نے عہدِ "اَلَسْتُ" میں اپنی خدائی و ربوبیت پر تاکیدی عہد لیا تھا اور وہ عہدِ عظیم تھا۔ پس خدا کی معبودیت و ربوبیت اور اس کی وحدانیت کے خلاف عقیدہ رکھنا اور عملاً و اعتقاداً دوسروں

(۱) قرطبی ۱۷/۲۱۳۔

کو خدائی صفات کا حامل سمجھنا شرک اور جنحث عظیم ہے۔ اور اس پر اصرار یہ ہے کہ مدتِ دراز تک ان کو زندگی دی گئی مگر کبھی بھی انہوں نے توبہ نہیں کی اور شرک سے باز نہیں آئے اور مزید اصرار اور ہٹ دھرمی کرتے رہے۔ اصل میں گناہ پر اصرار کے معنی یہ ہیں کہ گناہ سرزد ہو لیکن اس کی کچھ بھی پروا نہ ہو، جب کوئی شخص گناہ کو دوبارہ اس طرح کرے کہ پہلے گناہ سے اس کو کچھ بھی پروا نہ ہو تو یہ اصرار ہے اور اس سے اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا دل اندر سے کافر ہے اور اگر گناہ سے خوف و جھجک پیدا ہو اور ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے اور توبہ کرلے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر ایمان موجود ہے اگرچہ غفلت و کوتاہی کی وجہ سے دوبارہ گناہ بھی اس سے سرزد ہو جائے لیکن اگر وہ ہر گناہ پر پشیمان اور نادم و شرمندہ ہو جاتا ہے تو یہ اصرار نہیں ہے۔ اور اس میں نورِ ایمان موجود ہے۔

حدیث میں آتا ہے گناہوں پر اصرار کرنے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی بھلائی و بہتری نہیں سماتی ہے۔.....

..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بوڑھے بنی اسرائیلیوں کو گناہوں کی وجہ سے جنگل میں قید کر دیا گیا تھا۔ پھر جب وہ لوگ جنگل ہی میں مر گئے تو نوجوانوں کو ساتھ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کیا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ گناہوں کی وجہ سے ان بوڑھوں کے دل سخت ہو گئے تھے اور سب سے بدترین گناہ یہ ہے کہ اللہ کی خدائی و یکتائی میں کسی کو شریک ٹھیرائے۔

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ بھی اس کی تفسیر شرک سے

کرتے تھے ——— یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ ایمان کے مقابلہ میں "حنثِ عظیم" شرک ہے اور اعمال کے مقابلہ میں "حنثِ عظیم" یہ ہے کہ اللہ کی جھوٹی قسم کھائی جائے۔ مثال کے طور پر ایک شخص جانتا ہے کہ اس نے کل گذشتہ ایسا کام کیا تھا، پھر بھی وہ قسم کھائے کہ میں نے ایسا کام نہیں کیا ہے تو اس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا جب کوئی شخص اس طرح گناہوں کا ذخیرہ جمع کرتا ہے اور قلب سیاہ ہوجاتا ہے پھر نور کی راہ بالکل بند ہوجاتی ہے اس کے بعد وہ شخص صرف انہی باتوں کو سمجھ سکتا ہے جو دماغی حواس سے تعلق رکھتے ہوں اور جو باتیں عقلِ روحانی سے تعلق رکھتی ہیں وہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آسکتیں ——— غرض ان لوگوں کو جو جہنم میں ڈالا گیا اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اعتقادی اعتبار سے وہ اللہ کی الوہیت، وحدانیت اور عملی اعتبار سے معاصی و نافرمانی پر اصرار کرتے تھے۔

۳۔ حشر و نشر سے انکار

اگلی آیت میں ان کے تیسرے بڑے جرم کی نشاندہی فرمائی گئی کہ بڑے تعجب سے کہتے تھے ایک شخص مر سڑ کر کیوں کر دوبارہ پیدا ہوسکتا ہے؟ وہ آخرت اور جزا و سزا کے اس بنا پر منکر تھے کہ ان کے نزدیک سڑ گل کر دوبارہ زندہ ہونا ایک ناممکن بات تھی۔ وہ نہایت ہی تعجب سے کہتے کہ جب ہم مرجائیں، سڑ گل کر جسم خاک ہوجائے ہڈیاں نکل آئیں اور وہ ہڈیاں بوسیدہ بھی ہوجائیں تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ اور اسی لئے جب ان کے سامنے

حشر ونشر، حساب وکتاب کا ذکر آتا تو وہ شدت سے انکار پر اُتر آتے اور اس کا استہزار کرتے، اسی کو قرآن نے یوں کہا کہ: وَكَانُوا يَقُولُونَ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ۔ آگے ارشاد ہوا کہ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو اور بھی محال اور حیرت انگیز بات ہے، ہم اگر مر گئے تو دوبارہ زندہ کرنا اس لئے ممکن ہوسکتا ہے کہ چند روز ہی کے مرے ہوں گے، کسی ترکیب سے شاید دوبارہ اٹھا دیئے جائیں لیکن ہمارے وہ باپ دادا جو برسوں اور صدیوں پہلے اس دنیا سے چلے گئے، ان کو دوبارہ زندہ کرنا تو بالکل ہی محال اور انہونی بات ہے اور جو لوگ اس سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ ہم کو محض دھوکہ دے کر بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اس قسم کی باتیں دماغ میں اس لئے بیٹھتی ہیں کہ آدمی اللہ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان ہو تو پھر ان چیزوں کے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اَب ہم مسلمان ہیں، ہمیں کہا گیا کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ہم نے جواب دیا کہ آمنّا صدّقنا۔ اس حکم کے سامنے ہم سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی خلجان نہیں، جب اللہ نے فرمادیا، حضورؐ نے فرمادیا کہ اللہ تو قدرتِ کاملہ رکھتے ہیں، وہ جو چاہیں کرسکتے ہیں، اس لئے مسلمان کو تو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ البتہ جن کا خدا پر، انبیاء پر ایمان نہ ہو، کبھی مورتیوں کے سامنے، کبھی پتھروں کے سامنے، کبھی سانپوں کے سامنے، کبھی گائے کے سامنے کبھی انسان کے سامنے سر جھکاتے ہوں اور ان کی عبادت کرتے ہوں

ان کو دوبارہ زندہ کیا جانا حیرت میں ڈالتا ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ جب آدمی مرگیا ہو، مٹی ہوگیا ہو، گل سڑ گیا ہو تو وہ کیسے اٹھے گا؟

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اصحاب الیمین کا ذکر آیا تھا، وہاں ان کے جنت میں داخل ہونے کا سبب بیان نہیں کیا گیا ہے جب کہ "اصحاب الشمال" کے جہنم میں داخل ہونے کے اسباب قرآن مجید نے ذکر کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ امام رازی نے اس کا جواب دیا ہے کہ بندوں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت ہے اور عذاب محض عدل و انصاف ہے۔ فضل و رحمت میں ....کوئی وجہ بیان کی جائے یا نہ کی جائے، کبھی یہ گمان نہیں ہوگا کہ اس فضل کے عطا کرنے میں کچھ بھی ظلم ہوا ہے۔ اس کے برخلاف عدل کے ساتھ مجرم کو سزا دینے میں وجہ بیان کر دینی چاہیئے تاکہ مجرم کو یہ وہم نہ ہو کہ مجھ کو بلا وجہ سزا دی گئی۔

اصحاب الیمین کی بخشش محض فضل و رحمت ہے، اگر غور کیا جائے تو انسان سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہیں وہ اس کی زندگی اور تندرستی کا بھی حق ادا نہیں کر سکتیں، انسان کی ساری عبادتیں اللہ کی معمولی سے معمولی نعمتوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ عبادت کے ذریعہ اپنی زندگی اور صحت و تندرستی کا کماحقہٗ حق ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے، دو دو سو برس کی عبادتیں ایک گھونٹ پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

سابقہ امتوں میں ایک عابد کا مشہور واقعہ اسی فضل و انعام کا احساس دلانے کے لئے حدیث میں آیا ہے کہ ایک عابد نے چار سو برس

عبادت کی اور اللہ نے پہاڑ پر میٹھا اور خوشگوار پانی والا ایک چشمہ نکال دیا تھا اور ایک انار کا درخت پیدا کر دیا تھا جو ہمیشہ پھل لاتا تھا، عابد کو ہر روز اس میں پختہ پھل مل جاتا تھا۔ قیامت کے روز اس سے ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ کو اپنے فضل سے بخش دیا، جاؤ! جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عابد کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ میں نے اتنے دنوں تک اللہ کی عبادت کی تھی، آج یہ ارشادِ باری ہو رہا ہے کہ جاؤ ہم نے تجھ کو اپنے فضل سے بخش دیا، اللہ کی طرف سے اس کے محاسبہ کا حکم ہوگا، وہ اپنے حساب میں پکڑا جائے گا۔ چند دنوں سزا پانے کے لئے وہ جہنم بھیج دیا جائے گا۔ جب جہنم کی طرف چلے گا تو جہنم کی آگ کی حرارت اور گرمی سے اس کو پیاس کی شدت محسوس ہوگی، اسی وقت انسان کی شکل میں ایک فرشتہ ایک پیالہ پانی لئے ہوئے ادھر سے گذرے گا، یہ شخص پیاس کی شدت سے تنگ آکر اس سے پانی مانگے گا لیکن وہ کہے گا کہ اس کی قیمت ادا کئے بغیر پانی مل نہیں سکتا، وہ کہے گا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کہے گا کہ اچھا اپنی عبادت دے دو اور دو سو برس کی عبادت کے بدلہ ایک گھونٹ پانی دینا منظور کر لے گا، یہ کہے گا کہ میں نے نفس کی مخالفت کر کے، دنیا کو لات مار کر بڑی مشقت و محنت سے ان عبادتوں کو کیا ہے۔ اس کو کسی بھی شکل میں ضائع کرنا نہیں چاہتا، وہ عبادتیں دیکر پانی خریدنے سے انکار کر دے گا، بالآخر کچھ دور چل کر پیاس کا شدت سے احساس ہوگا وہ بے تاب ہو کر قبول کر لے گا کہ خیر دو سو برس کی عبادت ابھی باقی رہے گی، جب وہ پیالہ کا پانی پی کر آگے بڑھے گا تو دوزخ کی گرمی تیز

ہوگی اور اس کی پیاس میں بھی شدت ہو جائے گی۔ وہاں پر بھی انسان کی شکل میں ایک فرشتہ پانی کا پیالہ لئے ہوئے ملے گا، وہ بھی دو سو برس کی عبادت کے بدلہ ایک گھونٹ پانی دینا منظور کر لے گا، پیاس سے بے تاب اور مجبور ہو کر باقی دو سو برس کی عبادت کے بدلہ بھی پانی کا پیالہ خرید لے گا۔ اس کے بعد اس کو مایوسی ہوگی اور اس کو اپنی حقیقت کا پتہ بھی چل جائے گا۔ اس وقت اس کو خیال آئے گا کہ وہ نفیس، سرد اور خوشگوار چشمہ کا پانی اور تروتازہ انار کس قیمت کا تھا؟ اس پریشانی کے عالم میں اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوگی اور حکم ہوگا کہ اس کو پھر میرے پاس لاؤ اور ارشاد ہوگا، جا میں نے تجھ کو اپنی فضل و رحمت سے بخش دیا، اور جنت میں داخل کر دیا۔ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! اول و آخر سب تیری ہی رحمت ہے اس کو عبادت واپس مل جائے گی اور اسی کے مطابق جنت میں درجہ بھی پائے گا۔ (مواہب الرحمان ۲۷/۲۸۸)

غرض اگر انسان غور کرے تو اس کو احساس ہوگا کہ ہر ہر سانس کے بدلہ خدا کا شکر بجالانا واجب ہے۔ پھر پیدائش کا شکر کس طرح سے ادا کر سکتا ہے؟ اگر پوری عمر عبادت کرتا رہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی انسان عبادت سے سرمو انحراف نہ کرے، دن و رات ہر وقت بلا ناغہ عبادت ہی میں مصروف رہے تو اس عبادت سے سانس چلنے کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ زندگی، آنکھ، کان، ناک وغیرہ کا شکر ادا کرنا، یہ تو دور کی بات ہے۔ اس لئے اگر انسان سے حساب و کتاب کا معاملہ کیا جائے، اس سے اللہ کے یہاں پوچھا جائے کہ تم کو

پینے کے لئے پانی دیا تھا، اس پانی کا شکر کس طرح ادا کیا؟ آنکھ دی تھی اس کا تم نے کیا شکر ادا کیا؟ کان دیئے تھے، تم نے اس کا شکر کیا ادا کیا؟ پہننے کے لئے کپڑے دیئے تھے، اس کا شکر کیوں کر ادا کیا؟ غرض اس سے ہر ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے کہ تم کو فلاں فلاں نعمتیں دی تھیں، تم نے اس کا کیا شکر ادا کیا؟ تو ظاہر ہے کہ بندہ اس سوال کا جواب دینے سے عاجز رہے گا، وہ لاجواب ہو جائے گا اور وہ جواب ہی کیا دے سکے گا جب کہ پوری عمر عبادت کر کے ایک سانس کا بھی آدمی شکر ادا نہیں کر سکتا تو دوسری نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے؟... پس جنت میں جس کو بھی داخل کیا جائے وہ محض اللہ کا فضل و انعام ہے، اسی لئے ان کے جنت میں داخل کئے جانے کی وجہ بیان نہیں کی، برخلاف اصحاب الشمال کے کہ ان کے انجام کے اسباب بھی بیان کر دیئے کہ یہ لوگ دنیا میں ایسے اترائے اور اس طرح دنیا میں لگ گئے کہ اللہ کی شانِ الوہیت بھول گئے اور آخرت سے انکار کر کے دنیا پر مست ہو گئے، اس لئے ان کو جہنم کا مستحق قرار دیا، پس ان کا جہنم میں داخل کیا جانا عینِ عدل اور تقاضائے انصاف ہے۔

کفار کو تنبیہ

اگلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ یہ کفار و مشرکین جو دوبارہ اٹھائے جانے کو محال سمجھتے ہیں۔ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ ابتدائے آفرینش سے لیکر قیامت تک کے تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا

ایک مقررہ اور متعینہ وقت پر انہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا اٹھانا بھی کمالِ قدرت ہے اور میدانِ حشر میں جمع کرنا بھی کمالِ قدرت ہے لیکن یہ بات کہ قبروں سے اٹھانا اور ایک میدان میں جمع ہونے کا واقعہ کب پیش آئے گا؟ فرمایا کہ وہ متعینہ وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ بعض اشیاء کا علم بندوں کو نہ دینا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ بسا اوقات انسان کو علم بھی نہیں ہوتا اور بڑی سے بڑی مصیبت گذر جاتی ہے۔ آپ سفر میں ہوتے ہیں، گھر میں کوئی حادثہ ہوگیا لیکن آپ کو اس وقت اس کا علم نہیں ہو پاتا، اس کا علم دینا قدرت کو منظور ہی نہیں تھا، ہوسکتا تھا کہ آپ اگر وہاں موجود ہوتے تو آپ برداشت نہ کر پاتے لیکن بعد میں آپ کو اس کا علم ہوا، بعد کو خبر ہوئی تو آپ نے اللہ کی مرضی سمجھ کر صبر کرلیا۔

بندوں کو موت کا علم نہ دیئے جانے کی حکمتیں

اگر ہمیں موت کا علم ہو جائے کہ کب مرنا ہے؟ تو زندگی گذارنا مشکل ہو جائے، کسی کو بتا دیا جائے کہ اس کو پچاس سال بعد مرجانا ہے اس کے لئے یہ پچاس سال جہنم معلوم ہوتے ہیں، کسی بھی چیز میں اس کو لطف نہیں آتا، وہ تو سمجھتا ہے کہ اب مجھے مرجانا ہے۔ ان قیدیوں کو دیکھئے جن کو سزائے موت سنائی جاچکی ہو، رحم کی اپیل بھی مسترد ہوچکی ہو، بلیک وارنٹ پر دستخط بھی ہوچکے ہوں اور اسے یہ بتا دیا جائے کہ فلاں دن، فلاں وقت آپ کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا تو دنیا کی ہر طرح کی نعمتیں اور آرام و آسائش کی چیزیں اس کے سامنے لاکر ڈھیر کردو

وہ اس کے لئے بیکار ہیں۔ بعض لوگوں کا ایسے موقع پر تو ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔

غرض کہ اللہ نے ہم کو موت کا علم نہیں دیا ہے، اگر ہم کو پہلے سے موت کا علم دیدیتے تو ہم سب تو ایسے ہوتے جیسے پھانسی لگنے والے ہوا کرتے ہیں، ہماری زندگی اجیرن بن جاتی اور یہ زندگی بے لطف و بے مزہ ہوتی، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ موت کا وقت تو مقرر ہے مگر وہ کب آئے گی؟ یہ ہمارے علم میں ہے، تم کو اس کا علم نہیں دیا گیا، تم کو موت کا علم نہ دینے میں بھی ہماری حکمت مضمر ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کرتا رہے، تقاضائے زندگی اور ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لے، ہماری حکمت ہے کہ ہر آدمی اپنے کام میں لگا رہے، مکان بنانے والا مکان بناتا رہے، تاجر تجارت میں لگا رہے، دوکاندار دوکان میں، زراعت و کاشتکاری کرنے والا زراعت و کاشتکاری میں، طالبِ علم ڈگریوں کے حصول میں لگا رہے، لیکن اسے پتہ نہ ہو کہ یہ ڈگری مجھے مل سکے گی بھی یا نہیں؟ پتہ نہیں اس عہدے پر پہونچ پاؤں گا یا اس سے پہلے ہی موت آدبوچے گی؟ ہر ایک اپنی مصروفیات میں منہمک ہے اگر اسے بتا دیا جائے کہ عین جوانی میں اس کی موت آجائے گی، بچپن ہی میں وہ مر جائے گا تو تاجر تجارت کرنا چھوڑ دے گا، دکاندار دکان بند کر دے گا، طالبِ علم پڑھنا چھوڑ دے گا اور اس طرح نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ دنیا ایک دن بھی صحیح نظام کے مطابق نہیں چل سکے گی۔ اس لئے اسی حکمت خداوندی کے تحت انسان کو

موت کا علم نہیں دیا گیا، اس کے علاوہ موت کا وقت بتا دینے کی صورت میں ہر انسان نیک اور متقی و پرہیزگار بن جاتا، ہر شخص برائیوں اور شرک سے بھاگتا، عین موت سے چند یوم پہلے نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے پر انسان مجبور ہوگا، حالانکہ وہ نیکیاں عند اللہ پسندیدہ ہیں جو اختیار سے ہوں، بحالتِ مجبوری صادر نہ ہوئی ہوں..... دوسری جگہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۔

(ھود/۱۰۳)

وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں تمام آدمی جمع کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہے، ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کیلئے ملتوی کیے ہوئے ہیں، جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا، پھر ان میں بعضے تو شقی ہوں گے اور بعضے سعید ہوں گے۔

حاصل یہ کہ اس آیت میں اللہ نے کفارِ مکہ کو خصوصاً اور ساری دنیا کے کفار کو عموماً متنبہ فرمایا ہے کہ تم آخرت اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو، تم اس کا مذاق اڑاتے ہو، تم آخرت سے ڈرانے والوں کو بے وقوف سمجھتے ہو، یاد رکھو! ہم تمہیں ایک وقت مقررہ پر جمع کریں گے جو ہمارے علم میں ہی ہے، وہ نہ آگے ہو سکے گا، نہ پیچھے ہو سکے گا۔

کافروں کیلئے سامانِ ضیافت

۱۔ بدبودار، کانٹے دار درخت

اَب کافروں سے براہِ راست خطاب کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝

اے گمراہو! اے جھٹلانے والو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد کیا ہوگا؟ تم زقوم کے کڑوے اور کانٹے دار پھلوں اور پتوں کو کھاؤ گے اور اسی سے پیٹ بھرو گے۔

❊ ❊ ❊ ❊

❊ ❊ ❊

"ضالون" اور "مکذبون" سے ان کے دو جرم کی طرف اشارہ ہے ایک تو توحید کے بارے میں وہ گمراہ رہے اور شرک کرتے رہے، دوسرے آخرت اور اللہ کی آخری کتاب کو جھٹلاتے رہے، یہ دونوں جرم اتنے شدید ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں ان کے ارتکاب کی وجہ سے کڑوے کسیلے، خاردار درخت سے پیٹ بھرنے ہوں گے۔

زقوم جہنم میں ایک درخت کا نام ہے۔ علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ یہ درخت تھوہڑ کی طرح بدشکل، بدمزہ، کڑوا، کانٹے دار اور بدبودار ہوتا ہے (۱) ——— "تھوہڑ" کے درخت کی مثال تو دنیا میں زقوم کی حقیقت سمجھانے کیلئے علماء نے دی ہے جو بدشکل، بدمزہ بدبودار اور کانٹے دار ہونے میں بہرحال جہنم کے زقوم سے بہت ہی کمتر ہے، لیکن جہنم کے زقوم اپنی ہر صفت میں حد درجہ کو پہونچے ہوں گے۔ اس میں کڑواہٹ بھی انتہا درجہ کی ہوگی، کانٹے بھی انتہا درجے کے بڑے بڑے اور نکیلے ہوں گے۔ بدبو بھی انتہا درجہ کی ہوگی اور بدمزگی بھی اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی ہوگی۔ درخت کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ کھانے میں میٹھا ہو، اس میں کانٹے نہ ہوں، خوشبو بھی ہو اور خوش ذائقہ

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۹۲۔

اور لذیذ بھی ہو۔ لیکن زقوم میں ان تینوں صفات کا دور دور تک پتہ نہیں ہوگا۔ درخت کا ہر نقص اور ہر خرابی اس میں آخری حد تک پہنچا ہوا ہوگا یہ درخت اپنی زہر اور کانٹوں کی حرارت سے ان کے ہونٹ اور زبان کو جلا کر رکھ دے گا، بلکہ ان کی کھال اور گوشت اس درخت کی کانٹوں میں نُچ کر رہ جائیں گے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح منھ سے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

کافروں کا اعتراض

کفار اعتراض کرتے تھے کہ جہنم میں یہ درخت کیسے ہوگا؟ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو پھر زقوم کا درخت بھی جل جائے گا۔ وہ اس طرح کی بات ازراہِ استہزار و مذاق کہتے تھے۔ اگر ان کو خدا کی قدرت پر ایمان ہوتا تو اس طرح کی بات ہرگز نہیں کہتے، آپ اس کائنات میں نگاہ دوڑائیں گے تو بیشمار چیزیں متضاد نظر آتی ہیں، خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ بہت سے درخت پانی میں ہوتے ہیں، حالانکہ پانی میں اس کو سڑ جانا چاہیئے۔ پرندے عموماً خشکی میں رہتے ہیں۔ لیکن کتنے پرندے ایسے ہیں جو پانی میں رہتے ہیں، جنگل میں ایسے درخت ہوتے ہیں کہ ایک شاخ کے دوسری شاخ سے ٹکرانے پر آگ نکلتی ہے، آج پانی سے تیل نکل رہا ہے، پانی سے گیس نکل رہا ہے۔ پانی سے بجلی تیار ہو رہی ہے، پہاڑ سے آگ کے دریا اور سمندر بہہ رہے ہیں۔ دنیا نے ان کی آج تحقیق کر لی ہے اور اس پر یقین بھی کر لیا ہے لیکن ہمیں تو آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کالی کملی والے نے خبر

دے دی ہے۔ جب کہ اس وقت آج کی طرح نہ یونیورسٹیاں تھیں، نہ کالج، نہ تحقیق و تفحص کے مراکز تھے، آج اگر سائنس داں کہتے ہیں کہ ہم نے یہ تحقیق کرلی، وہ تحقیق کرلی ——— تو بھئی! تم نے کون سا کمال کر دیا؟ تم نے صدیوں کی محنت و جانفشانی اور اربوں ڈالر خرچ کر کے ایک نامکمل چیز کی خبر دی ہے۔ تم خود بھی کہتے ہو کہ یہ تحقیق اور انکشاف آخری نہیں ہے دن اور زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی بڑھ کر کئی ایک انکشافات ہو سکتے ہیں۔

۲۔ گرم پانی

جہنمیوں کے لئے جہنم میں دوسری چیز گرم پانی ہوگی۔ فرمایا کہ:
فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ زقوم کے پھل سے پیٹ بھرنے کے بعد شدت سے پیاس محسوس ہوگی اور پیاس بجھانے کیلئے کھولتا پانی دیا جائیگا تم پیاس سے بے چین ہو کر کھولتا پانی کو پیو گے جس سے تمہاری آنتیں وغیرہ کٹ کر گر جائیں گی ——— گرچہ وہ گرم پانی ہوگا اور دنیا میں تم کھولتا ہوا گرم پانی تو کجا؟ معمولی گرم پانی بھی نہیں پی سکتے لیکن اس وقت جہنم میں تم پیاس سے اس قدر بے چین ہو جاؤ گے کہ پیاسے اونٹ کی طرح تم اس کو پینے سے چارہ نہ پاؤ گے۔ تم پیتے چلے جاؤ گے اور اس سے پیاس کی شدت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی۔

"ھیم" کا مفہوم

"ھیم" وہ اونٹ ہے جو کئی دنوں سے پیاسا ہو، پھر اسے پانی

مل جائے اور اس پر ٹوٹ پڑے تو گھنٹوں تک پیتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بھی جہنم کی آگ اور تپش میں اسی طرح تپتے ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس عکرمہ، قتادہ اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ اونٹ کو ایک قسم کی پیاس کی بیماری ہو جاتی ہے، اس بیماری میں کتنا بھی پانی پلایا جائے، اسکی پیاس نہیں بجھتی ہے اور وہ پیتا چلا جاتا ہے، اس کو "ھیم" کہتے ہیں۔ جس طرح یہ بیماری والا اونٹ لاکھوں لیٹر پانی پی کر بھی آسودہ نہیں ہوتا اسی طرح جہنمی بھی پانی پیئے گا لیکن اس کو آسودگی نہیں ہوگی (۱)

ضحاک، اخفش، ابن عیینہ، ابن کیسان کہتے ہیں کہ "ھیم" رتیلی زمین کو کہتے ہیں۔ رتیلی زمین میں کتنی ہی زوردار بارش ہو جائے لیکن وہ پیاسے کی طرح پورے پانی کو جذب کر لیتی ہے اور زمین کی سطح پر ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہ پاتا ہے۔ اور اس رتیلی زمین کی تشنگی دور نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح جہنمی بھی پانی پیئے گا لیکن جتنا بھی پانی پیئے گا، اس کی تشنگی دور نہیں ہوگی، جتنا پیئے گا، اتنی ہی پیاس اس کو بے چین کرے گی (۲) ——— حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا بھی ایسے ہی "پیاس زدہ اونٹ" (ھیم) اور جہنمیوں کا سا پینا ہے۔ اسی لئے ایک سانس میں پانی پینے کو مکروہ کہا گیا ہے۔

یہ چیزیں بطورِ ضیافت ہوں گی

پھر اللہ نے فرمایا کہ: ھٰذا نزلھم یوم الدین، یہ سب چیزیں روزِ

(۱) روح المعانی ۲۷/۱۴۶۔ (۲) قرطبی ۱۷/۲۱۴۔

جزا بطور مہمان نوازی کے ہوں گی، نزل اس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کو سواری سے اترنے کے بعد اولین مرحلہ میں پیش کیا جاتا ہے بتلانا مقصود یہ ہے کہ جن کی اولین مرحلہ میں تھوہڑ اور گرم پانی سے ضیافت کی جائے گی، بعد میں ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ یہ ضیافت تعظیم و تکریم نہیں ہے بلکہ ذلت و خواری کیلئے ہے اور ھٰذا نزلھم کی تعبیر سے ان کا مذاق و استہزاً کرنا مقصود ہے۔ اور مذاق و استہزار خود بھی عذاب ہے۔

یہاں اصل میں ان کو تنبیہ کی گئی کہ تم لوگ سرکشی اور بدکاری میں ایسے مبتلا مت ہو جاؤ کہ جب یہاں سے اپنے حقیقی وطن پہونچو تو اس ذلت و خواری کے ساتھ تمہاری ضیافت ہو۔ کیونکہ جو کچھ تم نے اپنے بُرے اعمال کر رکھے ہیں وہ سب تمہارے سامنے پیش ہونگے اللہ تعالیٰ تم پر کچھ بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اللہ نے تو تم سے کفر و سرکشی کا کچھ بھی بدلہ نہیں لیا بلکہ اس کا تو فضل ہے کہ جو کچھ تم نے کیا وہی تم کو دے دیا۔ اگر تم نے اَب بھی اپنی حالت نہیں بدلی، کفر و سرکشی سے توبہ نہیں کی تو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ تمہاری میزبانی گرم پانی گرم فضا اور تکلیف دہ سائے کے ذریعہ کی جائے گی جبکہ مسلمانوں کی ضیافت سراپا آرام و آسائش اور رنج و غم سے مامون جگہ "جنت الفردوس" میں ہوگی

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا

قرآن نے مؤمنوں کے بارے میں صراحتاً کہا کہ مؤمنوں کی میزبانی جنت الفردوس میں ہوگی ——— دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے!

درس ۳۰

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ
اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ
بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ
اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ
اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ
مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

(۵۷ ـــ ۷۴)

ترجمہ: ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے۔ پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہونچاتے ہو، اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں، ہم نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ۔۔ اور تم جیسے آدمی پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں۔ اور تم کو اول پیدائش کا علم ہے پھر تم کیوں نہیں

سمجھتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا۔ بلکہ بالکل ہی محروم ہو کر رہ گئے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اسکو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسکو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سُلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں، ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔ اس لئے آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

پھر یہ انکار کیوں؟

اللہ تعالیٰ قیامت کے انکار کرنے والوں کو خاموس اور لاجواب کرنے کے لئے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ کئے جانے کی دلیل دے رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ پہلی مرتبہ جب تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا، تو اب فنا ہونے کے بعد جب کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی، تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب پہلی پیدائش کو تم تسلیم کرتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ یہ حقیقت ہے کہ پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ پھر یہ عجیب فلسفہ ہے کہ جو کام زیادہ مشکل ہو اس کے واقع ہونے کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور جو اس سے کہیں زیادہ

آسان ہے اس سے انکار کرتے ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو دوبارہ پیدا کئے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ہو؟ تصدقون کے بعد قرینہ کی وجہ سے بالدین یا بالبعث محذوف ہے اور مطلب وہی ہے کہ تم اتنا اقرار کرنے کے باوجود قیامت کا انکار کرتے ہو۔ بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہو، دراصل اس آیت میں نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ اس کا دعویٰ ہے اور اگلی آیتوں میں اس کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

انسان کی پیدائش اور قیامت

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ: أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ ہ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ہ کہ تم نے کبھی غور کیا ہے کہ منی کا وہ قطرہ جو عورتوں کے رحم میں پہنچاتے ہو، تم اس کی صورت گری کرتے ہو یا ہم صورت گری کرنے والے ہیں؟ ——— تم نے تو صرف اتنا کیا کہ منی کا ایک قطرہ ایک خاص محل میں پہونچا دیا۔ اس کے بعد اس قطرہ پر کون کون سے حالات پیش آئے، کن کن ادوار سے اس کو گذرنا پڑا؟ اس میں گوشت پوست کہاں سے آئے؟ ہڈیاں کیسے پیدا ہوگئیں؟ کن نازک مشینوں کے ذریعہ غذا پہونچائی گئی؟ کیسے خون بنا؟ بولنے، سننے، چکھنے، سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت کس طرح اس کے اندر آگئی؟ ماں باپ کو کچھ بھی خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ کیا بنا ہے اور کس طرح بنا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس کا پتہ تک نہیں ہے۔ کون سی ذات ہے جس نے بیشمار تاریکیوں میں حسین وجمیل، سننے دیکھنے والا بچہ تیار کیا؟ اس

بچہ کو بچپن، بلوغ، جوانی اور بڑھاپے کے مرحلوں سے گذارنا کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں، کوئی ہاتھ نہیں، کوئی قدرت نہیں، کوئی تدبیر نہیں ——— یہ سارے کام صرف اللہ ہی کی قدرت سے انجام پاتے ہیں، وہی ذات ہے جس نے کئی مراحل سے گذار کر ایک قطرہ کو انسانی قالب اور سانچہ میں ڈھالا ہے۔ خداوندِ قدوس کی اس صفت پر بلا اختیار زبان کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ، اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے اور وہ بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

جو خدا پانی کی ایک بوند میں اتنی تبدیلیاں لا سکتا ہے، اتنے تصرفات کر کے انسانی شکل بنا سکتا ہے۔ اس کے لئے کیا یہ مشکل ہے کہ مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے؟ اس کے لئے یہ کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری موت کو پیدائش میں تبدیل کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سرِ نو پیدا کر دے۔ پس جبکہ جانتے ہو اور مانتے ہو کہ پہلی پیدائش اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے ——— عقلاً یہ بات واضح ہے کہ پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اسی بات کو دہراتے ہوئے قرآن نے دوسری جگہ کہا: هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ کہ خدا نے ہی پہلی مرتبہ تخلیق کیا ہے اور وہی دوبارہ اسکو دہرائے گا اور یہ اس کے لئے بہت آسان ہے ——— ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ ہم انسان کو نطفہ سے پیدا کرتے ہیں، پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے نبی! تم ہماری طرف سے کہدو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پیدا کیا، وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ ۝ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۝ یعنی کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفہ کی شکل میں نہ تھا، پھر خون کے لوتھڑے کی شکل میں نمایاں ہوا۔ پھر اللہ نے اسے پیدا کیا، درست کیا، مرد اور عورت بنائے، کیا ایسا خدا مُردوں کے جِلانے پر قادر نہیں ہے؟؟ یقیناً ہے اور بلاشبہ ہے۔

موت سے مفر نہیں

کوئی ہم سے بھاگ نہیں سکتا، ہماری گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکتا ہے۔ ایسا کرنا تو دور کی بات، ایسی بات کو دماغ میں لانے کی بھی گنجائش نہیں، ہم لوگوں کے لئے موت کی ایسی سرحدیں بنادی ہیں کہ اس نے سب کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ کیا بڑا اور کیا چھوٹا، کیا امیر اور کیا غریب، کیا بوڑھا اور کیا جوان، کیا مرد اور

کیا عورت ؟ غرض ہر ایک کیلئے موت لازمی ہے اور اس طرح سب کو ہم قیامت کے دن کی پیشی کے لئے جمع کر رہے ہیں۔ قرآن نے صاف اعلان کرتے ہوئے کہا کہ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں آگے ارشاد فرمایا کہ جب موت اور حیات دونوں ہمارے اختیار میں ہے تو ہم اس پر بھی پوری طرح قادر ہیں کہ جب چاہیں تمہارے مثل پیدا کر دیں اور جب چاہیں تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کا تم کو خیال بھی نہیں ہے عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

ابن جریر نے کہا کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کو اس بنا پر مقدر کر دیا ہے کہ تمہاری موت کے بعد تمہاری طرح دوسری مخلوق پیدا کریں۔ ایک طبقہ کو موت دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو پیدا کر دیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہماری مشیت سے کوئی چیز سبقت کر سکے مثلاً جو وقت ہم نے ایک طبقہ کی موت کیلئے مقرر کیا ہے یا کسی جاندار کی موت کیلئے مقرر کیا ہے وہ اس مقررہ وقت سے پہلے ہی مر جائے یا ایک وقتِ مقررہ پر جس فرد کا پیدا ہونا ہم نے مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے ہی پیدا ہو جائے۔

زجاج نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس پر پوری طرح قادر ہیں کہ جب چاہیں تمہارے مثل پیدا کر دیں یا تم کو موت دیکر یا موت دیئے بغیر زندگی ہی میں ایسی صورت بنا دیں کہ جو تمہارے خیال ہی میں نہیں ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کی ایک بڑی جماعت کو نافرمانی و سرکشی کی وجہ سے بندر اور سور بنا دیا گیا اور عیسائیوں کی ایک جماعت کی صورت مسخ کر دی گئی

(مواہب الرحمٰن ۲۷/۲۹۵)

غرض موت دیکر ہم اس پر بالکل قادر ہیں کہ ایک ایسے عالم میں اٹھا کھڑا کریں جس کے قوانین اس عالم سے بالکل الگ ہوں گے اور تم ان سے بالکل آشنا نہیں ہوگے۔ تم حیرانی میں پڑے ہوئے ہو کہ موت اور حیات کے ان معروف ضابطوں کے خلاف کیسے ممکن ہے کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد صرف ایک صور کی آواز کی وجہ سے تمام انسان وجود میں آجائے، ہر ایک کا حساب و کتاب ہو پھر وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے جنت اور جہنم میں جائے لیکن یاد رکھو کہ یہ سب کچھ ہوگا اور ایسے عالم میں ہوگا جس سے تم ناواقف اور ناآشنا ہو۔

پہلی پیدائش اور اس سے عبرت

آگے ارشاد فرمایا کہ: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ابتداء میں اللہ نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو اور ان سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا، پھر انہیں کی نسل سے تم کو نطفہ سے پیدا کیا اور تمہارے حواس بالکل عاجز ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہو سکا؟ لیکن اس کے باوجود تم کو یقین ہے کہ انسان کو اللہ نے ناپاک نطفہ سے بنایا۔ اللہ کی قدرتِ کاملہ کا تم نے خوب خوب مشاہدہ کر لیا پھر بھی تم سبق کیوں نہیں حاصل کر لیتے؟ اب بھی تم کو ہوش کیوں نہیں آتا کہ جس زندگی کے بارے میں تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے، وہ کوئی مستبعد نہیں ہے۔ جس خالقِ کائنات نے تم کو اس دنیا میں پیدا کیا ہے، اس کی قدرت اور دائرۂ اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ وجود بخش سکتا ہے۔ اس کی ربوبیت و حکمت کا تقاضا بھی

یہی ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے اور تمہارے اعمال کا حساب و کتاب ہو، اگر ایسا نہ کرے تو دنیا بے مقصد ہو کر رہ جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کوئی بے کار اور عبث کام نہیں کیا کرتا۔

کھیتیوں سے جزا پر استدلال

انسان کو اپنی پیدائش کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب ان چیزوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جن کو اللہ نے اس کی پرورش و پرداخت کے لئے مہیا فرمایا ہے، جن کو مہیا کرنے میں نہ کسی انسان کی حکمت و تدبیر کا دخل ہے اور نہ کسی دوسرے کی، چنانچہ ارشاد ہوا: أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ کہ زمین میں تم نے جو کچھ بویا ہے کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ ان بوئی ہوئی بیجوں کو تم پروان چڑھاتے ہو یا ان کو ہم پروان چڑھاتے ہیں؟ یہ طے ہے کہ تم ہرگز ان کو پروان نہیں چڑھا سکتے، انہیں اُگانا، پروان چڑھانا، پھل پھول دینا ہمارا کام ہے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم ہل چلا کر کچھ دانے زمین پر بکھیر دیتے ہو اور اس کے بعد قدرت کی کرشمہ سازی کا تم براہِ راست نظارہ کرتے ہو کہ اسی نے زمین میں یہ صلاحیت رکھی کہ اپنے اندر بیج اور دانے کو رکھے۔ بیج کے اندر یہ صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ زمین کی گرمی و تری سے متاثر ہو کر اپنے اندر سے کونپل نکالے ..... ان کونپلوں میں یہ صلاحیت ودیعت کر دی کہ وہ زمین چیر کر نکلیں اور بڑھیں، انہی کونپلوں کو ڈنٹھلوں کا سہارا عطا کیا، ان کے اندر برگ و بار پیدا کر دیا خوشے نکالے، پھل پھول پیدا کئے، پھر پک کر انسان اس کو استعمال

کرتا ہے۔ اتنے سارے مراحل کس نے طے کرائے؟ غور کرو کہ ان میں سے کون سا کام تمہارے کرنے سے ہوتا ہے یا جس کو تم انجام دینے کی اہلیت رکھتے ہو۔ یہ سب صرف اللہ کی قدرت سے ہوئے، انسان کے عمل کا کچھ بھی دخل نہیں، انسان کا کام صرف بیج بو دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "زرعت" نہ کہا کرو بلکہ "حرثت" کہا کرو، یعنی یوں کہو "میں نے بویا" یوں نہ کہو کہ "میں نے اگایا"۔

حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث سنا کر اسی آیت کی تلاوت کی، (درمنثور ۸/۲۳) ——— امام حجر مدریؒ ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں کو جب پڑھتے تو فرمایا کرتے: بل انت یا ربّی، ہم نے نہیں بلکہ اے رب تو نے ہی۔ (ابن کثیر)

انسان کا عجز

آگے ارشاد ہوا: لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اگر ہم چاہیں تو اس کو ..... ریزہ ریزہ کر دیں۔ مطلب یہ کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں، ورنہ تم ایسے بے بس ہو کہ ٹھیک اس وقت جب تم بہتر کھیتی پر پھولے نہ سما رہے ہو، تیز ہوا بھیجکر یا برف باری کر کے پلک جھپکتے ہی ریزہ ریزہ کر دیں، سکھا دیں، مضبوط نہ ہونے دیں، برباد کر دیں اور بے نشان کر دیں اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آگئی، ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی، بڑا نقصان ہو گیا، نفع ایک طرف، پونجی بھی غارت ہو گئی۔ غم اور تکلیف کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا بھانت

بھانت کی بولیاں بولنے لگ جاؤ۔ کبھی کہو کہ کاش اس مرتبہ بوتے ہی نہیں۔ کاش کہ اِس طرح کرتے یا اُس طرح کرتے وغیرہ وغیرہ۔

"تفکھون" کا لفظ طنز کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم پر ایسی بدحواسی چھا جائے کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ اس حادثہ پر وہ کیا کرے؟ اپنے نقصان کا اندازہ کس طرح کرائے؟ کوئی یوں فریاد کرے کہ انا المغرمون بل نحن محرومون ہ کہ ہم تو تاوان میں پڑ گئے، جو کچھ لگایا وہ بھی پلے نہ پڑا، اَب بیوی بچوں کی پرورش اور گذارا کس طرح ممکن ہوگا؟

پانی کی نعمت کی طرف اشارہ

غذائی نعمتوں کے بعد اَب پانی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ہ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ہ اَب یہ بتلاؤ کہ وہ پانی جس کو تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟ کبھی تم نے اس پر غور کیا ہے۔؟ ——— یہ میری قدرت ہی تو ہے کہ ہم سمندروں کے کھارے پانی کو بھاپ بنا کر اُڑاتے ہیں، پھر اس کو صاف اور شیریں بنا کر زمین پر برساتے ہیں جس سے تم بے شمار فائدے اٹھاتے ہو، خود بھی پیتے ہو، جانور کو پلاتے ہو، کھیتیاں سیراب کرتے ہو، کوئی ہے جو میرے منشا و ارادہ کے بغیر بارش کا ایک قطرہ بھی برسا سکے، کوئی ہے جو اسے بادل سے اتار لا سکے ——— پھر جب وہ برس گیا تو بھی لو نشاء جعلناہ اجاجاً میرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے کہ

اس کو شیریں بنا دیں، یا تلخ بنا دیں اور تمہارے کسی کام کا بھی نہ رہے، جب میں نے تلخ پانی کو میٹھا بنایا ہے تو ہمارے لئے یہ بالکل مشکل نہیں کہ ہم اس کو پھر سے تلخ اور کڑوا بنا دیں۔

پانی کی نعمت ملنے پر شکرِ خداوندی

آگے فرمایا کہ یہ میٹھا پانی میٹھے بھائے میں نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے تم نہاتے ہو، دھوتے ہو، کپڑے صاف کرتے ہو، کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتے ہو، جانوروں کو پلاتے ہو، ان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ فلولا تشکرون، تم خدا کے شکر گذار بندے بنو، نہیں تو اس کی سزا بھگتنے کو تیار رہو ——— یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی جب بھی نوش فرماتے تو یہ دعا فرماتے تھے: اَلحمدُ للّٰہِ الذی سقانا عذباً فراتاً برحمتہٖ ولم یجعلہ ملحاً اُجاجاً بذنوبنا۔ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے پلایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اسے کھارا اور کڑوا نہیں بنایا۔

آگ کی طرف اشارہ

پانی ہی کی طرح آگ بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے، پانی کے بعد آگ کی نعمت کی طرف اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس آگ سے تم کھانے بناتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کرتے ہو۔ بتلاؤ کہ اس کے درخت کو تم

پیدا کرنے والے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ چونکہ پرانے زمانے میں دیا سلائی اور اس طرح کی دوسری چیز آگ کے لئے ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت قدرتِ خداوندی نے ایسے پتھر بھی پیدا کئے جن سے آگ روشن ہوتی تھی اور دو ایسے درخت بھی تھے جن کی دو ٹہنیوں کو ایک دوسری سے رگڑ کر آگ بھڑکائی جا سکتی تھی۔

ابن کثیر کے بقول ان کو "مرخ" اور "عفار" کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس چیز پر غور کرو کہ زندگی کی اس بنیادی ضرورت کو تم مہیا کرنے والے ہو یا ہم مہیا کرنے والے ہیں؟ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ کہ جس آگ کو تم سُلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟

آگ ——— سامانِ عبرت ہے!

پھر فرمایا کہ نحن جعلناھا تذکرۃ ومتاعاً لمقوین ۝ اس آگ کو ہم نے تذکرۂ آخرت اور عبرت و نصیحت کا ذریعہ بنایا ہے کہ اسے دیکھ کر جہنم کی یاد تازہ کرو، اس سے بچنے کی سبیل اختیار کرو۔

روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دنیا کی یہ آگ دوزخ کی آگ کا ستّرواں حصہ ہے، لوگوں نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہی بہت کچھ ہے، حضورؐ نے فرمایا پھر یہ ستّرواں حصہ بھی دو بار پانی سے بجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد اب یہ اس قابل ہوا کہ تم اس سے استفادہ کر سکو اور فائدہ اُٹھا سکو۔

"مقوین" سے مراد مسافر ہیں[1]۔ بعضوں نے کہا کہ جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ ہر بھوکا شخص مراد ہے۔ غرضیکہ ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو، اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو، امیر ہو کہ غریب، شہری ہو کہ دیہاتی مسافر ہو کہ مقیم، بڑا ہو کہ چھوٹا، ہر ایک کو آگ کی ضرورت پڑتی ہے پکانے کیلئے، گرمی حاصل کرنے کے لئے، تانبا، لوہا، سونا چاندی وغیرہ کو ڈھالنے کیلئے اور روشنی وغیرہ وغیرہ مختلف مواقع پر اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

پھر اس کے علاوہ خداوند قدوس کی شان کریمی تو دیکھئے کہ اس نے درختوں میں، لوہے میں اس آگ کو رکھ دیا تاکہ ہر ضرورتمند اپنی ضرورت کے مطابق اپنا کام نکال سکے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں ہر مسلمان کو برابر کا حصہ ہے۔ آگ، گھاس اور پانی، ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ ان تینوں چیزوں سے کسی کو روکنے کا حق نہیں۔

نحن جعلناھا تذکرۃ میں "ھا" کی ضمیر سے اگر اس آگ کی طرف اشارہ ہو جو درخت سے پیدا ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس طرح درخت سے آگ پیدا کر کے عبرت و نصیحت کا ذریعہ بنایا ہے کہ اس سے لوگ عبرت حاصل کریں، جہنم میں بھی اللہ نے زقوم جیسا کڑوا درخت رکھا ہے۔ وہاں بھی آگ میں درخت ہوگا جو ہر کافر و بدکار کو جلائے گی ——— اور اگر اس ضمیر سے دنیوی

---

(۱) درمنثور ۸/۲۴۔

آگ کی طرف اشارہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے دنیوی آگ کو ایسی چیز بنادیا کہ اس کو دیکھ کر سمجھدار لوگ ہوش میں آئیں، جہنم سے ڈریں، سوچیں کہ جہنم کا عذاب بہت ہی سخت ہوگا۔ اللہ نے وہاں زقوم جیسے کڑوا پھل والا درخت پیدا کر دیا ہے، جس طرح یہ درخت آگ کے باوجود موجود ہے اور جل نہیں رہا ہے، اسی طرح جہنمی اس عذاب کے باوجود زندہ رہے گا، اور یہ عذاب اٹھاتا رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کی تاکید

اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنے مخالفتوں کا استقلال و پامردی سے مقابلہ کرتے رہنے اور تسبیح کرتے رہنے کی تاکید فرمائی، کہ خدائے پاک و برتر کے رب ہونے کے دلائل تو تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ ہٹ دھرم لوگ ماننے والے نہیں اور آپ کی مخالفت کرتے رہیں گے۔ آپ ان کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے اور خداوند قدوس کی ہر وقت اور ہر جگہ پاکیزگی بیان کرتے رہئے، جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو نفع دینے والی بنا دی، جس نے پانی کو میٹھا، صاف شفاف اور مزیدار بنایا کہ دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدے کیلئے بنائی ہے اور ساتھ ہی اسلئے تاکہ آخرت کی آگ کا اندازہ بھی کرسکو اور اس سے بچنے کیلئے فرمانبردار ہو جاؤ۔ چنانچہ فرمایا کہ فسبح باسم ربك العظیم اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کیجئے ——— دعا ہے کہ اللہ ہمیں عبادت کرنے، تسبیحات میں مشغول رہنے اور آتش دوزخ سے بچانے والے اعمال کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

درس ۶

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ
النُّجُومِ ﴿۷۵﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۷۶﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿۷۷﴾
فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ
ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿۸۰﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُونَ
رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ (۷۵ ——— ۸۱)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں ہے کہ اس کو پاک فرشتوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، کیا تم لوگ اس کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

پہلی آیتوں سے ربط

اس سے پہلے کی آیتوں میں توحید اور دوبارہ زندہ کئے جانے، حساب وکتاب اور حشر ونشر کو عقلی دلائل کی روشنی میں قرآن نے واضح کیا تھا، عقلی دلائل سے ثابت کیا تھا کہ تم دوبارہ پیدا کئے جانے کا انکار کیسے کرتے ہو؟ جس خدا نے تمہیں ایک ناپاک چیز سے پیدا کیا تمہارے لئے کھیتیاں اُگائیں، تمہارے لئے بارش برسائی، تمہارے لئے آگ پیدا کی، جس نے ایک سے بڑھ کر ایک تم کو نعمتیں عطا کیں، دنیا کو لالہ زار وسبزہ زار بنایا، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تم کو موت

دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرے؟ یقیناً وہ اس بات پر قادر ہے اور دوبارہ زندہ کرکے تمہارے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔

اگلی آیتوں میں بعث اور حشر ونشر کو نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے لیکن چونکہ کفار کو قرآن میں بھی شبہہ تھا۔ اس لئے آگے سب سے پہلے قرآن کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر حشر ونشر اور حساب کتاب کو نقلی دلیلوں سے واضح کیا گیا ہے۔

یہ کہانت نہیں

فلا اقسم بمواقع النجوم پس نہیں، میں ستاروں کی قسم کھاکر کہتا ہوں۔ اس آیت میں کئی باتیں ہیں جو مجھے بیان کرنی ہیں۔ اول بات یہ کہ آیت میں "لا" کیا ہے؟ کیا یہ نفی کے معنی میں ہے یا زائد ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لا زائد ہے اور یہ کسی معنی میں نہیں، لیکن اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ "لا" نفی کے معنی میں ہے اور یہ فعل سے بالکل الگ ہے۔ جب مخاطب کے خیال میں کوئی غلط بات آگئی ہو اور کسی بات کو غلط سمجھ رہا ہو تو باطل خیال کے مٹانے سے پہلے اس طرح حرفِ نفی لایا کرتے ہیں۔ اردو زبان اور دوسری تمام زبانوں میں یہ اسلوب معروف ومروج ہے مثلاً کوئی کافر کہے کہ خدا تو سینکڑوں ہیں، تو آپ صرف اتنا نہیں کہتے کہ خدا ایک ہی ہے۔ بلکہ آپ کہتے ہیں" ہرگز نہیں! خدا صرف ایک ہی ہے"۔ یہ اسلوب حدیث اور قرآن میں بھی پایا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

لا واللہ ما مسّتْ یدُ رسول اللہ نہیں! خدا کی قسم حضورؐ کے ہاتھ نے

صلی اللہ علیہ وسلم یدا مرأۃ قطّ۔ — کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی مس نہیں کیا۔ (یعنی بیعت میں آپؐ نے مصافحہ نہیں فرمایا)

حدیث میں قسم سے پہلے "لا" نفی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن میں فرمایا گیا کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (نساء: ۶۵)

پس نہیں! آپ کے رب کی قسم، وہ مؤمن نہیں ہوسکتے تا آنکہ وہ اپنے درمیان پیدا ہونیوالے اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔

⁂

مطلب یہ کہ منافقین سمجھتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھ لینے ہی سے یہ مسلمان بن گئے ہیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس کے بعد قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ حقیقی مؤمن جب ہی بن سکتے ہیں کہ وہ اپنے اختلافات اور جھگڑوں میں آپؐ ہی کو اپنا حکم تسلیم کریں۔

پس ایسے مواقع پر "حرفِ نفی" مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے آتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو، وہ بات ہرگز نہیں۔ یہاں بھی قسم سے پہلے "لا" کا لفظ لاکر کافروں اور یہودیوں کی بداعتقادی اور بدگمانی کو دور کر دیا۔ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن شاعری ہے، کبھی کہتے تھے کہ جادو ہے اور کبھی کہانت کہتے تھے یہاں ان کے ان فاسد خیالات اور باطل نظریات کی تردید کردی گئی کہ قرآن نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ نہ شاعرانہ کلام ہے، نہ سحر و جادو ہے، نہ کاہنوں کی مزخرفات ہیں اور نہ ہی شیاطین کا الہام ہے بلکہ یہ اللہ کی کتاب اور وحیِ الٰہی ہے۔ (قرطبی ۱۷/۲۲۳)

"مواقع النجوم" سے مراد

اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں "مواقع النجوم" کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآنِ کریم ہے جو کتابِ مکنون یعنی لوحِ محفوظ میں تھا۔ سوال یہ ہے کہ "مواقع النجوم" سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس سے نجوم القرآن مراد ہے۔ کیونکہ دنیا میں قرآن کا نزول ایسے ہی نجماً نجماً اور آہستہ آہستہ ہوا ہے جیسے تارے اترتے ہیں، گو وہ آسمانِ دنیا پر یکبارگی لوحِ محفوظ سے شب قدر میں اُتارا گیا تھا!(۱)

مشہور مفسر ضحاک نے عبداللہ بن عباس سے اسی روایت کو مزید اضافہ کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے کہ قرآن مجید یکبارگی ملائکہ کراماً کاتبین کے پاس آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا اور ان فرشتوں نے بیس رات میں آہستہ آہستہ (نجم نجم) حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیئس برس میں حسب ضرورت نجماً نجماً آہستہ آہستہ اللہ کے حکم سے حضور پر نازل کیا (۲)۔

بعض مفسرین نے "مواقع النجوم" سے ستاروں کے مواقع مراد لیا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہیں ہیں (۳)۔ عبداللہ بن مسعود اور مجاہد سے منقول ہے کہ مواقع نجوم سے قرآن کریم کی محکم آیتیں مراد ہیں جو نجماً نجماً یعنی تدریج

---

(۱) درمنثور ۸/۲۴۔

(۲) مواہب الرحمان ۲۷/۳۰۳۔

(۳) ابن کثیر ۴/۳۱۹۔

نازل ہوئی تھیں (۱)

یہاں ایک شبہہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ نے "مواقع النجوم" یعنی ستاروں کے مواقع کی قسم کھائی، ستارے تو غیر اللہ ہیں اور غیر اللہ کی قسم کھانا درست نہیں ہے تو پھر قرآن میں صرف یہی نہیں بلکہ متعدد آیتوں میں اس طرح کی قسم کھائی گئی ہے۔ علامہ قشیریؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ ہم لوگوں پر شرعی احکام کی پابندی چونکہ ضروری اور فرض ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک نام کے سوا اور انکی صفات کے سوا کسی چیز کی قسم نہیں کھاسکے۔ لیکن اللہ خود مختار ہے، وہ کسی کے حکم کا تابع و فرمانبردار نہیں ہے۔ اس لئے وہ جس چیز کی قسم کھانا چاہے کھاسکتا ہے۔ اللہ نے اپنے ازلی کلام میں فرمایا وہ ابد تک برابر قائم ہے اور اس میں کچھ بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے (۲)

قرآن کی عزت و حفاظت

اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اگر تم غور کرو تو یہ بڑی قسم ہے۔ یہ جملہ قسم اور جواب قسم کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے۔ آگے اس قسم کا جواب دیا کہ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ یہ ایک مکرم و معزز قرآن ہے جو محفوظ کتاب میں درج ہے، پاک فرشتوں کے سوا کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگاسکتا ——— اس آیت میں نحوی و ترکیبی اعتبار سے بھی گفتگو کرنی ہے اور فقہی لحاظ سے بھی۔

---

(۱) درمنثور ۸/۲۶۔

(۲) مواہب الرحمان ۲۷/۳۰۴۔

سب سے پہلے نحوی ترکیبی لحاظ سے گفتگو کرنی ہے۔ اس جملہ میں دو احتمالات ہیں۔ ایک یہ کہ "مکنون" جس کتاب کی صفت آئی ہے، لایمسہ الا المطہرون اسی کی دوسری صفت ہو، اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ لوحِ محفوظ کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا اور مطہرون سے مراد فرشتے ہیں جن کی رسائی لوحِ محفوظ تک ہو اور چوں کہ فرشتے کے حق میں مس کو چھونے کے حقیقی معنی میں لینا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کے لازمی معنی مراد لیے ہوں گے یعنی لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین سے واقف ہونا۔ مطلب یہ کہ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے مضامین سے صرف وہ فرشتے ہی واقف و مطلع ہیں جن کی رسائی وہاں تک ہے (۱)۔

ممکن ہے کہ یہ لایمسہ الا المطہرون قرآن کی صفت ہو اور لا یمسہ میں "ہ" کا مرجع قرآن ہو۔ اس صورت میں جوابِ قسم میں تین باتیں ہوگئیں۔ اول یہ کہ یہ قرآن "کریم" ہے، دوسرے یہ کہ "محفوظ کتاب" میں ہے تیسرے پاک لوگوں کے سوا اسے کوئی نہیں چھوتا ——— قرآن اس لحاظ سے کریم ہے کہ وہ معزز اور ممتاز کتاب ہے۔ کریم جب اللہ کا وصف ہوتا ہے تو اس سے مراد احسان و انعام ہوتا ہے، اس لحاظ سے قرآن کے کریم ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ قرآن احسان و انعام والا ہے دنیا کو اس سے نفع پہونچے گا۔ دنیا کے لوگوں میں یہ روحانی انقلاب برپا کرے گا، تاریخ شاہد ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو اس نے قتل و غارتگری، چوری و بدکاری اور عیاشی و فحاشی میں مبتلا لوگوں میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا کہ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ننگ انسانیت تھے وہی فخرِ آدمیت

---

(۱) روح المعانی ۲۷/۱۵۳۔

بن گئے اور ان کو بجا طور پر "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا سرٹیفکٹ دیا گیا۔

لایمسّہٗ الاّ المطہّرون اور اس کی مُراد

اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ مطہّرون اور پاک لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ حضرت انسؓ، سعید بن جبیرؓ اور دوسرے صحابہ و تابعین اور مفسرین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو گناہوں اور ہر قسم کی رذیل عادتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے۔ (قرطبی ۱۷/۲۲۵)

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن سے وہ مصحف مراد ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور "مطہّرون" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظاہری اور باطنی ناپاکیوں سے پاک ہوں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک صرف وہی لوگ چھو سکتے ہیں جو پاک ہوں، پاکی کے بغیر قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے۔ پاکی چاہے جنابت سے ہو یا حدثِ اصغر پیشاب و پاخانہ سے، دونوں سے پاکی کے بغیر قرآن چھونا درست نہیں ہے۔ (روح المعانی ۲۷/۱۵۴)

اس تفسیر کی تائید کئی روایات و واقعات سے ہوتی ہے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے پاس ایک فرمان بھیجا تھا، جس میں جہاں دوسری باتوں کی تاکید آپؐ نے فرمائی تھی، وہیں آپؐ نے اس بات کی بھی تاکید فرمائی تھی کہ:

لایمس القرآن الا طاھر۔ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر جب اپنی بہن کے گھر پہونچے تو ان کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ گھر میں داخل

ہوئے تو پوچھا، بتاؤ کیا پڑھ رہی تھیں؟ انہوں نے قرآن کے اوراق دیکھنے چاہے، ان کی بہن نے کہا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا غسل کر کے پاک صاف ہو کر آؤ تو پھر دکھاتی ہوں، مجبور ہو کر حضرت عمر نے غسل کیا اور ان کی بہن نے ان اوراق کو دکھایا۔[1]

اوپر کی دونوں روایتوں اور اخیر کے واقعہ سے دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے کہ "لایمسہ الا المطہرون" میں "مطہرون" سے مراد ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک لوگ ہیں۔

اس لئے جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قرآن چھونے اور ہاتھ لگانے کے لئے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا اور حالتِ جنابت میں نہ ہونا شرط ہے، بغیر پاکی کے قرآن چھونا گناہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اوپر جو اختلاف گذرا ہے وہ دراصل اس بات میں ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

چند ضروری مسائل

فقہاء نے لکھا ہے کہ جلد کے ساتھ جو سلا ہوا قرآن کا غلاف ہو، وہ قرآن کے حکم میں ہے۔ وضو اور پاکی کے بغیر اس پر ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے البتہ قرآن مجید کا جزودان جو الگ کپڑے کا بنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلا وضو قرآن کا چھونا جائز ہے۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام مالک کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہے۔ جن کپڑے کو آدمی پہن رکھا ہو، اسکی آستین یا دامن سے بھی قرآن مجید کو بے وضو چھونا جائز نہیں، ہاں

---

[1] روح المعانی ۲۷/۱۵۵، قرطبی ۱۷/۲۲۵۔

اگر علیحدہ رومال یا چادر ہو تو اس سے چھوا جا سکتا ہے۔ بچے جو ابھی بلوغ کی عمر کو نہ پہونچے ہوں، وہ بلا وضو قرآن چھو سکتے ہیں کہ اگر انکے لئے طہارت ضروری قرار دی جائے تو حرج و تنگی ہوگی اور ان کے لئے تعلیم و تعلم میں دشواری پیش آئے گی۔ (قرطبی ۱۷/۲۲۷)

قرآن ـــــ اللہ کی جانب سے ہے

اس قرآن کی کئی صفتیں اب تک آئی ہیں، ایک یہ کہ وہ کریم و معزز ہے۔ دوسرے محفوظ کتاب میں ہے کہ جہاں تک شیطانی اور جادوئی اثرات نہیں پہونچ سکتے، تیسرے اس کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں، ناپاک لوگوں کو چھونے کی اجازت نہیں۔ چوتھی صفت آگے ذکر کی گئی تنزیل من رب العالمین کہ وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ جو گمان کرتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔ یہ شعر ہے، جادو ہے، کاہنوں کی پیشین گوئی ہے، ایسا جادو ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، سرکش شیاطین چوری چھپے سن کر آتے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھا جاتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ یہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے، یہ عین ہدایت ہے، اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ جو اس پر چلے وہ راہ یاب ہو جائے گا، کامیاب و کامران ہو جائے گا اور جو اس کے علاوہ کوئی دوسری راہ تلاش کرے، وہ گمراہ ہوگا۔ وہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکے گا۔

کافروں کی ہفوات اور حقیقت کا بھی اعتراف

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ کفار آخر ایسا کیوں کہتے تھے ؟ کفار پاگل تو نہیں تھے، مجنون تو نہیں تھے۔ اگر پاگل دیوانے ہوتے تو پھر ان کے پاس نبی نہیں بھیجے جاتے۔ پاگلوں کے پاس تو نبی نہیں بھیجے جاتے، پاگل کو تو شریعت نے کسی چیز کا مکلف نہیں کیا ہے اور وہ کسی حکم کا مخاطب ہی نہیں ——— دراصل وہ اس طرح کی بات ازراہِ عناد عداوت میں اور یہودیوں کے بہکاوے میں آکر کہا کرتے تھے ——— تاہم کبھی کبھی سچی بات بھی کہہ دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد تو امّی ہے مکہ میں پیدا ہوا ہے، ساری زندگی مکہ ہی میں گذاری ہے، نہ کسی مدرسہ میں پڑھا اور نہ کسی استاد سے سیکھا ہے، نہ کبھی کسی اہل علم اور انکی مجلسوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اس کے باوجود آسمان کی خبریں دیتے ہیں، آدمؑ کا واقعہ بتاتے ہیں، نوح علیہ السلام وغیرہ کی خبریں بتاتے رہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں ضرور اس ذات کی جانب سے آتی ہیں جو کائنات اور عالمِ وجود میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ کلام اسی کا ہوسکتا ہے جو اس کائنات رنگ و بو کا خالق و مالک ہے۔ لیکن شیطانی اثرات پھر غالب آجاتے اور یہ کہنے لگتے کہ یہ نبوت نہیں ہے، یہ کہانت ہے۔ یہ کسی ذات کا کلام نہیں ہے۔ یہ اپنی جانب سے گڑھی ہوئی بات ہے۔

اللہ نے متنبہ فرمایا کہ یہ نبوت کا منصب ہے۔ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اللہ اس پر اپنا کلام نازل کرتا رہتا ہے۔ یہ کہانت نہیں ہے۔ کاہنوں کی پیشین گوئیاں اور ان کی دوسری باتیں شاید و باید ہی سچی ہوتی ہیں، لیکن میرے مدنی کی تو ہر بات سچی ہے۔ دوسرے یہ کہ کاہنوں کی زندگی لوگوں کی ہدایت کے لئے نہیں ہوتی، وہ تو لوگوں کو

گمراہ اور راہِ حق سے دور کرنے کیلئے ہوتا ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو سراپا ہدایت ہے۔ سراپا خیر وبھلائی اور نیک ورحمت ہیں، ان کی بات کہانت کیسے ہوسکتی ہے ؟۔

کفار کہا کرتے تھے کہ قرآن میں محض شاعری ہی شاعری ہے، ان کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کسی شاعرانہ کلام کا مجموعہ ہے اور اس میں شعراء کی بے ہودہ غزلیات نعوذ باللہ بھری ہیں۔ عربی زبان کے اسلوب بیان سے کماحقہ ناواقف عجمی انسان بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ قرآن میں اشعار نہیں ہیں۔ تو پھر وہ لوگ جو اپنے وقت کے فصحاء وبلغاء اور عربی زبان کے صحیح اسلوب اور استعمال سے اچھی طرح واقف تھے، وہ اس طرح کی بے تکی باتیں کیسے کہتے ؟ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قرآن ایک شاعرانہ تخیل کا مجموعہ ہے۔ جس طرح شاعر اشعار کی مدد سے رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی بنا دیتا ہے، کسی بدصورت کی تعریف اشعار میں اس طرح کرتا ہے کہ اس جیسا حسین دنیا میں کوئی نہیں۔ شاعر اپنے اشعار میں میٹھی میٹھی تصوراتی اور تخیلاتی دنیا میں کھو جاتا ہے، اس طرح یہ قرآن اور مہبط قرآن تخیلاتی اور تصوراتی چیزوں کو بیان کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ اُس وقت کے طاقتور ممالک روم وایران اسلام کے جھنڈے تلے آجائیں گے، اس پر مسلمانوں کی حکومت ہوگی، شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک دینِ اسلام پھیل جائے گا۔ آمنہ کا لال محمد یتیم ہے، ان کے ساتھ صرف چالیس آدمی مسلمان ہیں، اتنی کم تعداد کو لے کر کہتا ہے کہ میں ساری دنیا میں حکومت کروں گا، روم ایسے ہوگا، شام ایسے ہوگا، یہ تو شاعروں کی سی باتیں ہیں، اسی لئے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ شعر ہے ——— خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ

بدبختو! یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ شاعرانہ تخیلات کا مجموعہ ہے۔ یہ تو رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے، پیغمبر کو اللہ نے خود خبر دی ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ بھلا جو خبر دینے والا اللہ رب العالمین ہو۔ لانے والا جبرئیل امین ہو، خبر سنانے والا رحمۃ للعالمین ہو، اس کی بات کیسے غلط ہو سکتی ہے؟ اس کے برحق ہونے میں شبہہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اس پر ایمان لانا، یقین کرنا عین تقاضائے انسانیت و آدمیت ہے، اس کے اندر اللہ نے ہر چیز کی خبر دی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اللہ پر ایمان لائیں۔ اپنے دلوں کو شرک اور بدعات کے زنگ سے پاک و صاف کر ڈالیں، اپنے ظاہر و باطن کو ظاہری و باطنی نجاستوں اور باطل عقیدوں سے صاف رکھیں اور قرآن میں غور و فکر کریں، پھر دیکھئے کہ رحمتِ الٰہی کا نزول کس طرح ہوتا ہے؟

قرآن کا ابدی اعجاز

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جتنا بھی آدمی اس کو پڑھ لے، تھکتا نہیں، بار بار تلاوت کرتا ہے، بار بار ختم کرتا ہے لیکن ہر بار اسے نئی لذت نئی حلاوت اور نئی چاشنی ملتی ہے۔ ہر بار رموز و حقائق اور معارف و معانی کے نئے نئے دریچے کھلتے ہیں، جس پر ہر بار الگ الگ معانی کا ورود ہوتا ہے اور نئی لذت محسوس ہوتی ہے تو انسان اس کی تلاوت سے، اس کا ترجمہ پڑھنے سے اور اس کی تفسیر کے مطالعہ سے نہیں اکتاتا۔

اس کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب میں یہ الگ الگ لذتیں اور حلاوتیں نہیں ملتی ہیں، اسی لئے ایک دو دفعہ پڑھنے کے بعد آپ کا دل اکتا جائے گا۔ آپ کہیں گے کہ چھوڑو! میں نے اس کو پڑھ لیا ہے۔ اس ابدی کتاب

کے علاوہ دنیا میں اور کوئی کتاب آپ پیش نہیں کر سکتے کہ اس کو پڑھ کر آدمی تھک نہ جائے، اکتا نہ جائے ——— لیکن قرآن رب العالمین کا کلام ہے جس کو ساری زندگی پڑھتے رہو، پرانا نہیں ہوتا۔ عمر بھر پڑھتے رہو، جی نہیں بھرے گا۔

یہ دنیا کی پہلی اور آخری کتاب ہے کہ تیس پارے ہونے کے باوجود لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ ایک سات سال کا بچہ بھی الٓمٓ سے لے کر والناس تک پڑھ جاتا ہے اور کوئی غلطی نہیں کرتا۔ آج تک دنیا کوئی ایسی کتاب نہیں پیش کر سکی ہے جسے کسی نے مکمل یاد کر کے لوگوں کو سنا دیا ہو ——— جیسے اس کا پڑھنے والا جہنم کی آگ سے محفوظ ہے، ویسے ہی اس پر عمل کرنے والا دنیا کی بربادیوں سے بھی محفوظ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ اپنے تو اپنے، غیروں نے بھی اس کی صداقت کا اعتراف اور اقرار کیا ہے۔

ولید بن مغیرہ نے جب قرآن سنا تو واپس آ کر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم! نہ یہ شعر و سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ یہ تو اللہ کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک خاص قسم کی پرکیف حلاوت و شیرینی اور تروتازگی ہے۔ اس میں پہلے لوگوں کی خبریں ہیں۔ بعد میں آنے والوں کی خبریں ہیں۔ انبیاء کے تذکرے ہیں، وعدۂ و وعید ہے، توحید و رسالت کا ذکر ہے۔ جنت و جہنم کے حالات ہیں، دوبارہ زندہ ہونے، میدانِ حشر میں جمع کیے جانے اور حساب و کتاب، جزاء و سزا کے احوال کی مکمل عکاسی و منظر کشی ہے۔ اس میں عبادات، معاملات سے متعلق تعلیمات و احکامات بھی ہیں، تہذیب و معاشرت کے احکامات بھی ہیں اور جہانبانی و حکمرانی کے

طریقے بھی مذکور ہیں، غرض انسانی زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جس سے قرآن خاموش ہو اور اس کے بارے میں اس نے رہنمائی نہ کی ہو، شرط یہ ہے کہ آدمی اسے سبق حاصل کرنے اور سمجھنے کی نیت سے پڑھے۔

مسلم قوم کا المیہ

لیکن آج افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو طاق کی زینت بنا دیا۔ محض قسم کھانے اور نذر و نیاز حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا، اس کو تعویذ بنا کر گھول کر پیتے پلاتے ہیں، چومتے اور سینے سے لگاتے ہیں جو حکم قرآن دیتا ہے اس کو پڑھتے ہیں لیکن نہ سمجھتے ہیں، نہ عمل کی کوشش کرتے ہیں، تاہم دنیا میں ایسے پڑھنے والوں کا فیصد بھی بہت کم ہے، مسلمانوں کی دین سے دوری اور قرآن سے بے توجہی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جس کو اللہ نے اچھا اور ذہین بچہ دیا ہو، اچھی سوجھ بوجھ اور قوی حافظہ والا ہو تو وہ کسی دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے بجائے انگریزی اسکول میں اپنے بچہ کو داخل کرتا ہے۔ اس سے لوگ کہتے ہیں کہ بچہ کو مشنری اسکولوں میں داخل کراؤ۔ بچہ بڑا تیز ہے آگے جا کر ترقی کے منازل طے کرنے کی توقعات کی جا سکتی ہیں۔

بھلا بتائیں جس بچہ نے ابتدائی تعلیم بھی عیسائیوں سے حاصل کی ہو۔ بنیادی تربیت غیر مسلم اسکولوں میں پائی ہو، کیا وہ آئندہ حقیقی مسلمان رہ پائے گا؟ وہ نام کا مسلمان تو ہوگا مگر اندر سے مسلمان نہیں ہوگا۔ اس کا رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ملنا جلنا، طور طریقے، تہذیب و معاشرت غیر اسلامی ہوگا۔ اسے نہ یہ پتہ ہوگا کہ محمد مصطفےٰ کس کا نام تھا؟

قرآن کیا ہے؟ کلمہ کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ اس کا نام چاہے عبدالرحمان، ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ رکھ دیں۔ لیکن جس نے پرائمری سے لے کر پی ایچ ڈی تک، ابتدا سے لے کر انتہا تک غیر اسلامی اسکولوں میں تعلیم پائی ہو، اسے کیا خبر ہوگی کہ دین کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

قرآن سے دُوری ——— اسلامی تعلیم نہ ملنے کا نتیجہ!

اسلامی تعلیم کے نہ ملنے ہی کی وجہ سے آج جدید تعلیم یافتہ طبقہ قرآن کے قریب نہیں ہوتا، نبی کے فرمان کے قریب نہیں ہوتا بلکہ وہ شب و روز کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اپنی مغربی اور غیر اسلامی تعلیم کی مدد سے قرآن کے احکام کو بدل ڈالیں، وہ کبھی سور کو حلال قرار دیتے ہیں، کبھی شراب کو حلال قرار دیتے ہیں، کبھی چار نکاحوں کو حرام کر دیتے ہیں، کبھی اپنی مرضی سے گانے بجانے کو حلال کر دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اَب زکوٰۃ فرض نہیں ہونی چاہیئے۔ ٹیکس کی شرح بہت زیادہ ہوگئی ہے اس لئے اَب زکوٰۃ کو ختم کر دینا چاہیئے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اَب نماز کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ورزش کے اور بہت سے طریقے دنیا میں پیدا ہو گئے ہیں۔ نماز تو صرف ورزش کرانے کے لئے تھی اَب ہم اور بھی دوسرے طریقوں سے ورزش کر لیتے ہیں ——— یہ وہ افکار اور سوچنے کے انداز ہیں جو آج جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں آ گئے ہیں۔

اور اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ قرآن کو انہوں نے اپنی عقل سے سمجھنے کی کوششیں کی ہیں جس میں وہ یکسر ناکام ہو گئے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ قرآن کو اس عقل سے سمجھنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ جب تک وہ

قرآن سمجھنے کے لئے اپنی عقل دوڑانے کے بجائے نقل سے مدد نہ لیں، حضورؐ کی سیرت، حضورؐ کی شبانہ روز زندگی کو اپنی زندگی کے سانچے میں نہ ڈھال لیں، اس وقت تک فہم قرآن کی بیش بہا دولت مل ہی نہیں سکتی قرآن سمجھ میں آتا ہے محمد عربی کے خادموں کا خادم بننے سے، ان کے غلاموں کے دروازے کا دریوزہ گر بننے سے۔ جن لوگوں کو ان کے در کی یا ان کے غلاموں کے در کی خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔ انہی لوگوں کو قرآنی آیات کے مفاہیم کا علم ہے۔ وہ لوگ قرآن کے مفہوم، معانی مطالب، احکام اور ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس چند لوگ آئے کہ ہمیں حضورؐ کی سیرت اور اخلاق و عادات اور عبادتوں کے متعلق وضاحت سے بتا دیجئے انہوں نے جواب دیا کہ "کان خُلقہ القرآن"، ایک مختصر جملہ میں ساری بات بتا دی کہ قرآن سمجھنا ہو تو محمد عربیؐ کو دیکھنا ہوگا۔ آپؐ کے اخلاق کو سمجھنا ہو تو قرآنِ کریم کو دیکھنا ہوگا۔ قرآن کے احکامات کی چلتی پھرتی تصویر دیکھنا چاہو گے تو وہ بھی رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی صورت میں نظر آئے گی۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآنِ کریم جناب نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے قول و عمل کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح نبوت بھی قرآن کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکے گی، یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ نبی کو مانیں گے تو وحی کو ماننا ہوگا، وحی کو مانیں گے تو نبوت و رسالت کو ماننا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ تنزیل من رب العالمین۔ یہ قرآن

شیطانی کلام نہیں ہے، شیطانی وحی نہیں ہے بلکہ یہ تو رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے، اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں ہے، بھلا اللہ کی کتاب کے علاوہ کہیں حق باتیں مل سکتی ہیں؟۔

قرآن سے بے اعتنائی پر زجر و توبیخ

آگے خداوند قدوس کا ارشاد ہوا کہ اتنے دلائل کے بعد بھی افبھذا الحدیث انتم مدھنون کیا اسی کلام کو تم لوگ جھٹلاتے ہو۔ تصدیق نہیں کرتے ہو۔

مُدھنون، مداھنت سے ماخوذ ہے۔ مداہنت کا معنی ہے جاننے کے باوجود جھوٹ بولنا۔ جیسا دیکھا ویسی ہی بات کہہ دی، یہ طریقہ علماء یہود و نصاریٰ کا تھا۔ جاننے کے باوجود جھوٹ بولتے تھے حق بات چھپایا کرتے تھے۔ افسوس کن صورت حال یہ ہے کہ اب ہمارے یہاں بھی ایسا ہی کچھ ہونے لگا ہے، مقررین و واعظین کہیں تقریر کرنے، وعظ کرنے جاتے ہیں تو پہلے پتہ لگا لیتے ہیں کہ یہاں کس کس خیال کے لوگ ہیں؟ جن کا زور رہا ان ہی کی موافق باتیں کرتے ہیں تاکہ خوب واہ واہ اور داد ملے، جہاں شرک و بدعت کا زور دیکھا وہاں اسی مزاج کی تقریر کردی اور توحید کا دامن چھوڑ دیا۔ جہاں رفض و تشیع کا زور دیکھا وہاں اہل بیت کی مدح پر تقریر کردی اور اس میں صحابہ کا نام تک نہیں لیا۔ جہاں دیکھا کہ موحدوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں موحد بن گئے، توحید پر شاندار تقریر کردی۔ اسی کو "مداہنت" کہتے ہیں۔

اہل کتاب جانتے تھے کہ قرآن خدا کا کلام ہے، وہ سچا ہے، یہ کسی

انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ بھی اعتراف کرتے تھے کہ جناب نبی کریمؐ سچے نبی ہیں اور قریش اہلِ مکہ جھوٹے ہیں۔ کافر ہیں۔ اتنا جاننے اور اعتراف کرنے کے باوجود قرآن کی حقانیت اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرتے تھے تاکہ ان کی چودھراہٹ اور سرداری باقی رہے۔ اسی کو قرآن نے کہا کہ:
افبھذا الحدیث انتم مدھنون ٥ کیا تم ان باتوں کو جھٹلاتے ہو اور ان کی تصدیق نہیں کرتے ہو؟

شکر کے بجائے تکذیب

وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ٥ تم جھوٹ کو اپنی عادتِ ثانیہ بنائے پھرتے ہو، یہ قرآن جیسی ابدی اور لازوال نعمت ملنے پر تم کو خدا کا شکرگذار ہونا چاہیے تھا۔ شکرگذاری میں تم کو اس کا پیروکار بننا چاہیے تم کو شکر ادا کرنا چاہیے تھا کہ اللہ نے تمہارے لئے نبی بھیجا، تم ہی میں سے تمہارا ہادی بھیجا، تمہیں شکرگذار ہونا چاہیے تھا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے عربوں کو شرف اور بزرگی ملی، شکر کے بجائے تم میرے مدنی کی تکذیب کرتے ہو۔

حضرات! آپ یقین فرمالیں کہ اللہ نے ان علاقوں کو جو عظمت بخشی تو اسی وجہ سے کہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہاں اللہ کا گھر آباد ہوا۔ یہاں اللہ نے اپنے پاک پیغمبر پر اپنے قرآن مقدس کو اُتارا ان پہاڑوں کی انہی چوٹیوں سے توحید کا نور چمکا، انہی چوٹیوں سے دعوت کا علم بند ہوا، یہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کے بڑے بڑے سومناتوں کو توڑ کر پوری دنیا کو خدا کے سامنے جھکایا، اسی لئے اللہ نے اس

علاقہ سے محبت کو ایمان کی نشانیوں میں سے بنا دیا۔ آج دنیا کا کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مدینہ کی محبت نہ ہو، مکہ کی عظمت نہ ہو، ہم یہ فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہر مؤمن کے دل میں مکہ مدینہ کی عظمت و محبت ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جب تمہارے لئے بارشیں برساتے ہیں اس سے تمہاری کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، سبزہ زار ہو جاتی ہیں اور ان کی پیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے، تم کو اس پر شکر گذار ہونا چاہیئے۔ تمہارے ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم کہتے: اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں بارش جیسی نعمتیں عطا کیں، لیکن اس کے بجائے تم کہتے ہو کہ یہ بارش اس لئے ہوئی ہے کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں ہے۔ تم میری قدرت و نعمت کو جھٹلاتے ہو؟۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بارش کے موقعہ پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے، ہم لوگ حدیبیہ کے میدان میں تھے، رات کو بارش ہوئی تھی، صبح کی نماز کے بعد حضورؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جانتے ہو آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا: خدا اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے آپؐ نے فرمایا، سنو! یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت سے لوگوں نے مجھ پر ایمان کے ساتھ صبح کی اور بہت سے لوگوں نے کفر کے ساتھ صبح کی، جن لوگوں نے کہا کہ بارش اللہ کے فضل و رحمت سے ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جن لوگوں نے کہا کہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی ہے، فلاں برج میں ستارہ تھا اس لئے بارش ہوئی تو اس نے مجھ سے انکار کیا

اور ستاروں پر ایمان لایا۔ ایک آدمی سے حضورؐ نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ فلاں ستارہ اسد نامی برج میں تھا، اس لئے بارش آئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، بارش اللہ دیتا ہے کوئی برج نہیں دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہی آیت وتجعلون رزقکم انکم تکذبون تلاوت فرمائی۔

مفسرین کا دوسرا قول ہے کہ یہود و نصاریٰ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ قرآن برحق کتاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی برحق ہے مگر وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے قرآن کو کلام الٰہی مان لیا تو ہمارے نذرانے بند ہو جائیں گے۔ ہمارے معتقدین تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دروازے پر پہونچ جائیں گے۔ جب یہ حضورؐ کے آستانۂ مبارک پر چلے گئے تو ہمارے ہدایا وغیرہ سب بند ہو جائیں گے اور ہم تو بھوکوں مر جائیں گے۔ پھر ہمیں آپؐ کے مقابلہ میں کون پوچھے گا؟ اس لئے وہ جھوٹ بولتے تھے اور مکہ کے کفار و مشرکین سے کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام جھوٹا ہے، سحر ہے، جادو ہے۔ تو اس جھوٹ کو انہوں نے رزق بنا لیا کہ قرآن کے جھٹلانے کو اپنے لئے معاش و رزق کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

ایک مثال

یہود و نصاریٰ کے اس عمل کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مولوی اسلام کی تعلیم اور قرآن کی بات بالکل صحیح صحیح بتا دے، قل خوانی، چالیسواں، جمعرات، گیارہویں شریف وغیرہ کو ناجائز کہے تو اس نے اپنی روزی ہی بند کر لی، اس پر انعامات کے تمام دروازے بند ہو گئے، اس کے

بالمقابل جب وہ یہ بتائے کہ شریعت نے صدقہ وخیرات کرنے کی تعلیم دی ہے، اس سے ثواب ملتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی نہ کوئی دن تو ہونا چاہیئے۔ کوئی دن صدقہ وخیرات کے لئے متعین نہ ہو تو صدقہ لینے کون آئے گا؟ خیرات کون لے گا؟ اس لئے ہم نے ایک جنرل ڈے مقرر کر دیا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، نہ دینے والے کو سوچنا پڑے اور نہ لینے والے کو سوچنا پڑے۔ اس کے لئے جمعرات کا دن مقرر کر دیا۔ لوگوں کے دل میں بٹھا دیا کہ جمعرات برکت والا دن ہے۔ جمعرات کو مردے بھی انتظار کرتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار نے کچھ بھی صدقہ وخیرات کیا یا نہیں؟ اس لئے جمعرات کو خوب فاتحہ دیا کرو، اس دن خوب صدقہ وخیرات کرو، اَب ظاہر ہے کہ جو آدمی اس طرح کی باتیں کرے گا اس کے لئے ہر طرف پیسے ہی پیسے ہوں گے۔ اس کے لئے دولت کی ریل پیل ہوگی۔ قل خوانی پر بھی پیسے، مردہ نہلانے کے بھی پیسے، کفن پہنانے کے بھی پیسے، عرس شریف کے بھی پیسے، صندل شریف کے بھی پیسے، گیارہویں شریف کے بھی پیسے، میلاد شریف کے بھی پیسے، ان بدعات کے کرنے اور کرانیوالے کے لئے ہر طرف پیسے ہی پیسے ہیں، لیکن جو آدمی اسلام کی صحیح تعلیم بتادے ان چیزوں کو بدعات کہہ کر منع کرے تو یہ ساری بدعات ختم ہو جاسکتی ہیں لیکن اس کا رزق تو یقیناً بند ہو جائے گا۔ اگر وہ عوام کو صحیح بات بتادیں تو پھر ظاہر ہے کہ ان کے مفاد کو زبردست دھکا پہونچ رہا تھا اس لئے اس کی مذمت شروع کر دی، جھٹلانا شروع کر دیا۔

مروّجہ بدعات اور قرونِ اولیٰ

قل خوانی اور بہت سی دوسری بدعات دین میں رائج ہوگئی ہیں جن کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ملتی۔ اگر یہ بدعات درست ہوتیں، محبوب اور پسندیدہ ہوتیں تو تابعین و تبع تابعین، صحابہ بالخصوص حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضرور منقول ہوتا، جواز کیلئے کم از کم ایک مرتبہ اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں ضرور کرتے، لیکن حدیث کی کتابوں میں کسی حدیث میں آپؐ سے منقول نہیں ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مغرب کی نماز میں سورۂ تین، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص جیسی چھوٹی سورتیں پڑھی ہیں اور کبھی کبھی آپؐ نے والمرسلات بھی پڑھ لی ہے، کبھی سورۂ طور بھی پڑھی ہے[1]۔ محدثین نے اس کی وجہ لکھی ہے تاکہ اس کے جواز کے بارے میں امت کو سمجھ میں آجائے اور ان کی یہ غلط فہمی دور ہوجائے کہ مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتوں کو چھوڑ کر بڑی سورتوں کو پڑھنا ناجائز ہے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے گر گئے تو آپؐ کو چوٹ آئی۔ آپؐ نے بیٹھکر نماز پڑھائی، یہ بتانے کے لئے کہ بیٹھ کر نماز بھی پڑھنا جائز ہے۔ بیانِ جواز کے لئے آپؐ نے سفر میں دو رکعتیں نمازیں بھی ادا کیں۔ بیانِ جواز ہی کے لئے جنگ کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بتایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دو صفیں بنالو۔ ایک صف نماز کے اندر ہو اور دوسری صف جنگ کرتی رہے، پہلی صف ایک رکعت مکمل کرکے دشمنوں سے مقابلہ کرنے لگے اور دوسری صف آکر ایک رکعت مکمل کرے، پھر وہ لڑائی کے لئے چلی جائے اور اس طرح دونوں جماعتیں دو دو رکعت کرکے نمازیں ادا کریں اور بعد میں دونوں کی جو دو رکعتیں

(۱) یہ روایتیں عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی "مصنف" میں "باب القراۃ فی المغرب" کے تحت ذکر کی ہیں۔

رہ گئی ہیں، لاحق اور مسبوق کی طرح پوری کریں۔

غرض کہ ہر طریقہ نبی کریم ؐ نے سمجھا دیا۔ اَب اگر یہ نئی چیزیں درست ہوتیں، جائز ہوتیں تو ایک جمعرات کو بھی کر کے اس کا جواز فراہم کر دیتے ایک مرتبہ تیسرے دن قل خوانی فرما دیتے۔ ایک دن چالیسواں کر دیتے اپنے کسی بچہ کی پیدائش پر برتھ ڈے بنا لیتے۔ کسی ایک دن میلاد کے جلوس کا حکم فرما دیتے۔ آج امت کسی جھگڑے میں مبتلا نہ ہوتی اور نہ انتشار و افتراق ہوتا ——— لیکن آپ کی حیاتِ مبارکہ کے معمولات اور آپ کے مجموعۂ ارشادات سے یہ بالکل خاموش ہیں۔ اَب اگر یہی باتیں آپ ان کو بتائیں گے تو اس کے بعد مفت روٹی ملنے کا دروازہ بند ہو جائے گا، نذرانہ و تحائف، مشیخیت سبھی ختم ہو جائیں گے۔

اپنے استاذ کا معمول

ہمارے ایک استاذ کا معمول تھا جب وہ کہیں تقریر پر جاتے تو رات وہاں نہیں ٹھہرتے تھے، تقریر ختم کرنے کے بعد فوراً واپس ہو جایا کرتے تھے۔ میں اس وقت طالب علم تھا، میں بھی اپنے استاذ کے ساتھ چلا جایا کرتا تھا۔ ان کے اس عمل سے مجھے بڑی کوفت ہوتی تھی۔ رات دیر گئے تک جلسہ ہوتا رہتا۔ ایک بجے دو بجے جلسہ ختم ہوتا پھر بھی کہتے کہ ابھی چلو، میں نے آخر ایک دن پوچھ ہی لیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ جہاں جلسہ ہوتا ہے وہاں رات میں آپ کا قیام نہیں ہوتا فرمایا کہ بات در اصل یہ ہے کہ اگر جھوٹ باتیں ان کے سامنے بیان کروں ان کو فاتحہ کی فضیلت، قبر پوجنے وغیرہ کی اہمیت بیان کروں اور وہاں

قیام کروں تو میرا جلوس نکالیں گے، خدمتیں کریں گے، اعزاز و اکرام سے نوازیں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ جب میں حق باتیں بیان کروں، صحیح اسلامی تعلیم بتاؤں اور میں وہیں قیام کرلوں تو کیا یہ بدعتی لوگ مجھے چھوڑ دیں گے؟ میں اگر یہ سمجھا دوں کہ تمہارے یہ مُردے کچھ نہیں کر سکتے میں انہیں کہوں کہ قبر پرستی مت کرو، انہیں کہوں کہ میلاد مت کرو، قل خوانی بدعت ہے تو کیا یہ لوگ مجھے معاف کر دیں گے؟ اس لئے بہتر ہے کہ میں وہاں سے نکل ہی کیوں نہ جاؤں، اگر ان کو تقریر پسند آگئی تو کہیں گے اور تقریر کرو، پھر اور تقریر کرنی پڑے گی اور اگر تقریر پسند نہیں آئی تو مارنے کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ پسند آئی تو تقریر پر تقریر کا..... خطرہ اور نہیں پسند آئی تو مار کا خطرہ۔ اس لئے جان چھڑائی، تقریر کی اور چلے آئے۔

افسوس صد افسوس!

اور کئی مسلمان تو ایسے بھی ہیں کہ اَب مولویوں کی خدمت میں آتے ہیں اور کہتے ہیں: ذرا کتاب میں دیکھئے کہ میرے بچے کو کون سی بیماری ہے؟ حیرت ہے اگر کتاب میں لکھا ہوا ہو تو ہم مولوی اپنے بچوں کی خود ہی خبر گیری نہ کرلیں۔ اگر کتاب میں یہ سب باتیں لکھی ہوں تو کوئی مولوی کا بچہ بیمار ہی نہیں ہوگا، پیروں کے کسی بچہ کو بیماری قریب بھی نہیں پھٹکے گی۔ وہ تو کتاب ہی میں دیکھ کر کہیں گے بیٹا آج نہ جانا تجھے نقصان ہوگا ——— یہ جاہلانہ عقیدہ ہے۔

یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ مولوی بھی بڑے استاد ہیں، وہ اس سے منع بھی نہیں کرتے، کیونکہ اگر منع کر دیا تو آمدنی رک جائے گی، وہ خود بھی

کہتا ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھو۔ اَب آنکھیں بند کرو، میں کتاب کھول رہا ہوں، بسم اللہ پڑھ کر کہیں انگلی رکھ دو۔ اس سے بڑھ کر کوئی بدعقیدگی ہوسکتی ہے؟

یہ فالنامے کی کتابیں جو لوگوں نے خرید رکھی ہیں اور اس سے فال نکالتے ہیں اور اپنی قسمت آزماتے ہیں، یہ غلط بات ہے۔ البتہ کسی کام کے لئے جاتے ہوئے سوچا نماز پڑھ لوں، پھر کام کیلئے جاؤں تاکہ کام میں خیر ہو، کامیابی ہو تو یہ بُری بات نہیں ہے بلکہ دین میں مطلوب ہے۔ اسی طرح کام کے لئے جاتے ہوئے..... قرآن کھولا، اتفاق سے انا فتحنا لك فتحاً مبیناً والی آیت مِل گئی، یا نصر من اللہ وفتح قریب آیت مِل گئی اور کہنے لگے میرا کام ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو اور اس آیت سے نیک شگون لیا جائے تو کوئی بات نہیں ——— ہاں یہ مت کرو کہ اس کو تم اپنی روزی بنالو، کمانے کا ذریعہ بنالو اور فال نکالنا شروع کردو۔ پھر تو فال نکالنے والے کی جیب میں ہی فال ہوئی کہ جب چاہے نکال دے اور جب چاہے بند کردے، یہ بھی تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اگر ایک آدمی دس روپے دے تو فال ذرا ڈھیلی ہوگی، سَو روپیہ دو تو فال ٹھیک ٹھاک ہوگی اور اگر ہزار روپے دیدو تو پھر موجودہ اور آئندہ کی بھی فال ٹھیک ہوگی۔ سارے خاندان کی فال اور قسمت ٹھیک ہو جائے گی۔ اصول ہے کہ جتنا گڑ اتنا میٹھا۔

ایک مولوی صاحب ایک بستی میں گئے، لوگوں نے ختم پڑھنے کو کہا، وہ بیچارے موحد تھے۔ اس کے خاندان میں کسی نے بھی ختم نہیں پڑھا تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ ختم کس طرح پڑھا جاتا ہے؟ بہت پریشان ہوئے، انکار کرنے سے بھی بات نہیں بن رہی تھی۔ انہوں نے ضرب یضرب

ضرباً فھو ضاربٌ والی گردان شروع کردی تو لوگ بہت خوش ہوئے کہ آج جو ختم انہوں نے پڑھا بہت ہی اچھا ہے، ہم نے پہلے کبھی بھی نہیں سنا تھا۔

اسلام کے صحیح عقائد و تعلیمات سے محرومی نے مسلمانوں کو شرک و گمرہی کے کس تاریک ترین غار میں ڈال دیا۔ آپ نے سن ہی لیا، فاتحہ، ختم آیتِ کریمہ، سلام، فال نکالنا اور اس کے علاوہ نہ جانے کتنی بدعات و رسومات نے مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑ لیا ہے اور مسلم معاشرہ کو صحیح اسلامی عقیدوں اور تعلیمات سے بعید تر کر دیا ہے۔ بس اب علماءِ حق اور علماء اہلِ سنت والجماعت کا فریضہ ہے کہ ان بدعات و رسومات کو تحریروں سے، تقریروں سے اور اپنے اثر و نفوذ سے مٹائیں اور مسلمانوں کو صحیح عقیدے پر لانے کی کوشش کریں۔ حضرات صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور سلفِ صالحین جیسا ایمان کا جذبہ ان کے اندر پیدا کریں ——— اگر علماء و مقررین، مصنفین و مؤلفین نے اپنی تحریروں اور تقریروں، زبان اور بیان کو اس کے لئے وقف کر دیا تو وہ دن دور نہیں کہ مسلم معاشرہ بدعات و خرافات اور بے جا رسومات سے پاک ہو جائے گا۔ بدعقیدگیاں دور ہو جائیں گی اور ایک صالح اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا۔

وما ذٰلك على الله بعزيز

درس ۷۷

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ
حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ
وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ
لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ
الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

(۸۲ ——— ۹۶)

ترجمہ: جس وقت روح حلق تک آپہونچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو۔ اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو اگر تم سچے ہو۔ پھر (جب قیامت واقع ہو گی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا، اس کے لئے تو راحت ہے، غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص دائیں والوں میں ہوگا تو اس سے کہا جائیگا کہ تیرے لئے امن وامان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے اور جو شخص جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے

پانی سے اس کی ضیافت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بیشک یہ جو کچھ ہوا، تحقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

قرآن کا طرزِ تخاطب

سورۂ واقعہ کے سلسلۂ درس کا یہ آخری درس ہے۔ اس میں موت کے منظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ قرآن کے تخاطب کا عمومی انداز یہ ہے کہ کفر و شرک کی تردید خود قرآن کرتا ہے، جب نبوت و رسالت کی صداقت، اثبات وحی، اثباتِ قرآن، اثبات تنزیل من اللہ رب العالمین کا ذکر آتا ہے تو ان کے منکرین کا رد بھی کرتا ہے، جب معاد کا ذکر آتا ہے تو منکرین کا رد بھی قرآن کرتا ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ قرآن میں جو انبیاء سابقین کے واقعات اور ان کی قوموں کے حالات و انجام ذکر کئے گئے ہیں، دراصل انہی تین بنیادی مسائل کو دلائل کے طور پر سمجھانے کے لئے ہیں، ان کے علاوہ عبادات، معاملات، معاشرت، حدود و قصاص، تعزیرات، ملکی و بین ملکی تعلقات کے احکام وغیرہ قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں ——— یہ تو قرآن کے مندرجات کی قدرے تفصیل ہے ——— تاہم بنیادی مسائل صرف تین یعنی توحید، رسالت، معاد ہیں۔

سورۂ واقعہ میں زیادہ تر زور معاد اور قیامت پر دیا گیا ہے۔ اسی لئے اس سورت کا نام بھی سورۂ واقعہ رکھا گیا ہے، اور واقعۂ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قیامت کے ناموں میں سے القیامۃ، الواقعۃ، الحاقۃ، القارعۃ، الآزفۃ کے اسماء قرآن میں مذکور ہیں۔

پہلی آیتوں سے ربط

اس سورت کی ابتدائی آیات میں مذکور تھا کہ قیامت آکر رہے گی، اور اس کی آمد کو کوئی جھٹلا نہیں سکے گا اور روک نہیں سکے گا، جب قیامت آئے گی تو وہ کسی کو اونچا کرے گی، سربلند کرے گی تو کسی کو نیچا کر دکھائے گی اور شرمندہ کرے گی تو اس وقت لوگوں کی تین جماعتیں ہو جائیں گی۔ ایک تو وہ لوگ ہوں گے جو سب سے سبقت کرنے والے اور اللہ سے قرب حاصل کرنے والے ہوں گے۔ ان میں انبیاء و رسل، شہداء اور صدیقین شامل ہیں، دوسرے اصحاب الیمین ہوں گے، دائیں والے ہوں گے۔ اولیاء اللہ اور نیک بندے ہوں گے، یہ دونوں جماعتیں مقبول ہوں گی ——— تیسری جماعت وہ ہوگی جن کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے پوری زندگی کفر و شرک کی تاریک اور اندھیری زندگی گذاری ہوگی۔

اس کے بعد پھر مقربین کے انعام کا ذکر تھا کہ جو مقربین اور سابقین ہوں گے۔ ان کے کیا مراتب ہوں گے؟ ان کو بطورِ انعام کن کن نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا؟ اس کے بعد اصحاب الیمین کے درجات اور انعامات و حالات کا ذکر تھا۔ اس کے بعد اصحاب الشمال کے حالات کا ذکر تھا۔ ان ساری حالتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور الوہیت پر دلائل دیئے تھے کہ نحن خلقنٰکم فلولا تصدقون ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، ہم تمہیں عدم سے وجود میں لائے ہیں، ہم نے تمہیں ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا ہے۔ پانی کے اس ایک قطرہ

سے تم بچہ بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ جو پانی تم پیتے ہو، بادل سے اس کو ہم برساتے ہیں یا تم برساتے ہو؟ ——— یہ آگ تم جلاتے ہو یا ہم جلاتے ہیں؟

ایک شبہ کا جواب

اگر کوئی عقل کا اندھا یہ کہتا ہے کہ بادل مانسون ہواؤں سے بنتا ہے اور زمین پر ثقل بڑھ جانے سے بادل برستا ہے، اللہ کہتا ہے کہ یہ تو بتاؤ اِن مانسون ہواؤں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور جن دریاؤں سے پانی لے کر بادل اڑتا ہے، ان کا خالق کون ہے؟ پھر اس پانی کی اتنی بڑی قوت کو زمین اور آسمان کے درمیان بغیر کسی سہارے کے روکنے والا کون ہے؟ کس کے حکم سے یہ اس طرح رہتا ہے، تمہاری گاڑی کو بریک لگنے میں بھی دیر لگتی ہے لیکن بارش رکنے میں اتنی دیر بھی نہیں لگتی ہے جیسے ہی رُکنے کا حکم ملتا ہے کروڑوں قطرے بیک وقت رک جاتے ہیں، کیا دنیا کی کوئی طاقت پانی سے لدے بھرے اتنے بڑے بڑے بادلوں کو خلا میں محفوظ کر سکتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا ہے؟ تم کہو گے کہ ان کو ہوائیں چلاتی ہیں۔ لیکن ایک مومن کی نظر ہواؤں کے خالق پر ہوتی ہے۔ تم کہو گے کہ کشش و ثقل چلاتی ہے، لیکن پکے اور سچے مومن کی نظر اس کشش اور مادے کے خالق پر ہوتی ہے۔ اسباب کی حد تک اس کی نگاہیں رک نہیں جاتی ہیں بلکہ اسباب سے تجاوز کر کے سبب حقیقی تک پہونچتی ہیں کہ یہ تو اسباب ہیں۔ اصل تو وہ ہے جو ان اسباب کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

ان ساری دلیلوں کو ذکر کر کے قرآن نے پھر حشر و نشر کی طرف توجہ

مبذول کرائی۔ اب آخر سورت کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ایک مثال کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کو مزید واضح فرماتے ہیں۔

سب لوگ موت کے اسیر ہیں

فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم حینئذٍ تنظرون۔ کفار نے سب سے زیادہ اس بات کا انکار کیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی۔ نہ حساب کتاب ہوگا، وہ سمجھتے رہے کہ ان کی جان اور روح خود ان کے قبضہ میں ہے۔ ان کی اپنی زندگی میں ان کو بھی کچھ دخل ہے .... اور جہالت و نادانی میں دنیا کے پیچھے مست و مدہوش پڑے رہے، ان کے اس باطل عقیدے کی قرآن نے تردید کی اور مرنے کے قریب ایک انسان کی مثال دے کر سمجھایا کہ جب کسی شخص کی موت آتی ہے اور روح حلق تک پہنچ جاتی ہے، تم اس وقت بیٹھے ہوئے سارا تماشہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو، بھائی ہے، بہن ہے، باپ ہے، بیوی ہے، اعزہ واقربا ہیں، سب کے سب موجود ہیں۔ پھر تم لوگ روح کو روک کیوں نہیں لیتے؟ فرشتہ کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑ لیتے کہ وہ روح نہ نکال سکے؟ تم اپنی جس قوت پر ناز کرتے ہو، کبھی موت کا انکار کرتے ہو، کبھی موت کے بعد دوبارہ زندگی کا انکار کر دیتے ہو، کبھی رسالت کا انکار کر بیٹھتے ہو، کبھی احکام الٰہی کا انکار کرتے ہو، کبھی کہتے ہو کہ قرآن وحدیث کی باتیں عقل وفہم میں نہیں آتیں۔ ہمارا دماغ اس کو نہیں مانتا۔

اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے مدد لے کر اپنے مرنے والے جان بلب بھائی کو تو بچا لو، تنہا نہیں کر سکتے تو پوری برادری اور قوم کے لوگوں

کو بلالو ـــــــ لیکن تم سے بال بیکا بھی نہیں ہوسکتا۔ تمہاری قوتیں، طاقتیں اور صلاحیتیں کہاں چلی گئیں کہ تم عاجز ہو گئے اور اس مرنیوالے کی جان نہیں بچاسکے۔ جب تم کو نہ اپنی پیدائش میں دخل ہے، نہ موت میں دخل ہے تو پھر دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کیوں کرتے ہو؟ حشر ونشر اور حساب وکتاب پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ اگر تم دوبارہ زندہ کئے جانے کے قائل نہیں ہو، قیامت کے میدان میں حاضر کئے جانے کے قائل نہیں ہو، تمہیں حشر ونشر کا یقین نہیں، تمہیں عذاب کا یقین نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ تم اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو، اگر وہ تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہونچی ہوئی روح کو واپس اس کی اپنی جگہ پہونچا کر دکھادو۔ ظاہر ہے کہ تم ایسا نہیں کرسکتے۔ اس لئے یاد رکھو کہ جس طرح جسم میں روح ڈالنے پر ہم قادر تھے اسی طرح ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ دوبارہ اس روح کو اسی جسم میں ڈال کر نئی زندگی عطا کردیں۔ نہ تو پیدائش میں تمہارے کسی عمل کا دخل ہے اور نہ ہی موت میں تمہارے کسی عمل کا دخل ہے تو پھر دوبارہ زندہ کئے جانے میں کہاں سے تم کو دخل کی اجازت مل گئی ہے جو تم کہتے پھرتے ہو کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے۔

اللہ ـــــ انسان سے سب سے زیادہ قریب ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ نحن اقربُ الیہ منکمُ مرتے وقت اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے ہم تمہارے مقابلہ اس مرنیوالے

سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسکے اندرونی اور ظاہری حالتوں سے واقف ہے اور اس کو اس پر پوری قدرت ہے۔ اللہ کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

آپ غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جو چیز آپ کے علم میں ہو تو وہ قریب ہوتی ہے اور جو علم میں نہ ہو تو وہ دور ہوتی ہے مثال کے طور پر کبھی عینک جیب میں ہوتی ہے اور آدمی تلاش کرتا پھرتا ہے کہ عینک کہاں ہے؟ اور کبھی کبھی یہ لطیفہ بن جاتا ہے کہ پڑھتے پڑھتے عینک کو آنکھوں سے ذرا اوپر کر لیا اور جب دیکھنے کی نوبت آئی تو عینک اِدھر اُدھر تلاش کرتے ہیں۔ کبھی بریف کیس کھولتے ہیں کبھی گھر کے طاقوں کو دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے ساتھی سے پوچھتے ہیں، اَب دیکھئے! عینک کا پتہ نہیں تھا تو قریب رہ کر بھی دور اور اگر پتہ ہو تو دور رہ کر بھی قریب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ساری کائنات اللہ کے علم میں ہے۔ ہمارا مرنا، ہمارا جینا، ہمارا پیدا ہونا، ہمارا اٹھنا، ہمارا بیٹھنا، ساری حالتیں اللہ کے علم میں ہیں، اس کے علم سے کوئی ذرہ برابر بھی خارج نہیں ہے۔ اَب یہی دیکھئے کہ جو لوگ مَر گئے اور منوں مٹی تلے دَب گئے وہ تو ہم سے بہت دور ہیں لیکن اللہ کے بہت نزدیک ہیں۔ کیونکہ اللہ کے علم میں ہے کہ فلاں کہاں ہے؟ اور اس کی ہڈیوں کا ذرہ ذرہ کہاں ہے؟۔ چونکہ تم میرے علم پر ایمان نہیں رکھتے، میری قدرتِ کاملہ پر ایمان نہیں رکھتے ہو اس لئے تم نہیں دیکھ سکتے کہ ہم مرنے والے سے کتنے قریب ہیں، ہم تو اس کی ظاہری اور باطنی کیفیتیں بھی جانتے ہیں۔ یہی مطلب ہے "نحنُ

اقرب الیہ منکم کا۔

وحدت الوجود کا عقیدہ باطل ہے

یاد رکھیں! اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا بندے میں حلول کر جائے خدا بندے میں آجائے۔ بعض جاہل کتاب الٰہی میں ایسی باطل تاویلات کرتے ہیں جو سلفِ صالحین کی تفسیروں کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ وہ اس طرح کی آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ اگرچہ بظاہر بندے ہوتے ہیں لیکن خدا کی ذات ان کی ذات میں حلول کیے ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ

یہ باطل عقیدہ سب سے پہلے یہودیوں نے گھڑا تھا اور ان کے بعد شیعہ حضرات نے اس کی تبلیغ اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ کہتے تھے کہ حضرت علیؓ بظاہر انسان ہیں مگر حقیقت میں اللہ ان کے اندر سما گیا ہے اور حلول کر گیا ہے۔ ان کی ذات خدا کی ذات اور خدا کی ذات ان کی ذات ہو گئی ہے۔ آج جب وہ مشکلات و مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو یا علی مشکل کشا کا نعرہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو پکار کر اللہ ہی کو پکارتے ہیں، بظاہر ہم علیؓ کو پکارتے ہیں مگر حقیقت میں اللہ علیؓ کے اندر سمایا ہوا ہے اس لیے وہ مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، دکھ سکھ میں فریاد سننے والا وہی ہے۔ لمحۂ فکریہ تو یہ ہے کہ بعض سادہ مسلمانوں نے بھی اپنے عقیدہ سے ناواقفیت اور نادانی کی وجہ سے اللہ کا نام چھوڑ کر حضرت علیؓ کے نام کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ نہ

سمجھ سکے کہ اس نعرہ کا عقیدہ پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ تم جب اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہو تو تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے اور زبانِ حال سے گویا تم اقرار کر رہے ہوتے ہو کہ ہماری پکار اللہ نے سن لی ہے۔ اگر ہم کمزور ہوں گے تو وہ ہماری مدد کرنے پر بھی قادر ہے۔ ہمیں کامیابی دینے کی بھی قوت رکھتا ہے، نفع پہنچانے کی بھی طاقت رکھتا ہے اور نقصان پہنچانے کی بھی۔

غیر اللہ کو پکارنا ـــــ غیر اسلامی عقیدہ و عمل ہے

لیکن جب اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارنے لگیں، یا علی کہنے لگیں، پیر و دستگیر کو پکارنا شروع کر دیں، یا غوثِ اعظم کی رٹ لگانے لگیں گے تو کیا یہ اسلامی عقیدہ ہے؟ کیا اسلام نے صراحتاً یا اشارۃً اس طرح کہنے کی اجازت دی ہے؟ ہرگز نہیں، یہ تو بالکل غیر اسلامی عقیدہ اور غیر اسلامی عمل ہے۔ غیر اللہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے تو پھر ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ وہ تمہاری فریاد نہیں سن سکتے تو ان کا نعرہ بلند کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ وہ بھی سنتے ہیں اور نفع دینے کی طاقت بھی رکھتے ہیں تو پھر شرک کس کو کہو گے جس کے بارے میں قرآن میں کہا گیا کہ ان الشرک لظلم عظیم۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کچھ صحیح العقیدہ اور اہلِ سنت کہلانے والے مسلمان کی زبانوں پر بھی یہی چڑھ گیا ہے کشتی لڑیں گے تو یا علی، کبڈی کھیلیں گے تو یا علی، کہیں کسی مقابلہ میں شرکت کریں گے تو یا علی، کہتے رہتے ہیں۔ لیکن ان نادانوں اور کم بختوں

کو نہیں معلوم کہ وہ زبان سے اس طرح کی باتیں نکال کر شرک کی حدود میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو بھی ہدایت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو بھی سمجھ عطا فرمائے۔

ان باتوں کے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ عقیدہ حلولیہ اور وحدت الوجود عجمی مشرکوں سے نکلا اور ان سے منتقل ہو کر اہل سنت و الجماعت میں سے جاہلانہ تصوف کے دلدادہ صوفیوں میں آہستہ آہستہ سرایت کر گیا اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا ؎

ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

کہ ظاہر میں تو پیر فرید ہے اور باطن کے اعتبار سے وہ خدا ہیں، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن نے خود کہا: نحن اقرب الیہ من حبل الورید کہ ہم اس کے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون کہ جب تم میت کے پاس بیٹھے ہوتے ہو تو ہم تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے کہ ایک بندۂ مؤمن جب نوافل کی کثرت سے خدا کا مقرب بندہ بن جاتا ہے تو وہ خدا کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اپنی نظروں سے نہیں دیکھتا، اللہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے نہیں پکڑتا، بلکہ اللہ کے ہاتھوں سے پکڑتا ہے، وہ اپنے قدموں سے نہیں چلتا بلکہ اللہ کے قدموں سے چلتا ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قیامت کے دن سوال کرے گا، میرے

بندے میں بیمار ہوگیا تھا، تو نے میری عیادت کیوں نہیں کی؟ تو بندہ کہے گا کہ میرے رب کریم! تو تو بیماری سے بھی پاک ہے، تو کیسے بیمار ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ میں پیاسا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ کہے گا: یارب! تو تو پیاس سے بھی پاک ہے، تجھے پیاس کہاں لگتی کہ میں پانی پلاتا۔ آپ تو ساری دنیا ہی کو کھانے پلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا اور میرا نام لے کر تم سے پانی مانگا تھا، تو اگر اس کو پانی پلاتا تو مجھے وہاں پاتا۔

اس طرح کی آیتوں اور حدیثوں کو یہ جہلاء پڑھ کر کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو! اللہ اس کی آنکھ بن گیا، اس کا ہاتھ بن گیا، پیاسا بن گیا، بیمار بھی بن گیا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے برگزیدہ بندوں کے جسم میں حلول کر جاتا ہے، نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!

یہ عقائد اصل میں کافروں کے تھے۔ سادہ لوح مسلمانوں نے ناواقفیت میں، بعضوں نے غلط فہمی میں اور بعضوں نے محبت کے جنون میں اس طرح کے عقیدے اپنا لئے جو صراحۃً کفر و شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے اور جو لوگ اس غلط عقیدے پر ہیں۔ انہیں بھی اللہ ہدایت عطا فرمائے اور صحیح العقیدہ مسلمان بنائے۔

انسان کی بے چارگی

آگے ارشاد فرمایا کہ: فَلَوْلَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ

کُنتم صٰدقین ۝ اگر تمہارا حساب و کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو پھر کیوں نہیں لوٹا لیتے ہو، اگر تم سچے ہو ؟

یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ ہمارا حساب و کتاب نہیں ہوگا، ہماری جزا سزا نہیں ہوگی، تم میرے مالک ہونے کو نہیں مانتے، آخرت کو نہیں تسلیم کرتے، تم اپنے کو محکوم نہیں خیال کرتے ہو تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہارے اندر قوت ہے اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارے خیال کے مطابق یہ بات درست ہے تو تم اپنے بھائی کی روح جو موت کے وقت نکل رہی ہوتی ہے، اس کو لوٹا کیوں نہیں لیتے ؟ اس کو دوبارہ بدن میں ڈال کیوں نہیں دیتے، اس کو جانے کیوں دیتے ہو۔ ؟؟

عزیزو! سچ سچ بتاؤ کہ دنیا کی کوئی طاقت ایسی ہے جو روح واپس بدن میں لاسکے ؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کوئی بھی آدمی اپنے بیوی اور بال بچوں کو اپنے سے جُدا ہونے نہیں دیتا۔ مَرنے کے بعد فوراً دوبارہ روح لوٹا لیتا ——— غرض کہ انسان روح کو نکلنے سے روک نہیں سکتا۔ پوری دنیا بھی روک نہیں سکتی، ساری دنیا مل کر روح ڈالنا چاہے تو ڈال بھی نہیں سکتی اور نکالنا چاہے تو نکال بھی نہیں سکتی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارے سامنے جب کہ روح نکل رہی ہے اور تم اس کو روکنے پر قادر نہیں تو جب دوبارہ روح ڈال کر زندہ کروں گا تو کیا تم دوبارہ زندہ کرنے اور روح ڈالنے سے روک سکو گے؟

انسان کے رحمِ مادر میں روح ہم نے پھونکی، تو ہم روح پھونکنے پر بھی قادر، نو ماہ رحمِ مادر میں زندہ رکھنے اور باہر کرنے پر بھی قادر، اندر ہوتے ہوئے خوراک پہنچانے پر بھی قادر، ہوا پہنچانے پر بھی

قادر، پانی پہونچانے پر بھی قادر، تنفس و سانس دینے پر بھی قادر، دنیا میں ظاہر کرنے کے بعد بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کی عمر، ان سارے مراحل طے کرانے پر بھی قادر، جب ہم ہر چیز پر قادر ہیں تو قبروں سے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہیں۔ حساب و کتاب لینے پر بھی قادر ہیں، اور جزا و سزا دینے پر بھی قادر ہیں۔

مقربین کیلئے آرام ہی آرام

اَب اللہ تعالیٰ کے یہاں جزا و سزا میں ایسا نہیں ہوگا کہ ماننے والا اور نہ ماننے والا، مسلم و کافر، نیک و بد سبھی برابر رہیں گے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کے لحاظ سے بدلہ ملے گا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم ○ کہ جو بارگاہِ خدا میں مقرب ہیں، جو احکامِ الٰہی پر عمل کرتے اور نافرمانیوں سے بچتے تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کے مژدے اور خوش خبریاں سناتے ہیں اور کہتے ہیں، اے پاک روح پاک جسم والی روح! چل راحت و آرام کی طرف چل، کبھی ناراض نہ ہونے والے کی طرف، رحمٰن و مہربان کی طرف چل۔

یہاں پر "روح" کے معنی راحت اور "ریحان" سے مراد آرام ہے۔ غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے۔ ابدی سرور اور سچی خوشی مل جاتی ہے، وہ ایک فراخی و وسعت دیکھتا ہے۔ اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے۔ وہ جنت نعیم کی طرف لپکتا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت خدا

کے مقرب بندے کی روح قبض کی جاتی ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے ہی ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے: میرے فلاں بندے کے پاس جا اور میرے دربار میں لے آ۔ میں نے اسے رنج و راحت، آرام و تکلیف، خوشی و ناخوشی ـــــــ غرض ہر آزمائش میں آزمالیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا۔ بس اَب میں اسے ابدی راحت دینا چاہتا ہوں، جا! اسے میرے خاص دربار میں پیش کر، ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔ اگرچہ ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن اس میں بیس قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم بھی ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی رہتی ہیں (۱)

بعض محدثین کہتے ہیں کہ ریحان سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب نیک مومن بندے کی روح نکلتی ہے تو قربت اور بلند رتبہ ہونے کی وجہ سے اللہ ایسی آسانی فرما دیتے ہیں کہ جنت کی خوشبودار چیز فرشتے سونگھا دیتے ہیں، وہ سونگھتا ہے، اسی میں اس کی روح پرواز کر جاتی ہے اور اسے پتہ تک نہیں چلتا۔

سعادت مندوں کیلئے سلام ہی سلام

---

(۱) دیکھئے ابن کثیر ۴/۳۲۲۔

پھر ارشاد فرمایا کہ : واما ان کان من اصحٰب الیمین ٥ فسلٰم لك من اصحٰب الیمین کہ اگر وہ سعادت مندوں میں سے ہے، عام مومنین صالحین میں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے کہتے ہیں، اللہ کی طرف سے تجھے سلامتی ہو، تو ہر بُرائی سے بچ گیا۔ اسی لئے مسلمانوں کا تحیہ سلام ہے۔ جب ایک دوسرے سے ملیں تو سلام۔ مرنے کے بعد بھی قبرستان میں جانے والے کہتے ہیں : السلام علیکم یا دار قوم مؤمنین ! جنت میں بھی ایک مؤمن دوسرے سے السلام علیکم کہے گا اور فرشتے بھی سلام ہی سے مخاطب کریں گے۔ قرآن کہتا ہے :

والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم ط فنعم عقبی الدار (رعد : ۲۴)

فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ تم صحیح سلامت رہو گے بدولت اس کے کہ تم دینِ حق پر مضبوط رہے تھے، سو اس جہاں میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔

جنت کے ہر دروازے سے فرشتے داخل ہوں گے اور مومنوں سے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو، دنیا میں تم نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں بڑی مشقتیں اٹھائیں۔ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، دشمنوں کی باتیں برداشت کیں، دشمنوں کے طعنے اور اعتراضات نے سمع خراشی کی۔ لیکن اپنے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آنے دیا اس لئے اب سلامتی ہو کہ تم اصحاب الیمین میں سے ہو، مؤمنین صالحین میں سے ہو، اللہ کے عذاب سے تو سلامتی پائے گا۔ قرآن میں ہے کہ فرشتے نیک بندوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت آتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں کہ ڈر، خوف مت کرو، رنج و غم میں مبتلا نہ

ہو۔ حسبِ وعدہ جنت تمہارے لئے تیار ہے، دنیا و آخرت میں ہم تمہاری مدد و حمایت کیلئے موجود ہیں، جو تمہارا جی چاہے موجود ہے، جو تمنا کرو گے وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے تم باعزت مہمان ہو، تمہارے لئے بالکل طے ہے کہ تو اصحاب الیمین میں سے ہے ـــــ تم پر سلامتی ہو، اور اس سے بڑی سلامتی کیا ہو گی کہ فرشتے تو فرشتے خود پروردگار عالم اپنے بندوں کو سلام فرمائیں گے۔ سلام قولاً من ربّ رحیم (یٰسٓ ـــــ ۵۸) اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے کہ خود خداوند قدوس اپنے بندے کو سلامتی کی ضمانت دے۔

لطیف اشارہ

قرآن کے اسلوب اور اندازِ کلام کو غور سے دیکھیں کہ ابتدا سورت میں والسابقون السابقون ۝ اولئك المقربون فی جنّٰت النعیم کی تعبیر تھی اور یہاں اما ان کان من المقربین کی، اسی طرح ابتدا میں اصحٰب المیمنة ما اصحٰب المیمنة کی تعبیر استعمال ہوئی تھی اور اخیر میں اما ان کان من اصحٰب الیمین کی۔

یہ اور اس طرح کی قرآنی آیات میں جتنا تنوع ہو گا، کلام کے اسلوب میں اتنی ہی جدت ہو گی۔ اس سے پڑھنے اور سننے والے کو اتنی ہی زیادہ توجہ ہوتی ہے اور فصاحت و بلاغت پیدا ہوتی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ ہر بندے کی دو زندگی ہوتی ہے۔ ایک دنیوی، دوسری اخروی۔ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی تعبیر اختیار فرمائی ہے تاکہ ایک سے دنیوی زندگی کی طرف اشارہ ہو اور دوسرے سے اخروی زندگی کی طرف

اسی طرح انعام کی تفصیل میں بھی غور کریں تو مقربین کے انعام میں تین چیزیں مذکور ہیں، (۱) فروح (۲) وریحان (۳) جنۃ نعیم ـــــــ ایمان میں بھی تین چیزیں ہیں (۱) اقرار باللسان (۲) تصدیق بالقلب (۳) عمل بالجوارح

مفسرین نے یہاں پر ایک لطیف نکتہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: چونکہ تیرے دل نے بھی تصدیق کی، تیری زبان نے بھی اقرار کیا، تیرے بدن نے بھی اس پر عمل کیا تو دیکھو میں نے انعامات میں بھی تمہارے لئے تین چیزیں تیار کر رکھی ہیں، ایک روح، دوسرے ریحان اور تیسرے جنّاتِ نعیم۔

جھوٹے اور گمراہ

آگے آخری طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: واما ان کان من المکذبین الضالین کہ وہ میت جس کی روح حلقوم تک پہونچ گئی ہو، اگر وہ اللہ کا وجود نہیں مانتا تھا یا اللہ کی الوہیت اور خالق کائنات کی خالقیت کو نہیں مانتا تھا بلکہ جس طرح چاہتا تھا شرک کا قائل تھا۔ پیغمبر کو جھٹلاتا تھا، وقوعِ قیامت کو جھٹلاتا تھا، بہرحال کسی طرح بھی وہ توحید وسنت کی راہ پر قائم نہیں تھا، راہِ راست سے بھٹکا ہوا تھا، اس کی میزبانی اس گرم پانی سے ہوگی جو یصھر ما فی بطونھم والجلود (حج: ۲۰) ان کے پیٹ کی آنتیں کاٹ ڈالیں گی، کھال جھلسا دیں گی اور پھر جہنم کے قید خانہ میں بٹھا دیا جائے گا کہ آگ اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوگی، جس میں ڈوبا پڑا ہوگا اور جلتا بھنتا رہے گا۔

یہ یقینی باتیں ہیں

پھر فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ کہ یہ سب باتیں جو بیان کی گئیں بلاشبہ وہ حق الیقین کے درجہ میں ہے، اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں ہے۔ آدمی اگر اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس میں کچھ شبہہ ہوسکتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر اس میں یقین ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ "ان هٰذا" میں هٰذا سے قرآن کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن حق الیقین ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "هٰذا" سے اس سورت کے مضامین کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ اس سورت میں ہے وہ حق الیقین ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "هٰذا" سے انسانوں کی تین قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ اسی سورت میں بیان کی گئی ہیں اور غور کیا جائے تو یہ تمام اقوال قریب المعنی معلوم ہوں گے کہ قرآن بھی حق ہے، یہ سورت اور اس کے مضامین بھی برحق ہیں۔ اس سورت میں بیان کردہ تینوں قسمیں بھی برحق ہیں۔ جب یہ سب برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اب بھی ایمان نہ لائیں، آپ کی باتوں پر توجہ نہ کریں تو آپ ان کو چھوڑ دیں یہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

آپ پاکی بیان کیجئے!

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ آپ صرف اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہیے، انکی تسبیحوں میں مشغول رہیے، حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو یعنی رکوع میں سُبحان ربی العظیم کہا کرو اور "جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" نازل ہوا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سجدہ میں رکھو یعنی سجدہ میں سُبحان رَبِّیَ الاعلیٰ کہا کرو(۱)۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس بندے نے سُبحَانَ رَبِّیَ العظیم کہا اسکے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے(۲)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان عدل میں بھاری ہیں اور اللہ کو بے حد محبوب ہیں، وہ سُبحَانَ اللہِ وبحمدہٖ، سُبحَانَ اللہِ العظیم ہیں (۳) ——— اور بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز بھی ایک تسبیح ہے، اس لئے گویا اس آیت میں آپ کو نمازوں کے ذریعہ مدد چاہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اتنے واضح دلائل، آیاتِ قاطعہ اور دلائلِ ساطعہ کے بعد بھی اگر کوئی ایمان نہیں لائے، آخرت کو نہ مانے، اے نبی! آپ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں، ان کا غم نہ کریں اور اپنے رب کی تسبیح میں لگ جائیں، عبادت میں لگ جائیں، ہم ان سے خود فیصلہ کرلیں گے۔

سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ سے دُعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے، تفسیر بیان کرنے والے اور سننے والے کی محنت کو ذخیرۂ آخرت بنائے، تمام مسلمانوں کو بالخصوص عالم اسلام کو دشمنوں کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور ہم سبھوں کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

"آمین ثم آمین"

---

(۱) درمنثور ۸/۴۰۔

(۲) ابن کثیر ۴/۳۲۳۔ (۳) حوالۂ سابق۔

سُورَۃُ المجَادلۃ

درس ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَتَشۡتَکِیۡۤ
اِلَی اللّٰہِ ۖ وَاللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ۝۱
اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ
اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓـِٔیۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَاِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا
مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ۝۲ وَالَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ
مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ
قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ
خَبِیۡرٌ ۝۳ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ
قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ
ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ؕ وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ
لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝۴ (۱ ـــــ ۴)

ترجمہ:

"اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ بھی تم دونوں کی آپسی گفتگو کو سن رہا تھا، بلاشبہ اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے، جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں وہ انکی مائیں نہیں ہو جاتیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں

نے ان کو جنا ہے، وہ لوگ ایک ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہہ رہے ہیں، اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اور وہ پھر اپنی کہی ہوئی باتوں سے رجوع کرنا چاہتے ہوں تو وہ صنفی تعلقات قائم کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں، اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پھر جس شخص کو اس کی وسعت نہ ہو تو وہ صنفی تعلقات قائم کرنے سے قبل مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ——— یہ حکم اس لئے ہے تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

ماقبل سے ربط

قرآن کی تمام سورتیں اور آیات ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اس سورت اور اس سے پہلے کی سورت کے درمیان ربط یہ ہے کہ پہلی سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ذکر تھا کہ تمام فضل و مہربانی اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے اور یہ بھی ذکر آیا تھا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے عوض فضل و انعام سے سرفراز فرمائیں گے اس سورت میں اللہ کے انسانیت اور خصوصاً مسلمانوں پر دنیوی فضل کا ذکر ہے کہ بیوی کو ماؤں سے تشبیہ دینے کے بارے میں جو بداعتقادی اور غلط فہمی تھی کہ بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور مرد اس کو دوبارہ اپنی زوجیت میں نہیں لا سکتا، کے صحیح نہ ہونے اور اسی فاسد خیالی کو دور کرنے کے لئے واضح کر دیا گیا کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے سے وہ حقیقۃً ماں نہیں ہو جاتی

جیسا کہ تمہارا خیال ہے اور اس طرح دورِ جاہلیت کے سخت حکم میں نرمی پیدا کر کے اللہ کی جانب سے انسانیت پر فضل و انعام کیا گیا ہے۔ پس پہلی سورت کے اخیر میں اخروی فضل کا ذکر تھا تو اس سورت کی ابتدا فضلِ دنیوی سے ہوئی ہے اس لحاظ سے دونوں میں ربط بالکل واضح ہے (۱)

حضرت تھانویؒ نے ایک مناسبت یہ بھی ذکر کی ہے کہ سابقہ سورت رسالت کے بیان پر ختم ہوئی تھی اور اس سورت کی ابتدا توحیدِ الٰہی کے بیان سے ہوئی ہے اور ظاہر ہے قرآن میں توحید و رسالت کی آیتیں ایک دوسرے کے بعد آتی ہی رہتی ہیں ——— اس لحاظ سے بھی دونوں سورتوں میں باہمی ربط ظاہر ہے (۲)

علامہ آلوسی نے دونوں سورتوں کے درمیان دونوں سورتوں کی ابتدائی آیات کے لحاظ سے مناسبت بیان کی ہے۔ اس سے پہلی سورت (سورۂ حدید) کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات بیان کی گئی تھیں ان میں سے ایک صفت یہ بھی ذکر کی گئی تھی کہ اللہ ظاہر و باطن ہر چیز سے واقف ہے۔ سورۂ مجادلہ میں اس صفت کی ایک ادنیٰ مثال ذکر کر کے اللہ کے ظاہر و باطن ہر چیز سے واقف اور باخبر ہونے کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے کہ اللہ سات آسمان کے اوپر سے بھی ایک فریادی کی فریاد سُن لیتا ہے جیسا کہ حضرت خولہؓ کی فریاد کو خداوند قدوس نے سُن لیا تھا۔

پس دونوں سورتوں کے مابین ابتدائی آیات سے بھی مناسبت اور ربط واضح ہے (۳)

---

(۱) روح المعانی ۲/۲۸۔

(۲) بیان القرآن ۱۱/۱۱۰۔ (۳) روح المعانی ۲/۲۸۔

شانِ نزول

سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص ماں سے اپنی بیوی کو تشبیہ دیتا تو ان کا عقیدہ تھا کہ وہ عورت اس کی ماں ہو جاتی ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے پھر اس کو حلال کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جس کو اپنی بیوی سے دامن چھڑانا ہوتا تھا وہ اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دیدیتا اور ظہار کا طریقہ اپنا لیا کرتا، اسلام میں اس سلسلہ میں ابتداءً کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے ظہار کے بارے میں وہی بداعتقادی باقی تھی جو زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی تھی۔

اسلام میں ظہار کا سب سے پہلا واقعہ حضرت عبداللہ بن صامتؓ کے بھائی اوس بن صامتؓ سے پیش آیا جنہوں نے معمولی سی آپسی تناؤ اور باہمی چپقلش کی وجہ سے اپنی بیوی حضرت خولہؓ سے ظہار فرمالیا اور "انت علیّ کظھر امی" کہہ کر (کہ تو میرے حق میں ایسی ہی ہے جیسے کہ میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے) اپنے سے جدا کرنا چاہا ——— بعد میں اپنے اس اقدام پر نادم بھی ہوئے اور انہیں اپنی زوجیت میں پھر واپس لانا چاہا لیکن اظہار ندامت کے باوجود حضرت خولہؓ نے ان کے پاس جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ جب تک اللہ اور اس کے رسول سے اس بارے میں شرعی حکم نہ معلوم کرلوں تمہارے قریب نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئیں اور عرض کناں ہوئیں کہ یارسول اللہ میں نے اپنی پوری جوانی اوسؓ کے

لئے گذار دی، ان کی خدمت کرنے سے بھی کبھی پیچھے نہیں ہٹی اور ان کے بچہ کی پرورش میں بھی کبھی کوتاہی نہیں کی ——— اب جبکہ میرے بڑھاپے کا زمانہ آچکا ہے، جوانی کے ایام ختم ہو چکے ہیں، انہوں نے معمولی سی آپسی چپقلش کی وجہ سے مجھ سے ظہار کرلیا ہے۔ آپؐ یہ فرمائیں کہ کیا زمانۂ جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق ہم دونوں میں ہمیشہ کے لئے فرقت وجدائی ہوگئی ہے یا ہمارے لئے اس بارے میں کچھ گنجائش بھی ہے۔؟

اس بارے میں شرعی حکم کے نہ اترنے کی وجہ سے آپؐ نے زمانۂ جاہلیت سے چلے آرہے اعتقاد کے مطابق فرمادیا کہ میرے خیال میں اب تم اس کیلئے حرام ہوگئی "مَا اَرَاكِ اِلَّا قَدْ حُرِّمْتِ عَلَيْهِ" ——— آپؐ کی جانب سے یہ جواب پاکر وہ آہ و بکا اور واویلا مچانے لگیں کہ اب میرا گذر بسر کیسے ہوسکے گا؟ میرے بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کون کرے گا؟ اور اب تو میرا بسا بسایا گھر اجڑ کر رہ جائے گا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضورؐ کے اس جواب پر مایوسی کے عالم میں اعتراض کرتی ہوئی بولیں: یارسول اللہ! انہوں نے "طلاق" کا لفظ تو استعمال نہیں کیا تھا پھر میرا اور ان کا یہ ازدواجی بندھن کیسے ٹوٹ گیا؟ (۱)

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضورؐ کے اس فیصلہ پر انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا کہ اللہ نے تمام احکام نازل فرمادیئے ہیں پھر میرے بارے میں کیوں نہیں کوئی حکم نازل کیا گیا؟ (۲)

ایک اور روایت کے مطابق شدتِ جذبات میں انہوں نے کہا:

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۷۰۔

(۲) دُرِّمنثور ۸/۷۰۔

اشکوا الی اللہ فاقتی	میں اپنی تنگ حالی اور فاقہ مستی کی شکایت
وشدۃ حالی وان لی صبیۃ	اللہ کے حضور کرونگی کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں،
صغاراً ان ضممتھم الیھم ضاعوا	اگر ان لوگوں کے پاس چھوڑ دوں تو وہ ضائع ہو جائینگے
وان ضممتھم الیّ جاعوا (۱)	اور اپنے پاس لے آؤں تو بھوکے مریں گے۔

اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر یہ دعا بھی فرماتی تھیں:

اَللّٰھم اشکوا الیک فانزل	اے اللہ میں آپکے حضور فریاد کرتی ہوں کہ اپنے
علیٰ لسان نبیک۔	نبی کے زبانی میرے بارے میں کوئی شرعی حکم نازل فرما دیجئے۔

انہی حالات اور پس منظر میں سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں کہ اللہ نے اس خاتون کی فریاد سن لی ہے جو اپنے شوہر کے بارے میں آپ سے بحث و تکرار کر رہی تھی۔

دربار الٰہی میں فریاد سن لئے جانے کی وجہ سے حضرات صحابہؓ حضرت خولہؓ کا بہت احترام کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں قافلہ کے ہمراہ حضرت عمرؓ کا حضرت خولہؓ کے مکان سے ہو کر گذر ہوا۔ خولہؓ نے حضرت عمرؓ کو قافلہ سمیت روک کر چند نصیحتیں کیں، کچھ سخت سُست اور کچھ تیز باتیں بھی کہیں اور دیر تک ان لوگوں کو روکے رکھا۔ قافلہ میں سے کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس عورت کی وجہ سے کب تک کھڑے رہیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پورا دن بھی یہ مجھے اسی طرح روکے رکھیں تو اوقاتِ نماز کے علاوہ پورا دن کھڑا رہوں گا تم لوگ اس سے واقف نہیں۔ یہ وہ خوش نصیب خاتون خولہؓ بنت ثعلبہ ہیں جن کی فریاد کو اللہ نے سات آسمان کے اوپر سے سنا تھا۔ پھر عمر کی کیا مجال کہ اس کی فریاد سننے سے کترائے؟

آیت نازل ہونے اور حضرت خولہؓ کے بارے میں شرعی حکم اترنے کے

---

(۱) روح المعانی ۳/۲۸۔

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوسؓ بن صامت کو طلب فرمایا اور ان سے فرمایا کہ خولہ کے حلال ہونے کے لئے اللہ نے تمہارے لئے ایک ہی سبیل "کفارہ" کی نکالی ہے۔ کفارہ ادا کئے بغیر وہ تمہارے لئے حلال نہ ہوگی۔ اور وہ کفارہ یہ ہے کہ زن و شوہر کا سا تعلق قائم کرنے سے قبل قبل تم کو ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا۔ حضرت اوس نے جواب دیا: میں تو اپنے ان دونوں ہاتھوں (یعنی اپنی جان) کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، پھر میں کیسے ایک غلام آزاد کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر غلام آزاد کرنے کی تمہارے پاس گنجائش نہیں ہے تو دو مہینے مسلسل روزے رکھو، درمیان میں کوئی ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔

روزوں میں تسلسل کا خاص خیال

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے پر قادر ہو تو روزہ شروع کرنے سے قبل اس بات کا خاص خیال رکھے کہ درمیان میں رمضان کا مہینہ تو نہیں آرہا ہے کہ اگر کوئی شعبان سے کفارہ کا روزہ رکھنا شروع کرے تو ظاہر ہے کہ رمضان کے مہینہ کی وجہ سے کفارہ کے روزہ میں تسلسل باقی نہیں رہ سکے گا جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔ اور تسلسل باقی نہ رہنے کی وجہ سے از سرِ نو روزہ رکھنا پڑے گا۔

اسی طرح اس بات کا بھی خاص خیال رکھے کہ ان ساٹھ دنوں میں کوئی ایسا دن تو نہیں ہے جس میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً عیدین کے ایام اور ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرھویں تاریخیں ہیں کہ ان تاریخوں میں روزہ رکھنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ دن کھانے پینے اور خوشی کے دن ہیں اس لئے ان دنوں میں روزے مت رکھا کرو۔

پس روزہ کی ابتدار سے قبل شریعت کے ان احکام کا خاص لحاظ رکھا جائے گا تاکہ روزہ کے تسلسل و تواتر میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ (۱)

حضرت اوس کا جواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اوسؓ سے فرمایا کہ تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو تو انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! میں سن رسیدہ، بوڑھا اور کمزور آدمی ہوں، اگر دن میں تین چار دفعہ نہ کھاؤں اور تین چار دفعہ کچھ نہ پیوں..... تو کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے، آنکھیں جواب دینے لگتی ہیں، پاؤں بھی نہیں اُٹھ پاتے ہیں اور میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ اس لئے مسلسل دو ماہ روزہ رکھنا بھی میرے بس سے باہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم روزہ نہیں رکھ سکتے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاؤ۔ اس بار بھی حضرت اوسؓ کا جواب یہی تھا کہ میرے پاس اس کی بھی وسعت نہیں ہے کہ ۶۰/ مسکینوں کو کھانا کھلا سکوں، خود میں ابھی بھوکا ہی ہوں اور شب بھی فاقہ مستی ہی کے عالم میں گذری ہے، ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ میری اعانت فرمائیں اور مالی امداد فرما دیں تو یہ میرے لئے ممکن ہو سکتا ہے الاان تعینی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے۔ آپ نے کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا، کچھ ہی دیر گذری تھی کہ ایک صاحب کھجوروں کا ہدیہ لے کر آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوسؓ کو طلب فرما کر ہدیہ کیا ہوا پورا کھجور دیدیا اور آپؐ نے فرمایا اسے لے جا کر مسکینوں کو کھلا دو۔ اس طرح ادائے کفارہ

---

(۱) عینی علی البخاری ۲۰/۲۸۱۔

کے بعد حضرت خولہ ان کے لئے حلال ہوگئیں اور وہ دونوں حسبِ سابق ازدواجی رشتہ کے اٹوٹ بندھن میں منسلک ہوگئے (۱) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ کی ان کھجوروں میں آپؐ نے خود ان کو بھی کھانے کی اجازت دی تھی اور اہلِ خانہ کو کھلانے کی بھی (۲)۔

ائمہؒ کا اختلاف

اَب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفارہ ادا کرنے والا خود بھی اس میں سے کھائے تو کفارۂ ظہار ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اکثر ائمہؒ فرماتے ہیں کہ یہی ان کا کفارہ ہو جائے گا کہ خود بھی کھائے اور مسکینوں کو بھی کھلائے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ فوری طور پر حضورؐ کی طرف سے امداد تھی اور کفارہ کی ادائیگی بعد کو عمل میں آئی ہوگی۔ کیونکہ کفارے کے بارے میں آیات منصوص اور قطعی ہیں جو دوسرے فقراء کو کھلانے کی ہدایت کرتی ہیں اس لئے اس میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں اس کا پورا کرنا بہرصورت ضروری ہے۔

آیت کے مخاطب کون ہیں؟

اس آیت کے ذیل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب کون ہیں؟ صرف اہلِ ایمان یا اہلِ کفر بھی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مخاطب صرف مومنین ہیں (۳)، یہ احکام کافروں کے لئے نہیں ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے اور مسلمان و کافر سب کو شامل ہے۔ جو بھی ظہار کریگا

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۷۰۔ (۲) الدرالمنثور ۸/۴۷۔

(۳) خود امام ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے، قرطبی ۱۷/۲۷۶۔

اس کے لئے یہی حکم ہے۔ ہاں چوں کہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنیوالے صرف مؤمنین ہی ہیں اس لئے اکثر آیات میں انہی کو مخاطب کیا جاتا ہے، ورنہ اللہ پاک کے احکام تو ساری مخلوقات کو شامل ہیں۔ پس امام شافعی کی رائے میں یہ لفظ عام ہے۔ اور "منکم" کا خطاب بطور غالب واتفاق کے ہے کہ ان معاملات کا خیال اکثر اوقات صرف ایک مومن ہی کرتا ہے، کافر نہ تو اللہ کو مانتا ہے، نہ اللہ کے رسول کو اور نہ قرآن کو، تو ظہار کے معاملہ میں ان احکام کا کیا خیال کریگا اور اسے کفارہ ادا کرنے کی فکر ہی کیا ہوگی؟

ظہار اور طلاق وایلاء میں فرق

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے طلاق، ظہار اور ایلاء تین علیحدہ علیحدہ احکام ہیں، خدانہ کرے کہ کسی زن وشوہر کے آپسی تعلقات میں کشیدگی اور اختلاف پیدا ہو اور اگر کسی میں اختلاف ہو ہی جائے تو خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیکر اس کشیدگی اور اختلاف کی زندگی سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس کا اختیار بھی صرف مردوں ہی کو اللہ نے دیا ہے بیوی کو نہیں دیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ بیوی موجود ہو۔ اگر بیوی نہ بھی ہو تب بھی شوہر طلاق دے سکتا ہے اور اس سے طلاق واقع ہو جائے گی اور موجود ہو تب بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

طلاق کی قسمیں

طلاق کی تین قسمیں ہیں، طلاقِ رجعی[1]، طلاقِ بائن[2]، طلاقِ مغلظہ[3]۔

اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق کے صریح لفظ سے ایک یا دو طلاق دی ہو تو اس کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا اختیار ہے، اگر وہ رجوع کرلے اور پہلے ہی کی طرح اٹھے بیٹھے اور ملتا جلتا رہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اسے کسی دوسرے نئے نکاح کی ضرورت ہے۔ یہ صورت طلاقِ رجعی کی ہے۔

اگر شوہر نے لفظ صریح سے نہیں بلکہ لفظ کنایہ سے طلاق دی ہے تو اس سے بائن طلاق پڑ جاتی ہے اور عورت جدا ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے بعد کوئی شوہر اپنے اس اقدام پر اظہارِ ندامت کرے اور عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانا چاہے تو اب بھی وہ عورت اس مرد کی زوجیت میں آسکتی ہے اور اس کی شکل صرف یہی ہے کہ مرد اس سے دوبارہ نکاح کرے، اسکے بغیر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی اور نکاح بھی علی الاعلان گواہوں کے سامنے ہو۔ بہتر ہے کہ مساجد میں نکاح کی مجلسیں منعقد ہوں تاکہ نمازی اور خدا سے خوف کھانے والے اس نکاح کے گواہ بنیں اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے رجوع کرلیا ہے اور کوئی گناہ یا کوئی رازداری کی بات نہیں کی ہے، یہ ہے طلاقِ بائن۔

اور ایک ہے طلاقِ مغلّظہ۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے۔ اس کے بعد بیوی اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ اگر اسے اپنے اس ناروا اقدام کا احساس ہو اور وہ عورت کو پھر اپنی زوجیت میں لانا چاہے تو عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرلے حتی تنکح زوجاً غیرہ ـــــ اور نکاح کا مطلب لفظی اور زبانی نکاح نہیں کہ آج کرلے اور کل اسے چھوڑ دے، بلکہ

صحیح معنوں میں نکاح کیا جائے ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات جنسی خواہش وضرورت کی تکمیل اور زن وشوہر کے تعلقات بھی رکھیں ۔ اگر اس کے بعد دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے تب تو عدت گذرنے کے بعد پہلے خاوند کے لئے وہ حلال ہوسکے گی اور اس سے دوبارہ نکاح ہوسکے گا وگرنہ وہ طلاق نہ دے تو یہ اسکی مرضی ہے، جب تک دوسرا مرد طلاق نہ دیدے وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی ۔

ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم

اَب اس سلسلہ میں علماء کے یہاں کچھ تفصیلات ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق کا کیا حکم ہے ۔ اور مختلف مجالس میں تین طلاق دینے کا کیا حکم ہے ؟ ان مسائل کا تعلق طبقۂ علماء سے ہے اگر اس طرح کا واقعہ پیش آجائے تو اپنے علاقہ کے علماء سے رجوع کرلیا کریں ۔ ویسے میری دعا ہے کہ اللہ ہر مسلمان کو اور اس کے گھرانے کو باہمی اختلافات سے محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

ایک ضروری وضاحت

البتہ آپ حضرات اس بات کو ضرور ذہن نشیں کرلیں کہ طلاق غصہ میں دی جائے تب بھی واقع ہو جائے گی اور عقل کی سلامتی سے کہے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور مذاق میں کہے گا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی، چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ سنجیدگی کے ساتھ کہی جائیں یا مذاق میں کہی جائیں بہرصورت واقع ہو جاتی ہیں، ان میں سے ایک طلاق کو بھی بتایا گیا ہے ——— اسی طرح اس بات کو بھی ذہن نشیں کرلیں کہ

بعض لوگ کہتے ہیں: اجی ہم نے تو طلاق لکھ کر بھیجی ہے لیکن میری بیوی نے رجسٹری وصول نہیں کی ہے تو طلاق کیوں کر واقع ہوگی لیکن عورت وصول کرے یا نہ کرے طلاق بہرصورت واقع ہو ہی جاتی ہے۔ وصول کرنے یا نہ کرنے سے حکم پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل

طلاق اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ اور غیظ وغضب کو بھڑکا دینے والی چیز ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے کہ حلال اور جائز چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز صرف اور صرف طلاق ہے۔ فرمایا گیا: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (۱) دوسری روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور بغیر جرم کے دیتا ہے تو عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے (۲) اس لئے اللہ کی ناراضگی اور غیظ وغضب سے بچنے کے لئے آدمی کو ایسے اقدام سے گریز کرتے رہنا چاہیئے۔

ایلاء:

جدائی کی تیسری صورت ایلاء ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک نہیں ملے گا۔ ایسی صورت میں اگر مقررہ مدت گذر جائے اور عورت سے صحبت نہ کرے تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور عورت اس سے جدا ہو جائے گی (۳)

---

(۱) بیہقی عن ابن عمر باب ماجاء فی کراہیۃ الطلاق۔

(۲) منہاج الصالحین ص ۳۴۷ باب الطلاق۔

(۳) احکام القرآن للجصاص ۲/۴۴۴۔

ان معاملات میں خداوند قدوس نے کچھ احکام دیئے ہیں، حد بندیاں کی ہیں جس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین کے احکام پر چلنے اور دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

طلاق دینے کا بہتر طریقہ

طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو ایسے دنوں میں طلاق دے جس میں عورت پاک ہو اور اس کے حیض کے ایام نہ ہوں اور اس پاکی کے دنوں میں دونوں آپس میں ملے بھی نہ ہوں، شوہر نے اس سے صحبت بھی نہ کی ہو۔ کیوں کہ شوہر کے ملنے سے ہوسکتا ہے کہ حمل ٹھہر جائے اور ظاہر ہے کہ حمل کی وجہ سے دیگر مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ اس لئے ان مشکلات سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے جماع نہ کیا گیا ہو پھر جب ایک حیض گذرنے کے بعد پاکی کے دن آئیں اور دوسری طلاق بھی دینا چاہے تو دوسرے ایامِ طہر میں دوسری طلاق دیدے۔ اور اگر تیسری طلاق بھی دینا چاہے تو پھر ایک حیض کے گذرنے کے بعد جب طہر آئے تو اس میں تیسری طلاق دیدے۔

دَراصل ان تعلیمات میں منشاء خداوندی یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اتنے لمبے وقفہ میں صلح ہوجائے اور آئندہ طلاق کی نوبت نہیں آئے اور اس طرح ایک بسا بسایا گھر اجڑنے اور ویران ہونے سے بچ جائے۔ اس لئے طلاق دینے میں احتیاط اور تدریج کا حکم دیا گیا۔

طلاق کی پیش بندی

اسی طرح اسلام نے مردوں کو طلاق دینے سے قبل کچھ تادیبی کارروائی کرنے کی ہدایت دی ہے تاکہ طلاق کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آسکے، وہ تادیبی کارروائیاں اور پیش بندیاں یہ ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے حقوق نہیں ادا کرتی ہے یا وہ اپنے شوہر کے ہر حکم سے عدول کرتی ہے، اس کی نافرمانی کرتی ہے، اس کا جائز کہا نہیں مانتی ہے تو شوہر اولاً نرم انداز میں اسکی فہمائش کرے اور اپنی ناروا حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرے اگر اس سے وہ صحیح راہ پر نہ آئے تو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ "واھجروھن فی المضاجع" شوہر اپنا بستر الگ کرلے اور اس کا بستر الگ کردے کہ بھئی تم اپنے کمرہ میں سویا کرو میں اپنے کمرے میں سویا کروں گا، اس سے بات چیت چھوڑ دے، اگر اس سے بھی وہ اپنے سابقہ حال ہی پر باقی رہے اور اپنے اندر تبدیلی نہ لائے تو اسے معمولی مار بھی لگا سکتا ہے لیکن ایسی مار جس سے جسم پر نشانات ظاہر نہ ہوں زخمی نہ ہو اور ساتھ ہی مار بھی ایسی جو چہرے پر نہ ہو، صرف اتنی ہی سرزنش کرنے کا خاوند کو حق حاصل ہے۔

ان تدابیر کے اختیار کئے جانے کے باوجود اگر دونوں کا باہمی جھگڑا ختم نہ ہو، آپسی تعلقات بہتر ہونے کے بجائے مزید کشیدہ ہوتے چلے جائیں تو اسلام نے اس کا یہ حل بھی نکالا ہے کہ ایک آدمی عورت کے خاندان سے اور ایک آدمی مرد کے خاندان سے حکم بن جائیں اور وہ دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں جن کی نیت بھی ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی ہو، ایسی صورت میں اللہ بھی صلح کے لئے حالات سازگار اور موافق بنا دیں گے

کیوں کہ اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ ان دونوں میں جب میاں بیوی کا رشتہ قائم ہوگیا ہے تو یہ موت تک قائم رہے اور اس کے بعد حشر میں بھی قائم رہے تاکہ یہی بیوی اس کو جنت میں بھی ملے، اللہ یہ نہیں چاہتا ہے کہ ایک عورت حالات سے مجبور ہوکر متعدد شوہروں کے پاس سرگرداں پھرتی رہے اور دَر بَدر ٹھوکریں کھاتی پھرے، اللہ نے اسے بڑی عزت دی ہے اور بڑی عظمت سے نوازا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق عائد ہوتے ہیں اسی طرح شوہر پر بھی اس کے حقوق ہیں، نان ونفقہ، سکنیٰ، کھانا پینا، لباس، مکانِ رہائش وغیرہ، یہ وہ حقوق ہیں جو خاوند کو ادا کرنے ہیں اور اس کے ذمہ ہیں (۱) اسے اچھی طرح یاد رکھیں۔

فالی اللہ المشتکی

یہ ہے اسلامی تعلیم جس نے شوہر و بیوی کے حقوق اور اختیارات و حُدود متعین کردیئے ہیں، لیکن موجودہ دَور میں تو شہروں میں بیوی ہی شوہر کو مار دیتی ہے۔ اسے گھر سے نکال دیتی ہے اور یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی ہی طلاق دیدے۔ بیگم خود ہی جائیداد پر قابض ہو جاتی ہیں، بیگم ہی اپنے بچوں کے رشتے طے کرتی ہیں، خاوند بیچارے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ آج کل تو شوہر یتیم ہیں، آجکل تو وہ بیچارے مظلوم ہیں۔

اس کے برخلاف دیہاتوں میں تو عورتیں ایک مزدور کی طرح ہیں وہ نوکر ہیں جو سارے گھر کا کام کریں، کھیتوں میں کام کریں، نوکر بن کر کھانا پکائیں کھیت میں روٹیاں پہنچائیں، جانوروں کی گھاس کاٹیں اور اسکے چارہ مہیا کریں،

---

(۱) بقرہ/۲۳۳۔

شہروں کے اندر وہ ایک ملکہ کی طرح ہیں اور ان کا خاوند بغیر تنخواہ کا ملازم ہے، یعنی دونوں طرف افراط و تفریط ہوگئی اور دونوں اسلامی و قرآنی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ دونوں کو اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کیوں کہ قرآنی تعلیمات پر ہی عمل کرنے میں ہماری عزت ہے، جب ہم قرآن چھوڑ دیں گے تو ہماری عزت کہاں رہے گی؟ نہ دنیا میں رہے گی اور نہ آخرت میں، نہ قبر میں ہوگی اور نہ حشر میں۔ ہماری عزت اللہ نے قرآن و سنت کی اتباع میں رکھی ہے ہمارے معاشرہ کی خرابی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے ——— فَاِلَی اللّٰہِ المشتکی۔

عِفّت و پاکدامنی ——— نکاح کا خاص مقصد

ہم نے نکاح کرنے اور عورت کے شوہر کی اطاعت گذار ہونے کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ گھر میں اچھی طرح رہے یا گھر کی بہترین منتظم کار ہو لیکن سب سے اہم حکمت اور مصلحت جو شریعت کے پیش نظر ہے، وہ یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں گناہوں سے محفوظ رہیں اور حرام سے بچے رہیں۔ چنانچہ حدیث میں نکاح کو جو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے[1] وہ اسی وجہ سے ہے کہ نکاح گناہوں کیلئے سپر اور ڈھال کا سا ہے۔ اس لئے اگر کوئی خاوند بیوی کو اپنی خواہش کی تسکین اور تکمیل کے لئے بلا رہا ہو اور وہ روٹیاں پکا رہی ہو تب بھی شریعت کہتی ہے کہ عورت روٹی جلنے دے اور شوہر کو جہنم میں جانے سے بچا لے، کیوں کہ اگر اس نے شوہر کی خواہش پوری نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ جذبات میں آکر گناہوں میں مبتلا ہو جائے حدیث میں آتا ہے کہ کوئی خاوند بوقت شب بیوی کو بلائے اور وہ حیض و نفاس

(۱) مشکوٰۃ ص ۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الثالث. بحوالہ بیہقی عن انس.

یا کسی معقول عذر کے بغیر اس کے قریب جانے سے انکار کردے تو پوری رات ملائکہ اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں (۱) کہ تم نے شوہر کی خواہش تکمیل کرنے سے کیوں انکار کردیا ہے ـــــــــ اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو، ہودج میں بیٹھی ہو، پلان میں بیٹھی ہو اور مرد کی جنسی خواہش بیدار ہو جائے تو اس وقت بھی عورت کو اطاعت کرنی ہوگی۔

آج ہر چیز میں اطاعت کا خاص خیال کیا جاتا ہے لیکن عورت مرد کے جنسی حق کا خاص خیال نہیں کرتی، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شوہر گناہوں کی پرخار وادیوں میں اُلجھ جاتا ہے اور بعد کو آپسی انتشار و افتراق، ذہنی کشیدگی، شکوہ و شکایت اور لڑائیوں کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ حلال رزق عطا فرماتا ہے تو اکثر آدمی حرام سے بچ جاتا ہے لیکن جب حلال کے راستے بند کردیئے جائیں تو پھر مجبوراً آدمی کو حرام کی طرف مائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس لئے اگر عورتیں اس کا خاص خیال رکھیں تو انشاء اللہ کبھی بھی آپس میں اختلاف اور ناچاقی نہ ہوگی۔

آپسی کشیدگی ختم کرنے کا بہترین نسخہ

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپسی تناؤ اور کشیدگی کی پیش بندی کے لئے بندوں کو یہ بھی تعلیم دی ہے کہ وہ خواہ مخواہ اور بے جا سختی نہ کریں، عورتوں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، اتنی سختی نہ برتیں کہ اس کا غلط اثر پڑے اور اتنا نرم بھی نہ بنے کہ وہ من مانی کرتی پھریں کیوں کہ عورت بائیں پسلی سے پیدا

(۱) ابوداؤد عن ابی ہریرۃؓ ۱/۲۹۱ باب فی حق الزوج علی المرأۃ۔

ہوئی ہے۔ اگر زیادہ سیدھی کی گئی تو باہمی رشتہ ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے فرمایا وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ بڑی سمجھداری، وسعت ظرفی اور حسنِ خلق کے ساتھ ان کے ساتھ زندگی گذارو تاکہ تمہارا گھر جنت نشاں بن جائے۔

ظہار میں ادائی کفارہ سے قبل صحبت

اس آیت کے ذیل میں علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا اور کفارہ کی ادائی سے قبل ہی بیوی سے ملاقات کرلیا تو کیا اب دو کفارے ہوں گے یا ایک ہی کفارہ ہوگا؟ علماء کا بیان ہے کہ کفارہ تو ایک ہی لازم ہوگا، البتہ اس کی وجہ سے وہ گنہ گار ضرور ہوگا (۱) کیوں کہ قرآن کہتا ہے کہ جب تک کفارہ نہ ادا کرے اس وقت تک میاں بیوی باہم نہیں مل سکتے اور مرد نے ادائی کفارہ سے قبل عورت سے جنسی خواہش پوری کرکے قرآن کے اس حکم کی مخالفت کی ہے اسلئے وہ گنہ گار ہوگا۔

متعدد ظہار ہوں تو کیا متعدد کفارات واجب ہوں گے؟

اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ ایک آدمی نے ایک دفعہ ظہار کیا، دوسری دفعہ ظہار کیا، تیسری دفعہ ظہار کیا اور چوتھی دفعہ یا اس سے زیادہ بار ظہار کیا اور ابھی کسی ظہار کا کفارہ ادا نہیں کیا تو کتنے کفارے ہوں گے؟ ایک ہی کفارہ لازم ہوگا یا جتنی بار ظہار کرے گا اتنے ہی کفارہ بھی ادا کرنے ہوں گے؟ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جتنی دفعہ ظہار کرے گا اتنے ہی کفاروں کی ادائیگی واجب ہوگی، مگر بعض ائمہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نہیں، صرف ایک ہی کفارہ لازم ہوگا اور بقیہ ظہار کا کفارہ لازم نہ ہوگا (۲)۔

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۵۰۶۔ (۲) قرطبی ۱۷/۲۷۶۔

لیکن عالمگیری (۱/۵۳۴) میں ہے کہ ہر ظہار کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

باندی سے ظہار نہیں ہوتا

علماء امّت نے "وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ" میں "نساء" کی قید سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بجائے اپنی باندی سے ظہار کرے تو اس سے ظہار نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن نے "مِنْ نِّسَآئِهِمْ" کی قید لگادی ہے جس کا مصداق آزاد بیویاں ہیں۔

اسلام نے لونڈی کی اجازت دی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کوئی نوکرانی رکھ لے یا کسی مسکین آدمی سے دس بیس ہزار دیکر لڑکی خرید لے اور کہے کہ یہ میری کنیز ہے، یہ میری لونڈی ہے، یہ غلط خیال ہے۔ لونڈی سے مراد یہ ہے کہ جب کفر و اسلام کی جنگ ہو، بادشاہ مسلمان ہو اور جہاد کا مقصد بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ ہو۔ اس کے بعد دشمنوں سے جو جان و مال بطورِ غنیمت ملے تو حاکم اور امیرِ وقت مال کو مجاہدین میں بانٹ دے اور عورتوں و بچّوں (جو میدانِ جنگ میں قید ہوئے ہوں) کو غلام و باندی بنا کر انہیں مجاہدین میں تقسیم کردے۔

مستشرقین کا ایک اعتراض

بعض تجدد پسند اور استشراق زدہ لوگ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام ایک مجبور شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غلام اور لونڈی بنالینے کی اجازت دیتا ہے لیکن اگر ٹھنڈے دل اور انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اسلام کی یہ اجازت تقاضائے عدل کے عین مطابق

معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ ہم نے دشمنوں کو شکست دیکر ان کے ملک اور علاقے کو فتح کرلیا ہے، ان کی عورتیں ہماری جنگی قیدیوں میں شامل ہیں۔ اب انہیں قتل کردیں اور بلا جرم زندگی سے محروم کردیں تو یہ انسانیت کے خلاف ہے اور اگر انہیں ہمیشہ کے لئے قید میں ڈالدیں اور ان کے اخراجات بیت المال برداشت کرتا رہے تو اس سے جہاں کسی جرم کے بغیر ان کی آزادی سلب ہوجاتی ہے وہیں بیت المال ان کے اخراجات کی کفالت کا بار نہیں اٹھا سکتا اور اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو چوں کہ ان کے ماں باپ بھی قتل ہوچکے ہیں، ان کے سائے سے محروم ہوچکے ہیں، ظاہر ہے کہ تلاش معاش کے لئے انہیں دَر بدر بھٹکنا پڑے گا اور صنف نازک ہونے کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہونے کا شدید اندیشہ بھی ہے، اسلام نے ان کو ان پریشانیوں سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو اپنی خدمت کیلئے رکھ لینے کی اجازت دی اور ان کے حقوق بھی قریب قریب بیویوں کے سے کردیئے تاکہ عفت وعصمت پر بھی فرق نہ آئے اور انہیں در بدر کی ٹھوکر بھی نہ کھانی پڑے۔ تو دراصل اس میں انہی کا مفاد مضمر ہے۔ بھلا اَب کون منصف مزاج شخص ہوگا جو اسلام کی اس اجازت کو ہدف تنقید بنائے گا؟

علاوہ ازیں اسلام نے باندی بنالینے کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ انہیں آزاد کرنے کی بھی ترغیب دلائی ہے اور ایسے شخص کو بڑے ثواب کا مستحق قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کو دو اجر ملیں گے جس کے پاس باندی ہو اور وہ اس کو ادب سکھلائے اور اس کی بہترین تربیت کرکے اسے آزاد کردے اور پھر اسے اپنی زوجیت میں لے آئے۔ اَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَادِيْبَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا۔ اسی لئے باندیوں سے شادی کرکے آمنہ کے لعلؐ نے قیامت تک کے لئے ان کے چہرہ سے غلامی کا داغ مٹاکر اپنی

امت کیلئے ایک قابلِ تقلید واتباع مثال اور نمونہ پیش کیا ہے۔

عَلیہ الصَّلوٰۃ صَلوٰۃ کَاملاً دَائِماً۔

اس لئے اسلام پر یہ اعتراض کہ اسلام باندی اور لونڈی بنالینے کی اجازت دیکر ظلم کرتا ہے، بے جا اور تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہے۔ یہ اعتراض کرنیوالے وہ لوگ ہیں جو کروڑوں انسان کی ہلاکت کا باعث ہیں، ایسے ایسے لوگ صحابہؓ کی نفوسِ قدسیہ پر اعتراض کرتے ہیں جنہوں نے رضاء الٰہی کے حصول کی خاطر تیس تیس غلاموں کو آزاد کیا۔ حضرت ابوبکر کا حضرت بلال، حضرت صہیب رومی اور دوسرے غلاموں، باندیوں کو اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ اور دوسرے صحابہ کا اپنی جائیدادیں خرچ کر کے غلام آزاد کرنے کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام دوسروں کی طرح غلاموں اور باندیوں کے لئے بھی رحمت اور محافظ بن کر آیا ہے۔

ظہار کیلئے قصد وارادہ ضروری ہے

والذین یظھرون من نساءھم سے ایک دوسرا مسئلہ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ اگر کوئی آدمی ظہار نہیں کرتا لیکن ایسے ہی منہ سے نکل گیا کہ تم میری بہن ہو، انسان ہے نا! کبھی کبھی آدمی کی زبان سے ایسے نکل جایا کرتا ہے تو گو یہ انتہائی غلط اور غیر شرعی بات ہوگی لیکن ظہار نہ ہوگا اور اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا (۱) جیسا کہ زمانہ نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی کو "یَا اُختی" (اے میری بہن) کہتے ہوئے سُن لیا، حضورؐ نے دریافت فرمایا: کیا یہ تمہاری بہن ہے؟ اس نے کہا نہیں یارسول اللہ، بہن تو نہیں ہے

(۱) ہدایہ ۲/۴۱۰۔ الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۵۰۷۔

لیکن میرے منھ سے ایسے ہی بلا قصد و ارادہ نکل گیا، تو آپؐ نے اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا اس کا خاص خیال رکھا کرو، آئندہ ایسا نہ کرو۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ کفارہ ادا کرو۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ آدمی پر کفارہ اسی وقت واجب ہوگا جب اس نے ارادہ کے ساتھ، نیت کے ساتھ یہ لفظ ادا کیا ہو۔ یعنی اس نے کہا کہ تم میرے لئے ماں یا بہن ہو اور وہ اس کو حرام کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو، اس نیت اور ارادہ کے بغیر صرف لفظ کے نکلنے سے ظہار واقع نہیں ہوتا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ قرآن نے کہا: لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِی اَیْمَانِکُمْ کہ اے مسلمانو! تم اگر ایسے ہی کسی ارادہ کے بغیر قسم کھا بیٹھو تو اس پر کفارہ اور مؤاخذہ نہیں ہے، جیسے آدمی کے منھ سے نکل جائے خدا کی قسم یا جیسا کہ عام طور پر دوکاندار کہدیتے ہیں خدا کی قسم جناب! ایسے ہے، یا واللہ، باللہ، تاللہ وغیرہ بولنے کا عام رواج سا ہو گیا ہے تو ان قصد و ارادہ کے بغیر کھائی گئی قسموں پر کفارہ نہیں ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ہاں اگر ارادہ کر کے قسم کھائی گئی ہو تو قسم پوری نہ کرنے پر بطور کفارہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا پڑے گا۔

پس اگر کسی شخص کے منھ سے قصد و ارادہ کے بغیر یہ جملہ نکل گیا کہ تم میری بہن ہو تو اس طرح کی باتیں کہنے سے ظہار نہیں ہوتا۔ دینِ اسلام کے عمومی مزاج سے یہ بات بالکل میل نہیں کھاتی کہ جس بات میں قصد و ارادہ کو دخل نہ ہو، اس پر مؤاخذہ اور گرفت کی جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کا توریہ اور حسنِ تدبیر

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب اپنی بیوی کے ساتھ تشریف لا رہے تھے، بادشاہ وقت ظالم تھا، اس کی عادتِ خبیثہ یہ تھی کہ شادی شدہ عورتوں کو قبضہ میں لے لیتا تھا اور نعوذ باللہ ان کی عصمت دری کرتا تھا، اگر کوئی عورت شادی شدہ نہ ہوتی، کنواری ہوتی یا اس کے ساتھ بھائی ہوتا تو اس کے ساتھ زیادتی نہ کرتا تھا۔

شہر میں متعدد مقامات پر اس کے کارندے اس کام پر مامور بھی تھے، اس بادشاہ کے کارندوں نے آپؑ کی بیوی کو پکڑ لیا لیکن ان کارندوں نے حضرت ابراہیم کے پُرنور اور معصومانہ چہرۂ مبارک دیکھ کر آپؑ کو یہ سکھا دیا کہ اگر تم سے پوچھا جائے یہ کون ہے؟ تو کہہ دینا کہ یہ میری بہن ہے۔ دربارِ شاہی میں پیشی کے بعد جب حضرت ابراہیم سے حضرت ہاجرہ سے رشتہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میری بہن ہیں۔ اس طرح ایک ظالم بادشاہ کے ظلم اور بہیمانہ حرکت سے انہیں نجات ملی۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی کو حرام کرنے کے ارادہ سے بہن نہیں کہا تھا بلکہ توریہ کے طور پر کہا تھا اسی لئے وہ ان کے لئے حلال باقی رہیں اور حرام نہ ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ بیوی اسی وقت حرام ہوگی جب بالقصد اپنی بیوی کو کسی حرام عورت سے تشبیہ دیا ہو۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ نبی تو کذب اور دروغ گوئی سے معصوم ہوتے ہیں پھر آپ نے بادشاہ سے جھوٹی باتیں کیسے کہیں؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپ نے بادشاہ سے یقینی ضرر کو دفع کرنے کے لئے خلافِ واقعہ بات کہی تھی

اور کسی ضرر کو دفع کرنے کیلئے خلاف واقعہ بات کہنا درست ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ خلافِ واقعہ تھا ہی نہیں، کیوں کہ آپ کے بہن کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت حضرت ابراہیم اور آپ کی بیوی کے سوا کوئی اور مسلمان تھا ہی نہیں اور ایمان کے اعتبار سے تو ہر عورت اور ہر مرد بھائی بہن ہوتے ہیں۔

انما المؤمنون اخوۃ۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ جب آپ کی قوم عید منانے جا رہی تھی اور آپ سے بھی چلنے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو بیمار ہوں "انی سقیم"، میں تمہارے ساتھ میلہ ٹھیلا دیکھنے کیلئے نہیں جا سکتا، حالانکہ آپ اس وقت بالکل صحتمند تھے۔ تو درحقیقت یہ خلافِ واقعہ بات نہیں تھی بلکہ ان کافروں پر کاری ضرب ماری تھی کہ تم تاروں کو عالم الغیب سمجھتے ہو، متصرف فی الامور کہتے ہو تو مجھے بھی آج تارے بتا رہے ہیں کہ میں بیمار ہوں، مجھے باہر نہیں جانا چاہیئے۔

دوسرے جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں بیمار ہوں اور بیماری روحانی بھی ہوتی ہے اور جسمانی بھی۔ اپنی قوم کو کفر اور شرک میں ڈوبا ہوا دیکھا تو اس بیماری سے بڑھ کر بیماری کون ہو سکتی تھی، اس وجہ سے حضرت ابراہیم نے توریہ کرتے ہوئے ایسی بات فرمائی جو بظاہر خلافِ واقعہ معلوم ہوتی ہے۔

ظہار سے متعلق کچھ اور احکام

اس واقعہ سے ہمیں یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے ظلم سے بچنے کیلئے ڈر اور خوف سے اپنی بیوی کو بہن یا ماں کی طرح کہدے تو اس سے ظہار واقع نہیں ہوتا، نہ اس سے عورت حرام ہوگی اور نہ اس پر کفارۂ ظہار

واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی نے یوں کہا کہ تم میرے لئے ماں ہو تو ایسا کہنے سے ظہار نہیں ہوتا۔ ظہار کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک تو تشبیہ کا ہونا، دوسری کسی محرم عورت سے حرمت میں تشبیہ دینا، مذکورہ جملہ محض گالی ہے، گالی دینا گناہ ہے لیکن اس جملہ میں چونکہ تشبیہ نہیں ہے اس لئے ظہار نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنی عورت کو یوں کہے کہ تو میری ماں کے برابر ہے یا میری ماں کے مثل ہے یا ماں کی طرح ہے اور اس کی مراد یہ ہے کہ بزرگی میں برابر ہے یا عمر میں برابر ہے تو ایسا کہنے سے بھی ظہار واقع نہیں ہوتا۔ اس طرح کے جملے سے اگر شوہر طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اگر کچھ نیت نہ ہو تو نہ ظہار ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی۔

ماں کے علاوہ ان عورتوں میں سے کسی عورت سے اپنی بیوی کو حرمت میں تشبیہ دیدے جن سے ابدی طور پر نکاح حرام ہے تو بھی ظہار ہو جائے گا مثلاً بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ وغیرہ۔

کفّارہ کب واجب ہے؟

ظہار کے بعد کفارہ کی ادائی اور بیوی سے ازدواجی تعلق کی تجدید واجب ہے لیکن چھوڑ کر اپنے آپ پر حرام کئے رہے اور اسے طلاق دے کر آزاد بھی نہ کرے، یہ سخت گناہ اور شدید معصیت ہے۔ اسی تعلق کی بحالی کے لئے کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کفارۂ ظہار کے بیان کرنے سے قبل قرآن کا ارشاد ہوا ثم یعودون لما قالوا کہ وہ پھر اپنی کہی باتوں سے رجوع کر لیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کفارۂ ظہار کا سبب نفسِ ظہار نہیں بلکہ ظہار کرنے کے بعد

عود (یعنی مراجعت کی کوشش کرنا) کفارہ کا سبب ہے، اب فقہاء و مفسرین میں عود کے مرادی معنی میں اختلاف ہے کہ کونسا عود مراد ہے؟

ابن حزم اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ ایک بار ظہار کرنے کے بعد پھر دوبارہ لفظ "ظہار" کا تکلم اور زبان سے نکالنا، یہ عود کا مفہوم ہے، لیکن ابن کثیر اور ابن عربی وغیرہ نے اس کو رد کر دیا ہے۔ امام شافعی کی رائے ہے کہ ظہار کرنے کے بعد بھی آدمی کا اپنی بیوی کو حسب سابق بیوی بنائے اور گھر میں روکے رکھنا "عود" کا اصل مفہوم ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ ظہار کرنے کے بعد مرد بیوی سے زن وشوہر کے تعلقات قائم کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے کفارہ ادا کئے بغیر صنفی تعلقات قائم کرنا درست نہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں امام احمد کے نزدیک بیوی سے مباشرت کے لئے کفارہ کی ادائی شرط ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ حسب سابق بیوی بنائے رکھنا یا اس سے زن وشوہر کے تعلقات قائم کرنے کا عزم لینا "عود" کا مفہوم ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عود سے مراد اس حرمت کو ختم کرنا ہے جو ظہار کر کے اس نے اپنے لئے پیدا کر رکھی تھی یعنی مباشرت کا ارادہ کرنا اور حسب سابق بیوی بنانے کا ارادہ کرنا ہی "عود" کا مفہوم[1] ہے اور اس کے لئے کفارۂ ظہار واجب ہے۔

کیا ظہار کی گئی عورت سے دواعی جماع درست ہے؟

اب اس میں اختلاف ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ بیوی سے معانقہ یا تقبیل کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کر سکتا ہے، صرف جماع نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ یہ حرام کر دیا گیا ہے بعض فقہاء نے کہا کہ یہ بھی نہیں کر سکتا تا آنکہ وہ کفارہ نہ ادا کر دے "من قبل ان یتماسّا"، نہ تو کفارہ سے پہلے بوس وکنار کر سکتا ہے اور نہ مجامعت[2]۔

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۴۴۔ (۲) یہی رائے حنفیہ کی ہے، قاضی خاں ۱/۵۴۲۔

ظِہار ـــــــ ایک ناپسندیدہ عمل

اَب رہ گئی یہ بات کہ بیوی کو ماں کہدینا کیسا ہے؟ تو یہ تشبیہ شرعاً ناپسندیدہ عمل اور بیہودہ گفتگو تو ہے ہی، ساتھ ہی یہ ایک جھوٹی بات بھی ہے کہ شوہر اپنی ہی بیوی کو ماں کہے، کیوں کہ یہ ان کی مائیں نہیں ہوسکتیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں اپنے پیٹ میں رکھا ہے اور انہیں جنم بھی دیا ہے۔ ان کی یہ بات بہت بُری اور یقیناً نامعقول بات ہے، جس کی وجہ سے وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے، ان کو توبہ کرنی چاہیئے کہ آئندہ ایسا غلط لفظ ہم اپنی زبان پر نہیں لائیں گے۔ پس اگر وہ اس گناہ کی تلافی کرنا چاہیں اور توبہ کریں تو اللہ معاف فرمادیگا کیوں کہ اللہ درگذر کرنے والے اور بندوں پر رحم کرنیوالے ہیں۔

اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں

اگلی آیت میں کفارہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ذٰلکم توعظون بہٖ ـــ یعنی ان کفارات کے ذریعہ تم کو نصیحت کی جارہی ہے اور ادب سکھایا جارہا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ میں کوئی شخص اس طرح کی گندی حرکت نہ کرے۔ گویا کفارات جہاں گناہ کی تلافی کا ذریعہ ہے وہیں اس طرح کی حرکتوں سے باز رکھنے کے لئے بہترین ذریعہ بھی ہے۔

اور آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ذٰلک لتؤمنوا باللہ ورسولہٖ۔ ہم نے جو یہ احکام بیان فرمائے ہیں یہ اس لئے کہ تم ان پر عمل کرو، اللہ کے احکام کی تابعداری کرو، اللہ کے رسول کے احکامات کی اطاعت کرو اور زمانۂ جاہلیت میں جو کچھ کیا کرتے

تھے، ان کو بالکل چھوڑ دو۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ یہ جتنے احکام اب تک ذکر کئے گئے ہیں وہ سب اللہ کی حدود اور ان کے ضابطے ہیں، ان سے تجاوز کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اور جو لوگ اللہ کی پابندیوں اور حدود کی رعایت نہ کرتے ہوئے انہیں پھلانگتے ہیں اور ان سے تجاوز کر جاتے ہیں اور مؤمن ہونے کے باوجود کافروں جیسا کام کر گذرتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے، خود قرآن میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ——— اس لئے ہر معاملہ میں اللہ کی حدود کا خاص خیال رکھنا چاہیئے اور ان کے ضوابط اور قوانین کو توڑنے سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہیئے۔

درس ۲

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (۵ ——— ۶)

ترجمہ:

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایسے ہی ذلیل و خوار ہوں گے جس طرح ان سے پہلے والے لوگ ذلیل و خوار ہوئے تھے اور ہم نے بہت سی واضح آیات نازل کی ہیں اور منکروں کے لئے اہانت آمیز عذاب مقرر ہے، جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا،

ان کو خود کردہ اعمال سے آگاہ فرمائے گا، کیوں کہ اللہ نے ان سب کو محفوظ کر رکھا ہے لیکن یہ لوگ بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز سے مطلع ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات میں ظہار کے احکام بتائے گئے تھے، اور اس کے بعد یہ بھی فرمادیا کہ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ - تم کو اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی باتیں جن سے حلال عورت کو حرام عورتوں سے تشبیہ دی جائے اور کہا جائے کہ تم میری ماں کے برابر ہو، بیٹی کے برابر ہو، زبان سے مت نکالا کرو اور بلاوجہ حلال کو حرام نہ کرو، اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کے لئے سزا مقرر کردی گئی ہے تاکہ آئندہ کوئی بھی ایسی ناپسندیدہ اور حقیقت سے بعید باتیں زبان پر لانے سے احتراز کرے اور جھوٹ بات بولنے سے اپنی زبان کو حتی الامکان بچائے، ایک تو جھوٹ بولنا خود گناہِ عظیم ہے لیکن اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوسکتا ہے کہ اپنی ہی بیوی کو ماں کہنے لگے، کل تک جو اسکی بیوی تھی آج اس کی ماں بن جائے، اس کی ماں تو وہی ہے جنہوں نے اس کو اپنے پیٹ میں ایک عرصہ تک رکھا اور اسے جنا ہے، پھر اس کے کہنے سے بیوی ماں کیسے ہوجائے گی ——— تو نصیحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایات بھی جاری فرمادیں اور زمانۂ جاہلیت کا جو سخت قانون تھا اس سے بھی امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نجات دے دی گئی۔

نبیِّ اکرمؐ شارع بھی ہیں اور شارح بھی

ظہار کے سلسلہ میں جو احکام، اوامر و نواہی اور حدود قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کو ان کی جزئیات و تفصیلات ذخیرۂ احادیث اور ارشاداتِ نبویہ میں ملیں گی۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات قرآنِ کریم میں موجود ہی ہو اسلئے کہ قرآن شریف میں احکامِ شرعیہ کا ذکر اجمالی طور پر آتا ہے اور اس میں شریعت کے کلی احکام بیان کئے جاتے ہیں اور اس کی تفصیلات و تشریحات آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور ارشادات سے ہوتی ہیں۔

البتہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جن کا کلامِ الٰہی میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے ان کا ذکر فرمایا ہے تو وہ بھی گویا اللہ ہی کا حکم ہے اور اللہ ہی کی طرف سے آپؐ کے قلبِ مبارک میں الہام کیا گیا ہے جس کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے کہ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ جو احکام و تعلیمات تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے سمع و طاعت کے ساتھ قبول کرلو اور جن چیزوں سے باز رہنے کا حکم دیں، ان سے بلاچوں وچرا باز رہو کیوں کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے، جو بھی باتیں آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہیں وہ سب کی سب بذریعۂ وحی منجانب اللہ نکلتی ہیں۔ البتہ اگر الفاظ اور معانی و احکام دونوں ہی اللہ کی طرف سے ہوں تو وہ "وحی جلی" کہلاتی ہے اور اگر معانی و احکام منجانب اللہ ہوں اور صرف الفاظ و تعبیرات آپ کی ہوں تو وہ "وحی خفی" کہلاتی ہے۔

تو یہ یاد رکھئے کہ ہمارے آقا و مولا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت جہاں نصوصِ قرآنیہ کے شارح کی ہے وہیں آپؐ کی دوسری حیثیت ایک شارع کی بھی ہے، اسلئے جو احکام قرآن میں نہ ملیں وہ کلامِ نبویؐ میں ضرور ہی ملیں گے۔

خالق و مخلوق کے قانون میں فرق

یہاں ایک اور بات ذہن نشیں کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام و قوانین ہیں، ان کا تمام تر فائدہ صرف اور صرف بندوں ہی کے لئے ہے اللہ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں، وہ تو ہر چیز سے مستغنی و بے نیاز ہے، انکا قانون سراپا رحمت ہی رحمت ہے، خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے، جب کہ مخلوق جو بھی قانون تیار کرتی ہے اس میں جہاں عوام الناس کا مفاد پیشِ نظر ہوتا ہے وہیں ان کا اپنا مفاد بھی مضمر ہوتا ہے، نیز مخلوق کا قانون عارضی ہوتا ہے۔ آج نافذ ہے تو کل منسوخ ——— لیکن خداوندِ قدوس کا قانون دیکھئے کہ چودہ سو سال (۱۴۰۰) سے اب تک وہ جاری و ساری ہے لیکن اس میں کوئی بھی حکم منسوخ نہیں، پس خالق و مخلوق کے قانون میں بنیادی فرق یہی ہے۔

اسی لئے ارشاد ہوا: ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ اور پھر آگے تنبیہ فرمائی: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ کہ جو تم کر رہے ہو اللہ ان تمام اعمال سے باخبر ہے، تم غلام آزاد کرنے کی وسعت رکھتے تھے لیکن پیسے بچانے کے لئے تم نے بلا عذر روزے رکھ لئے یا تم دو ماہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے لیکن تم نے بہانہ بنا کر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا کہ اس طرح تو مجھے دو ماہ تک بیوی سے ملنے کے لئے انتظار کرنا پڑے گا اور اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھلا کر کفارۂ ظہار کی ادائی سے بری ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے اس عمل سے باخبر ہیں، ہمارے لئے کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔

احکامِ خداوندی کی مخالفت کا انجام:

اَب ان آیات میں پروردگار عالم دوسرے پہلو سے فرماتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یعنی اللہ کا حکم نہیں مانتے ہیں یا احکامِ خداوندی پر اعتراض کرتے ہیں یا احکامِ خداوندی کا سرے سے ہی انکار کرتے ہیں کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وہ ذلیل وخوار ہوں گے جیسا کہ پہلی اُمتیں اَحکامِ خداوندی پر عمل نہ کرنے اور انکار کرنے کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوئیں اور ان کا انجام ہلاکت اور ذلت وخواری ہے۔ اَب یہ ضروری نہیں کہ ہلاکت وذلت سے دنیا ہی میں واسطہ پڑجائے، کبھی دنیا میں بھی ذلت و خواری کا سامنا ہوتا ہے اور آخرت میں تو ہوتا ہی ہے اور جزا وسزا کی اصل جگہ تو آخرت ہی ہے اور وہیں ہر ایک کو اپنے کئے کا ثواب وعقاب ملے گا۔

دُنیا کی آسائشیں عارضی ہیں

لیکن کافروں کے لئے اصل دنیا ہی ہے۔ دنیا ہی میں ساری آسائشیں چیزیں ان کو دیدی جاتی ہیں اور آخرت میں مؤمن کو اللہ ان آسائش کی چیزوں سے نوازے گا ——— اسی لئے لوگوں کو کبھی دھوکہ ہوتا ہے کہ کفار بڑے مزے میں ہیں، ان کے پاس دولت ہے، طاقت ہے، آرائش وآسائش مہیا ہیں، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظر صرف دنیا ہی پر پڑتی ہے اور اسی وجہ سے کفار بڑے آسودہ حال نظر آتے ہیں اور جن کی نظر آخرت پر ہوتی ہے ان کے نزدیک اس آرام وآسائش کی کوئی حقیقت نہیں۔ دنیا ہمیشہ رہنے والی جگہ نہیں ہے، یہاں کی زندگی عارضی ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ایک مومن صادق کی نظر میں حقیقی اور دائمی گھر کے مقابلہ عارضی جگہ کی قیمت کچھ بھی نہ ہوگی۔

ایک آدمی دنیا میں عیش و آرام میں زندگی بسر کرتا رہا لیکن اسکی موت ایمان کی حالت میں نہیں ہوئی تو وہ شخص ناکام رہا اور ایک آدمی دنیا میں تکلیف و مصائب سے ہمیشہ پریشان رہا لیکن اس کی موت ایمان کی حالت میں ہوئی تو وہ کامیاب ہوگیا۔ اس کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ آدمی پڑھنے میں کمزور ہے لیکن امتحان میں کامیاب ہوگیا تو اسے ہر ایک کامیاب کہے گا لیکن ایک آدمی کافی ذہین اور پڑھنے میں بہت تیز ہو، حافظہ بھی قوی ہو، امتحان کے لئے تیاریاں بھی خوب کی ہو، اور وہ امتحان میں ناکام ہو جائے تو اسے ہر شخص ناکام و نامراد کہتا ہے، تو دراصل مدار خاتمہ پر ہے اور اخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے پر ہے نہ کہ اس دنیا کی کامیابی پر۔

اللہ کے نزدیک دنیا ہیچ ہے:

اس دنیا کی قیمت تو اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے، اسی لئے ارشادِ خداوندی ہوا: اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ کہ دنیا کی زندگی ہے ہی کیا؟ بس ایک کھیل کود اور تماشہ ہے۔ ایک اور موقعہ پر فرمایا گیا مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ کہ یہ زندگی اور دنیا کا یہ نفع عارضی اور معمولی ہے، اس کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں اور قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہوا اگر مسلمان دھوکہ میں نہ پڑ جاتے تو ہم کافروں کے گھر بھی سونے اور چاندی کے بنا دیتے کیونکہ یہ چیزیں اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو کانت الدنیا عند اللہ تعدل جناح

بعوضة ماسقیٰ کافراً منھا شربة ماء اگر اللہ کے نزدیک مچھر کے برابر بھی اس دنیا کی قیمت ہوتی تو کسی کافر کو پانی کی گھونٹ بھی نہ دیتا، چوں کہ دنیا اللہ کی نظر میں بے حیثیت چیز ہے، اس لئے وہ اپنے دشمنوں ہی کو اس دنیا سے نوازتا ہے۔ ہماری نظروں میں چونکہ صرف دنیا ہی بیش قیمت چیز ہے، ہماری نظریں چوں کہ مادیات اور اقتصادیات میں الجھی ہوئی ہیں، ہماری نظر میں بڑا آدمی وہی ہے جو زیادہ دولتمند ہے، اس لئے ہمارے دلوں میں دنیا کی قدر و قیمت راسخ ہو گئی ہے ورنہ جو مؤمنین صادقین ہیں جو اللہ کے دوست ہیں، ان کی نظر میں دنیا نہایت بے وقعت و بے حیثیت چیز ہے، ان کی نظروں میں اہم چیز صرف اور صرف آخرت اور اس کی کامیابی ہوا کرتی ہے۔

امم سابقہ میں انبیاءؑ کے مخالفین کا عبرتناک انجام:

اسی لئے فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تو ان کی مخالفت کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا: کبتوا کہ وہ ذلیل و خوار ہوں گے کما کبت الذین من قبلھم جیسا کہ ان سے پہلی امتیں ذلیل و خوار ہوئی ہیں۔

آپ قوم عاد پر نظر ڈالیں، قوم ثمود کے حالات کا مطالعہ کریں، قوم لوط کی بداعمالی کو پڑھیں، فرعون کی فرعونیت کی تاریخ پڑھ جائیے، نمرود کی طاقت دیکھئے اور قارون کی بے شمار مال و دولت اور اس کے اللہ کے فضل کے انکار کو بھی قرآن اور تاریخ الامم کی کتابوں میں مطالعہ کریں۔ یہ سب مخالفت کرنے والے ذلیل و خوار ہوئے اور ناکام و نامراد ہو کر اس دنیا سے چلے گئے ——— اس کے بالمقابل حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ کی نصیحتوں کو قرآن میں چشم سر سے دیکھیں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ

کی تاثیر سے بھری ہوئی تقریروں کو پڑھیں، حضرت لوطؑ کی مجبوریوں کا اندازہ لگائیں، حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت پر ذرا نظر دوڑائیں ——— یہ سب کے سب کامیاب ہوئے اور ان کی مخالفت کرنے والے ذلیل و خوار ہوئے، اسی لئے ارشادِ خداوندی ہوا: كُتِبَ كَمَا كُتِبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

مخالفت کے مراتب

علماء نے لکھا ہے کہ مخالفت کے کئی مراتب ہیں، ایک تو یہ کہ سرے ہی سے وہ شخص مومن نہیں ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا صاف انکار کرتا ہے تو یہ مخالفت کفر ہے اور مخالفت کرنے والا کافر ہوگا۔ دوسرے یہ کہ کافر تو نہیں ہے مسلمان ہے لیکن احکامِ خداوندی کو بجا نہیں لاتا ہے، کلمہ پڑھتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے مگر زکوٰۃ نہیں دیتا ہے، کلمہ پڑھتا ہے مگر روزے نہیں رکھتا، کلمہ پڑھتا ہے مگر سود بھی کھاتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے مگر شراب بھی پیتا ہے، تو ایک مخالفت یہ بھی ہے۔

اس مؤمن کی مخالفت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالکل صاف انکار کرتا ہے، نماز روزہ کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہو کہ یہ نمازی حضرات نماز پڑھنے سے آسمان پر کہاں اڑے جا رہے ہیں، یہ نمازی حضرات فرشتے کہاں بن گئے ہیں، یہ تو نماز پڑھنے کے باوجود جھوٹ بولتے ہیں، ہم بھی نماز پڑھیں گے تو جھوٹ بولنے کے عادی ہو جائیں گے، بھلا نماز سے کیا فائدہ؟ نماز کی کوئی حیثیت نہیں تو وہ لاکھ اپنے کو مسلمان کہتا پھرے، وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کہتا ہو کہ روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، ہم تو ویسے ہی کھانا ترک کر سکتے ہیں تاکہ ہماری صحت ٹھیک رہے یا یہ کہے کہ کوئی ضروری ہے کہ پورے رمضان

کے مہینے کا ہم انتظار کرتے رہیں، دو دو تین تین روزہ ہر ماہ رکھ کر تیس روزے مکمل کر سکتے ہیں۔ اللہ کو تیس روزے ہی کی ضرورت ہے نا۔ یا یہ کہے کہ روزہ تو وہ رہے جس کے گھر میں کھانے پینے کا کچھ نہیں ہو اور وہ نانِ شبینہ کے لئے بھی ترستا ہو۔ ہمارے پاس وسعت ہے، ہم روزہ کیوں کر رکھیں؟ خُدا کے احکام کے ایسے انکار کرنے والے کافر ہیں، چاہے وہ لاکھ اپنے کو مسلمان کہلوانے کی کوشش کریں۔

ہاں جو لوگ احکامِ خداوندی کو بجالانے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ وہ استہزار و مذاق نہیں اڑاتے ہیں، اپنی کوتاہی پر ندامت کا اظہار بھی کرتے ہیں اس کے باوجود وہ عمل نہیں کرتے ہیں تو یہ فسق ہے اور ایسا شخص فاسق شمار ہوگا۔

فسق و فجور کا انجام:

اگر وہ شخص فسق پر قائم و دائم رہے، احساس کے باوجود خدا کے احکام کی بجاآوری میں کوتاہی ہی سے کام لیتا رہے تو پھر اس فسق کا انجام کیا نکلتا ہے؟ ظاہر ہے جس طرح نیکی سے نیکی کی توفیق ہوتی ہے، مثلاً فرض نماز پڑھ لی تو دل چاہے گا کہ سنت بھی پڑھ لوں، سنتیں پڑھ لیں تو دل چاہے گا کہ نوافل بھی پڑھ لوں، تو نیکی سے نیکی کی توفیق ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک گناہ کے صُدور سے دوسرے گناہ کا بھی صُدور ہو جاتا ہے، پہلے شراب پینے کی عادت بنی، پھر بدکاری کی عادت بنی، پھر لڑنے جھگڑنے کی عادت بنی، پھر قتل کی عادت بنی ——— یکے بعد دیگرے ایک گناہ سے دوسرے گناہ کی عادت بنتی چلی گئی۔ اگر وہ اس پر توبہ نہ کرے تو اس کا انجام نہایت برا ہوتا ہے۔ لوگ یہ مثالیں دینے لگتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا

گنہگار ہے، فسق وفجور پر توبہ نہ کرنے کی وجہ سے دل بہت سخت ہو جاتا ہے اور گناہوں پر اصرار سے کبھی کبھی توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی ہے، اس لئے جہاں تک ہو سکے ہر مومن کو چاہیئے کہ اپنے چہرے پر فسق کے بدنما داغ کو نہ آنے دیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کا انجام بہتر نہ نکلے۔

کفار کیلئے اہانت آمیز سزا

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور کافروں کے لئے اہانت والا اور ذلت والا عذاب ہے۔ عذاب بھی ہوگا اور ذلت بھی ساتھ ساتھ ہوگی۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک آدمی نے چوری کیا، اس جرم میں وہ پکڑا گیا، گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈالدیا گیا، عذاب تو یہ بھی ہے کہ گرفتار ہوا، اس پر مقدمہ دائر کر دیا گیا اور جیل بھیجدیا گیا۔ اور ایک یہ بھی ہے کہ گرفتار ہوا اور پولس نے خوب زدوکوب کر کے ذلیل وخوار کر دیا۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ گشت کرایا، ہر تھانے کا دروازہ دکھایا جاتا اور سزا دی جاتی رہی۔ سزا کی وجہ سے زخمی ہو کر اسپتال میں بھرتی ہوا۔ ہسپتال میں عرصہ تک پڑا رہا۔ صحت مند ہونے کے بعد پھر جیل بھیجا گیا، وہاں پھر کوڑوں کی سزا دی جاتی رہی اور بے حد مشقتیں اٹھانی پڑیں، وغیرہ وغیرہ ——— تو عذاب یہ بھی ہے لیکن دونوں میں کتنا واضح فرق ہے۔ وہ بھی عذاب تھا اور یہ بھی عذاب ہے۔ وہ عذاب صرف عذاب ہی تھا لیکن یہ عذاب ذلت کے ساتھ ہے۔ اسی لئے ارشادِ خداوندی ہوا کہ کافروں کے لئے صرف عذاب ہی نہیں بلکہ ذلت آمیز عذاب ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: عَذَابٌ اَلِيْمٌ کہ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے دین کو ٹھکرایا تھا اور دین کو قبول کرنے سے انکار

کر دیا تھا۔

عذاب کے لئے ایک دن مقرر ہے

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ عذاب کب ہوگا؟ ہماری نگاہوں میں تو انہیں عذاب نہیں دیا جا رہا ہے، وہ تو بالکل مزے اور آرام میں ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ کہ اگرچہ ہم دنیا میں بھی عذاب دے سکتے ہیں لیکن ان لوگوں کے لئے آخرت میں عذاب مقرر ہے جب کہ ہم ان کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ میدانِ حشر میں حساب و کتاب کے بعد ان کو باقاعدہ نامۂ اعمال دیں گے، پھر ہم کہیں گے اِقْرَأْ كِتَابَكَ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو، جب کفار اپنا نامۂ اعمال دیکھیں گے تو حیران ہو کر کہیں گے "مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا" ہائے یہ کیسی کتاب اور نامۂ اعمال ہے، چھوٹے بڑے میرے تمام ہی اعمال اس میں درج ہیں اور کوئی چھوٹا سا عمل بھی درج ہونا باقی نہیں رہ گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہوگا: اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ کہ یہ لوگ اپنے ہی اعمال بھول گئے ہیں لیکن میں نے ان کے تمام اعمال کو ریکارڈ میں محفوظ کر لیا ہے، تم غلطی کرتے ہو، گناہ کرتے ہو اور بھول جاتے ہو لیکن میرے پاس تو تیرے ہر بُرے اعمال اور گناہ کا ریکارڈ موجود ہے اور یہ ریکارڈ اس لئے رکھا ہے کہ تم پر حجت قائم کی جا سکے۔ ورنہ وہ لکھوائے یا نہ لکھوائے، محفوظ رکھے یا نہ رکھے، اللہ اس سے بہرصورت باخبر ہے۔

خدا ہی حاضر و ناظر ہے

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اللہ ہر چیز کا محافظ ہے، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے،

یاد رکھو ــــــــــــــ !

ہر چیز سے باخبر رہنا کس کی صفت ہے؟	اللہ تبارک و تعالیٰ کی۔
ہر چیز پر شہید کون ہے؟	صرف اللہ ہے۔
بصیر کون ہے؟	صرف اللہ ہے۔
ہر چیز کا خبیر کے معنیٰ؟	ہر چیز کی خبر رکھنے والا۔
بصیر کے معنیٰ؟	دیکھنے والا۔

اور شہید کے معنیٰ؟ جس سے کوئی چیز غائب نہ ہو یعنی موجود یا حاضر یا رقیب یا محافظ۔

تو اب معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کس کی صفت ہے؟ صرف اور صرف اللہ کی۔

لیکن بعض لوگ دھوکہ دیکر لاعلمی میں عوام کو کہتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ہی نہیں، یہ تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے، حضورؐ ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ــــــــ حاضر کے معنیٰ موجود اور ناظر کے معنیٰ دیکھنے والا۔ کیا حضورؐ کے ناموں یا صفتوں میں سے کوئی صفت حاضر و ناظر ہے؟ حضورؐ نے خود اپنے اسماء و صفات شمار کراتے ہوئے فرمایا: انا محمّد، انا احمد، انا الماحیٰ انا الحاشر، انا العاقب ــــــــــــــ لیکن ان تمام میں کہیں بھی حاضر و ناظر کا لفظ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہنے والے دلیل دیتے ہیں کہ ناظر کے معنیٰ دیکھنے والے کے آتے ہیں اور حاضر کا معنیٰ جو پہلے سے نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ پہلے سے تھا، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہیں گے، وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اس لئے یہ صفت تو ان کے بارے میں ہو نہیں سکتی۔ یہ صفت صرف اسی ذات کے لئے ہو سکتی ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو، پھر موجود ہو جائے اور یہ بھی واضح بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی ہے جو پہلے سے موجود تو نہ تھی۔ لیکن

بعد میں موجود ہوگئی۔ لہذا حاضر و ناظر ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صفت ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی نہیں۔

خود اپنے ہی دام میں صیّاد آگیا

ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے پیدائش کے پہلے ہی سے آپؐ موجود تھے اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت آدمؑ کو نجات ملی۔ دوسری طرف کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں کہ آپؐ پہلے سے موجود نہ تھے، بعد میں وجود پذیر ہوئے اور اسی کو حاضر و ناظر کہتے ہیں۔

دونوں دعوے ایک دوسرے سے متعارض ہیں، یا تو پہلا دعویٰ غلط ہے اور دوسرا دعویٰ درست، یا پہلا درست اور دوسرا غلط یا دونوں غلط ہیں دونوں تو صحیح ہو نہیں سکتے۔

دوسرے یہ کہ موجود کا کیا مطلب ہے؟ صرف نام موجود یا ذات موجود؟ اگر نام موجود ہونا مفہوم ہے تو نام تو ہر چیز کا موجود ہے اور تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاسمآءَ کلّھا کہ اللہ نے آدم کو دنیا کی تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے، پھر حضورؐ کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر ذات کا موجود ہونا مفہوم ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی موجودگی میں کوئی دوسرا نبی ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، پھر حضرت آدم کو نبوت کیسے مل گئی؟۔

تیسرے یہ کہ اگر ذات پہلے سے بھی موجود ہو تو ربیع الاول میں پیدائش کا کیا مطلب؟ اگر ۱۲ ربیع الاول کی بات صحیح ہے اور میلاد صحیح ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پہلے سے آپؐ موجود نہیں تھے ـــــــ ان تمام باتوں پر سنجیدگی

اور ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سمجھیں کہ "شہید" کے معنیٰ حاضر کے ہیں اور ناظر بصیر کے معنیٰ میں ہے، قرآن میں یہ سبھی صفات اللہ ہی کی بیان کی گئی ہیں، اس لئے یہ سب صفات صرف اللہ ہی کی ہیں، حضورؐ کی صفات میں سے نہیں ہیں۔

صفات میں شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے

جس طرح ذاتِ الٰہی میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔ اسی طرح صفاتِ الٰہی میں بھی کسی کو شریک کرنا شرک ہے، مثلاً رزاقیت صرف اللہ کی صفت ہے۔ اگر کوئی کسی دوسرے کو بھی رزاق تصور کرتا ہے تو وہ دراصل شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ خالقیت صرف اللہ ہی کی صفت ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو بھی خالق سمجھے تو وہ شرک کر رہا ہے، ذرّہ ذرّہ کا مالک ہونا اللہ کی صفت ہے اگر کسی دوسرے کو مالک سمجھے تو یہ شرک ہوگا جس طرح خالق اسی کی صفت ہے، کائنات کا مالک ہونا اسی کی صفت ہے، تمام امور میں متصرف ہونا اسی کی صفت ہے، ہر جگہ شہید و بصیر اور حاضر و ناظر ہونا اسی کا وصفِ خاص ہے۔ تمام امور سے باخبر ہونا اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا علم رکھنا اسی کا امتیاز ہے۔ پس جس طرح غیر اللہ کو خالق و رازق سمجھنا شرک ہے، اسی طرح ..... اگر کوئی شخص غیر اللہ کو بھی حاضر و ناظر سمجھتا ہے تو وہ بھی شرک کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اس لئے یہ ذہن میں رکھیں کہ ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائے تو بھی شرک اور صفات میں شریک ٹھہرائے تو بھی شرک شمار ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ میں سے ہر فرد کو شرک اور اس کے وبال سے بال بال محفوظ فرمائے۔ آمین۔

حضورؐ کا نام لیتے اور سنتے ہوئے دُرود کا حُکم

اگلی آیت میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جارہا ہے۔ یہاں ایک ضروری بات یہ سنتے چلیں کہ جب بھی حضور کا نام نامی اسم گرامی زبان پر آئے یا کسی سے نام لیتا ہوا سنیں تو درود شریف ضرور پڑھ لیا کیجئے درود شریف بھی ذریعۂ نجات ہے، اس لئے روز و شب اور صبح و شام بکثرت درود شریف پڑھتے رہنا چاہیئے۔

مسلمانو! محبتِ نبویؐ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شرک کرو، توحید الٰہی کا اعتقاد ایک علٰحدہ حکم ہے اور آقائے مدنیؐ کا پاس و لحاظ علٰحدہ چیز ہے۔ اگر محبتِ نبویؐ میں ذرہ برابر بھی کمی آئے تو آدمی مؤمنین کی صف سے خارج ہو جاتا ہے۔ حضورؐ سے محبت کا مطلب ہے اتباعِ محمدؐ تَسْلِیماً کَثِیراً کَثِیراً۔

دعا ہے کہ اللہ نبیؐ کی محبت سے ہمیں بھی مالامال فرمائے اور آپ لوگوں کو بھی اس دولت سے سرفراز فرمائے۔

حضورؐ عالم الغیب نہیں ہیں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، ان سب کا صحیح علم رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے یعنی تمام ہی اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے، دوسرے کو نہیں، اسلام کا یہ بھی ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ اگر یہاں بھی کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ تمام چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بھی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بھی شرک ہوگا۔

علم وعقل سے عاری لوگ یہاں بھی کہتے ہیں کہ کیا اللہ نے حضورؐ کو ماکان اور مایکون کا علم نہیں دیا تھا؟ یقیناً آپ کو اس کا علم تھا لیکن اس وقت جب کہ اللہ آپؐ کو بتا دیتا، جب کہ اللہ بذریعہ وحی خبر دیدیتا، آپؐ کو بالذات علم غیب نہیں دیا گیا تھا۔ جو باتیں خداوند قدوس کو بتانی تھیں، بتادیں اور جس کو نہیں بتانا تھا آپؐ کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

آپ معراج کی حدیث کھول کر دیکھ لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب میں ساتویں آسمان پر گیا تو ایک بزرگ جن کا چہرہ بہت خوبصورت تھا ڈاڑھی سینہ تک تھی اور ان کی شکل میری شکل سے ملتی جلتی تھی، ان کو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا، میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی امامت کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کو آپؐ نے اس میں دیکھا تھا۔ پھر بھی آپؐ نے حضرت جبرئیل سے دریافت کیا: من ھٰذا یہ کون ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے جواباً عرض کیا: یہ ابراہیم ہیں۔ جب آپ آگے بڑھے اور جنت کا سیر کیا تو آپ نے نہایت خوبصورت سفید موتی کا محل دیکھا۔ آپؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا یہ خوبصورت محل کس کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یہ حضرت عمرؓ کا محل ہے۔

اس واقعہ میں آپؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا، پھر آپ کو اس کا علم ہوا، جب تک آپ کو اس کی اطلاع نہ دیدی گئی، آپ کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔ اگر حضورؐ کو غیب کا علم ہوتا تو آپؐ کو دریافت کرنے اور جبرئیلؑ سے معلوم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

کرامتوں سے دھوکہ دہی:

بعض لوگ بزرگانِ دین وسلف صالحین کی کرامتوں اور سابقہ انبیاء کے معجزات سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو جی! اللہ کے ایک ولی نے ملکۂ سبا کا تخت دیکھ بھی لیا اور اسے لاکر حاضر بھی کر دیا، تو ایک ولی جو چاہے دیکھ سکتا ہے، کیا ہمارا نبی نہیں دیکھ سکتا؟

حضرت عمرؓ نے دُور سے آواز دی اور آپ کی آواز امیرِ لشکر تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے امیرِ لشکر کو دیکھ لیا اور آواز لگائی، تو کیا ہمارا نبی ایسا علم نہیں رکھ سکتا، دنیا میں روزانہ لاکھوں کروڑوں آدمی مرتے ہیں اور عزرائیلؑ اس کا علم رکھتے ہیں۔ اگر حضور کو بھی غیب کا علم رکھنے والا نہ کہا جائے تو بھلا حضور کی شانِ بلندی میں کمی آئے گی یا نہیں؟ عوام تو کالانعام ہوتے ہی ہیں بلاچون وچرا اس کی تصدیق کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھئی ان کا کہنا تو بالکل بجا اور درست ہے۔ اور اس طرح ان کے دل میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عَالِمُ الغیب ہیں۔

نبی اکرمؐ کو عَالِمُ الغیب ماننے کے مفاسد

یہ لوگ نبی کی شان میں گستاخی اور بہت بڑی گستاخی کر رہے ہیں اور شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ عالم الغیب ہونا اللہ کی صفت ہے اور وہ اس کو نبی کی صفت مانتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ نبی کو عالم الغیب ماننے سے بہت سی نامناسب اور خلاف واقعہ باتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا، مثلاً یہ کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر مسلمانوں کا بظاہر شکست کا سامنا کرنا گویا حضورؐ کے علم میں پہلے ہی سے تھا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو ابتداءً فتح ملے گی، پھر معمولی لغزش کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس میں اتنے مسلمان اور فلاں فلاں

مسلمان شہید ہوں گے، اگر حضور کو عالم الغیب مانا جائے تو اس جنگ میں پیش آنے والی مدّ حادثات کا پہلے سے واقف ہونے کے باوجود چھپائے رکھنے کا الزام عائد ہوگا جو آپ کی اپنی امت اور خصوصاً صحابہ پر شان شفقت و رحمت سے بعید از حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر حضور کو عالم الغیب مانا جائے تو منافقوں کی طرف سے حضرت عائشہ پر لگائی گئی تہمت کا واقعہ پیش آنے پر حقیقتِ حال سے آگاہ ہونے کے باوجود اور حضرت عائشہؓ کے بری ہونے کے باوجود اصل واقعہ کے چھپانے کا الزام آپؐ پر عائد ہوگا ——— یہ اور اس طرح کے بیشمار اعتراضات آپؐ پر نعوذ باللہ عائد ہوں گے ——— ظاہر ہے کہ وہ تمام اشکالات و سوالات آپ کی شانِ رحمت سے بعید معلوم ہوتی ہے: اس لئے صحیح یہی ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

یہودیوں کے اشارے پر کفار مکہ نے آپ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے؟ اصحابِ کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کون ہیں اور کہا تھا کہ اگر آپ ان سوالات کا جواب دیدیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے؟ آپ نے اس وقت تک اس کا جواب نہیں دیا جب تک کہ بذریعۂ وحی ان کے جوابات آپ کو نہیں بتا دیئے گئے۔ اگر آپ کے پاس غیب کا علم ہوتا، آپؐ ماکان اور مایکون کا علم رکھتے تو آپؐ وحی کا انتظار کئے بغیر جواب دے سکتے تھے اور ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کا واقعہ بتا سکتے تھے آپؐ کا اس وقت فوراً جواب نہ دینا یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ آپؐ عالم الغیب نہیں تھے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ

مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ اے میرے نبی! لوگوں کو بتا دیجئے کہ یہ انسان سمجھتا نہیں کہ زمین اور آسمان کی تمام چیزوں سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، دوسرا کوئی واقف نہیں۔

اصحاب کہف کون تھے؟

اصحابِ کہف کون تھے؟ کیا تھے؟ ان کے بارے میں بھی کچھ تفصیلات بتاتا چلوں۔ اصحابِ کہف اولیاء اللہ تھے، بادشاہِ وقت کے ظلم کے اندیشہ اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ لوگ ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، تین سو نو (۳۰۹) سال تک غار ہی میں سوئے رہے وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا اور انہیں موت تک نہیں آئی۔ خداوند قدوس نے خود ہی ان کے سونے کا انتظام فرما دیا ——— ولی اللہ کی شان یہی ہوتی ہے کہ ان کے سونے کا انتظام بھی اللہ ہی فرما دیتے ہیں۔ روشنی کا انتظام بھی منجانب اللہ ہی ہوا کرتا ہے، ہوا گذرنے کا انتظام بھی باری تعالےٰ ہی کر دیتے ہیں اور سورج کو حکم دیتے ہیں کہ اس طرح گذرو کہ ہمارے محبوب کے جسم پر دھوپ نہ پڑے۔

اتنی لمبی مدت میں نہ ہی ان کے کپڑے پرانے ہوئے، نہ ہی ان کے ناخن بڑھے، نہ ہی بال بڑھے، اگر ہم لوگوں کی طرح ان کے ناخن بڑھتے رہتے، بال بڑھتے رہتے تو کتنا بڑا ہو گیا ہوتا، اس کا اندازہ مشکل ہے۔ خداوند قدوس نے ہر عضو اور جسم کی ہر چیز کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ رہے، بال اپنی جگہ، ناخن اپنی جگہ، انہیں سردی بھی نہ لگے، گرمی بھی نہ لگے، دشمنوں سے حفاظت کیلئے اس جگہ پر رعب ڈال دیا اور کتا بھی بیٹھا دیا۔ دیکھیں کون دشمن اندر داخل

ہوتا ہے۔ داخل ہونے کی جرأت کون کرتا ہے؟ یہ صاحبِ مرتبت اور عالی مرتبت اولیاء اللہ تھے۔

تین صدی گذرنے کے بعد اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ جاگو! تو اٹھکر بیٹھ گئے، ایک دوسرے سے کہنے لگے، کَمْ لَبِثْتُمْ کہ یار یہاں ہم کتنے دن سوئے رہے، ایک دوسرے سے آپس میں کہنے لگے، یہی ایک دن یا اس سے کم ٹھہرے ہوں گے، کیوں کہ جب داخل ہوئے تو سورج ادھر تھا اور اَب اِدھر آگیا ہے۔ جب آپس میں رائیں مختلف ہوگئیں تو کہنے لگے اچھا اس مسئلہ میں بلا ضرورت وقت ضائع مت کرو رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ہم کتنی دیر تک غار میں رہے، اللہ ہی جانتا ہے۔ اَب بھوک کا مسئلہ ہے، بھوک لگی ہے، کسی کو پاک وصاف اور حلال کھانا لانے کے لئے شہر بھیجو، البتہ سارے آدمی شہر مت جاؤ کہیں ہم پہچان نہ لئے جائیں اور ظالم بادشاہ کے کارندے گرفتار نہ کرلیں، انہی میں سے ایک کھانا کے لئے شہر پہونچا، کچھ سالن خریدا اور کچھ روٹی خریدی دکاندار نے کہا: دس ریال نکالو، انہوں نے پیسے نکال کر دیئے، پیسہ دیکھ کر کہا: حضرت کہاں سے تشریف آوری ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ جہاں سے بھی آیا ہوں تم کو پیسے لینے سے مطلب ہے نا۔ دکاندار نے کہا کہ یہ سکّہ تو تین سو سال پہلے کا ہے یہ سکّہ تو بارھویں صدی کا ہے اور آپ ہمیں پندرھویں صدی میں دے رہے ہیں اَب پورے شہر میں شور ہوگیا کہ تین سَو سال پہلے کا آدمی نکل آیا ہے، ایسے محیر العقول واقعات پیش آنے سے ہر طرف شور ہی ہو جاتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت تو نو دو گیارہ ہو گئے کہ کہیں ہم پکڑے نہ جائیں، اَب ایسے موقع پر عوام کالانعام آگئے کہ ہم تو یہاں عبادت گاہ بنائیں گے لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْہِمْ مَسْجِداً بھلا ایسے ولیوں کو سجدہ نہ کریں تو کس کو کریں؟ ذرا بتاؤ اس سے بڑھ کر کوئی شرک ہو سکتا ہے؟۔

اللہ سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کہ اے میرے نبی! مومنوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم میں سے تین شخص سرگوشی کرتا ہے تو چوتھا اس میں اللہ بھی ہوتا ہے اور جب پانچ مل کر سرگوشیاں کرتے ہیں تو ان میں کا چھٹا اللہ ہوتا ہے۔ غرض کہ تھوڑے ہوں جب بھی وہ موجود اور اگر زیادہ ہوں تب بھی وہ موجود، جہاں بھی رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ قیامت کے دن تمہیں اپنے کئے اعمال سے آگاہ کرے گا، کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کائنات کی کوئی چیز علم الٰہی سے باہر نہیں ہے، سبھی اس کے علم میں ہیں، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ کہ حضرت مریم کی کفالت و پرورش کے لئے جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی، آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ تو ہر چیز سے باخبر ہونا اللہ ہی کی صفت ہے، اور قرآن میں جو دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کہ اللہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ باعتبار علم کے شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

اللہ کسی جسم میں پیوست نہیں ہے

اس کا یہ مطلب لینا کہ اللہ انسان کے اندر حلول کر جاتا ہے، ہرگز درست نہیں ہے جیسا کہ ملنگوں نے سمجھا تھا کہ اللہ اولیاء کے اندر حلول کر جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں اس طرح کے بد اعتقاد لوگ موجود تھے،

حضرت علیؓ کے پاس ایک مرتبہ وہ لوگ آئے، انہوں نے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو خدا تصور کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ میں تو خدا کا بندہ ہوں، ان لوگوں نے کہا آپ اپنے کو بندہ یا کچھ اور ہی کہتے کیوں نہ رہیں، ہم تو خدا کہتے رہیں گے امیرالمؤمنین کا حکم ہوا کہ ان بداعتقادوں اور فاسد خیال رکھنے والوں کو قید کر دیا جائے۔ تین چار یوم گذرنے کے بعد ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اس وقت بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ آپ خدا ہیں، ہمیں داتا کی نگری سے تو سب کچھ ملا ہے۔

حضرت علیؓ نے حکم دیا: انہیں قتل کرو اور جلا کر خاکستر کر دو، جب آگ روشن ہوگئی اور ڈالنے کا وقت آیا تو امیرالمؤمنین نے خیال کیا کہ شاید اب عقل ٹھکانے آگئی ہو، دریافت فرمایا: اب کیا عقیدہ ہے؟ ان فاسد خیالوں نے اب بھی یہی کہا کہ آپ تو خدا ہیں اور پہلے تو میرے عقیدہ میں جو بھی شک و شبہہ تھا اب وہ بھی زائل ہو چکا ہے، پہلے تو شک تھا کہ آپ کھاتے پیتے ہیں اور ضرورتِ انسانی آپ کو بھی پیش آتی ہے لیکن اب یقین ہوگیا ہے کہ جہنم کا عذاب اللہ ہی دیتا ہے۔ آگ کی سزا خدا ہی دیتا ہے، آپ نے ہمیں آگ کا عذاب دیا ہے، اس لئے آپ ہمارے خدا ہیں۔

افسوسناک صورتحال

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بزرگانِ دین کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان میں خدا حلول کر گیا ہے اور ان سے جو چیز مانگی جاتی ہے وہ پوری کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مختلف جگہوں پر مزارات نظر آتے ہیں

ان میں سے کوئی سیون شریف ہے، کہیں داتا شریف ہے، کوئی پاک پٹن شریف ہے اور کہیں گڑھول شریف ہے۔

یہ اور اس طرح کے اور بھی بے شمار عقائد اسلامی معاشرے میں پہلے تھے اور اب بھی باقی ہیں اور دن بدن بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمیں صحیح عقائد پر باقی رکھے اور ہر مسلمان کو اپنی مرضیات پر چلنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

درس ۳

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۣ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنٰجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(۷ ——— ۱۰)

ترجمہ :

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی سرگوشی تین آدمی کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (یعنی اللہ) نہ ہو اور نہ پانچ کی (سرگوشی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ (اس عدد) سے کم میں ہوتی ہے اور نہ اس سے زیادہ میں، مگر وہ ہر حالت میں ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر ان سب کو قیامت کے دن ان کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا تھا مگر پھر بھی وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے دلوں میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر سزا فوراً کیوں نہیں دیتا، ان کے لئے جہنم کافی ہے۔ اس میں یہ لوگ ضرور داخل ہوں گے سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کیا کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو جن کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ خدا کے ارادہ کے بغیر ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو ہر

معاملہ میں اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے۔ (آیت ۷ تا ۱۰)

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے

الم تر ان اللہ یعلم ما فی السّمٰوٰتِ وما فی الارضِ۔ اس آیت میں پہلی ہی کی باتوں کی مزید وضاحت ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ایک ایک سے باخبر ہے، آدمی جہاں کہیں بھی آپس میں رازداری کی باتیں کرتا ہے، وہ گھر کے خلوت خانہ میں ہو یا بزم کی جلوت میں، رات کی تاریکی ہو، آبادی سے دور غیر آباد جگہ ہو یا جنگل ہو، آہستہ باتیں کرتا ہو یا زور سے اور علانیہ، یا ایسے دوستوں سے بات کرتا ہو جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اس کے راز کا اِفشاء نہیں کرے گا ——— قرآن نے کہا کہ کوئی انسان اس سے واقف ہو یا نہ ہو، اللہ اسے ضرور جانتا ہے، تین شخص بات کر رہے ہوں تو ان میں چوتھا سننے والا "اللہ" ہوتا ہے۔ پانچ آدمی ہوں تو چھٹا سننے والا اللہ ہوتا ہے۔ اس تعداد کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہو یا اپنے دل ہی میں بات کر رہا ہو پھر بھی وہ خدا کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بہرحال ان کے ساتھ ہوتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے۔

اس لئے اگر تین آدمی باہم گفتگو کریں تو یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف تین ہی آدمی ہیں، بلکہ اپنے ساتھ خدا کو بھی سمجھیں، پانچ آدمی آپس میں رازداری کر رہے ہوں تو وہ بھی یہ یقین رکھیں کہ ان کے ساتھ چھٹا خدا بھی ہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا خدا ہے جو ان کے تمام احوال سے باخبر ہے ان کی باتوں کو سن رہا ہے، ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے، جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: ———

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰىھُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ انکی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا ہے ۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہوا :

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰىھُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ ۔

کیا ان کو یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں کو نہیں سُن رہے ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں، ہمارے فرشتے ان کے ساتھ موجود ہیں اور انکو لکھتے جا رہے ہیں ۔

⁂

تعداد مقصود نہیں ہے

وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ ۔ یعنی تین یا پانچ کی کوئی قید اور تخصیص نہیں کہ اتنے افراد سرگوشی کریں، تب ہی اللہ ساتھ ہوتا ہے بلکہ کم ہو یا زیادہ، خدا ان کی ساری سرگوشیوں سے واقف ہے ۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ تین اور پانچ انہی اعداد کی صراحت اسلئے فرمادی گئی ہو کہ ..... طاق عدد اللہ کو زیادہ پسند ہے ۔ اس آیت میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، تمام غیب کی باتوں سے واقف ہونا اور عالم الغیب ہونا صرف اللہ تعالیٰ کا خصوصی وصف و امتیاز ہے ۔

ایک شُبہ کا جواب

اس آیت سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ قرآن میں سرگوشیاں کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے، فرمایا : ھو معھم اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اللہ بھی انسانوں کے ساتھ ہیں، بظاہر اس سے اللہ کا جسم والا ہونا معلوم ہوتا ہے، جو چیزیں ذی جسم ہوتی ہیں وہ محتاج بھی ہوتی ہیں اور فانی بھی۔

یاد رکھو کہ یہ شیطانی وساوس ہیں۔ شیطان دل میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے، قرآن پر اعتراض کرنے پر انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔

اصل میں معیّت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک معیتِ جسمانی یعنی جسمانی طور پر ساتھ ہونا، جیسے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ہوتا ہے، اور دوسری ہے معیتِ علمی یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے، ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے۔ اس لئے بلاریب اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ یہاں جسم اور ذات کے ذریعہ معیت مراد نہیں ہے بلکہ خدا علم کے اعتبار سے انسان کے ساتھ ہونا مُراد ہے (۱) مشہور مفسّر ضحاکؒ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے (۲)۔

اَعمال پر تنبّہ

جب یہ بات بالکل واضح ہوچکی کہ اللہ اپنی تمام مخلوقات سے آگاہ اور باخبر ہے اور بہت ساری آیتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس دنیا کو بڑی حکمت سے اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق اور دنیا کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوگی۔ اس کو بے نتیجہ نہیں پیدا کیا گیا ہوگا اسلام کا نقطۂ نظر ہے کہ اس دنیا کا انجام آخرت ہے، ایسا نہیں ہے کہ

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۹۰۔

(۲) درمنثور ۸/۷۹۔

جو ہے وہ صرف یہی دنیا ہے اور اس دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، یہ تصور کہ یہی دنیا سب کچھ ہے اس کے بعد آخرت نہیں، ایک کافرانہ، ملحدانہ اور باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آخرت کو دنیا کے ان اعمال کے نتیجہ کیلئے مقرر کر رکھا ہے، اس دن اعمال کے ذرہ ذرہ کا بدلہ عطا فرمائے گا، لوگوں کے سامنے ان کے اپنے اعمال پیش کر دیئے جائیں گے اور لوگوں کو اپنے اعمال کا بہ خوبی علم ہو جائے گا۔ اسی کو قرآن نے کہا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال پر اللہ تعہ متنبہ فرمائے گا کہ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

مُسلمانوں کے خلاف خفیہ مشورے

آگے ارشادِ باری ہوا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔ یعنی کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سازش پر مبنی ہیں۔

یہودیوں کی عادت تھی کہ اسلام پر طعن و طنز کرنے کیلئے، مسلمانوں کی دل آزاری اور حوصلہ شکنی کے لئے سرگوشیاں کرتے رہتے تھے، جتھے بنا کر ایک جگہ بیٹھ کر مسلمانوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کے خلاف خفیہ مشورے کرنا روز و شب کا ان کا معمول تھا۔ یہ تو مدینہ میں ابتدا کا حال تھا۔ جب آپؐ اور یہودیوں کے درمیان باہمی مصالحت ہوئی تو یہودیوں کو اس قسم کی غلط سرگوشیوں سے یہودیوں کو روک دیا گیا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ مشوروں پر پابندی لگا دی گئی تو ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں سے بغض نکالنے کے لئے

دوسری حرکت شروع کردی کہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو دیکھا اور جہاں کوئی ان کے پاس گیا کہ یہ اِدھر اُدھر جمع ہو ہو کر چپکے چپکے اشاروں کنایوں میں اس طرح کانا پھوسی کرنے لگتے کہ اکیلا مسلمان گمان کرتا کہ شاید یہ لوگ میرے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں یا میرے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف کچھ مخفی سازشیں اور تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ اس طرح کی شکایتوں کے واقعات ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار پیش آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اس غلط حرکت سے منع کیا اور اس طرح کی خفیہ سازباز سے روک دیا لیکن پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (۱) اور ان کی بری عادتوں پر مطلع کیا کہ ان کی جتنی سرگوشیاں ہوتی ہیں، ان میں صرف برائی ہی برائی ہوتی ہے، خیر کا پہلو بالکل معدوم ہوتا ہے، ان کی سرگوشیاں ہوتی ہیں تو صرف گناہ کے کاموں کے لئے جس میں ان کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوتا، ان کی سرگوشیاں ذاتی نقصان پر مبنی ہوتی ہیں یا ظلم پر مبنی ہوتی ہیں جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نقصان پہنچانے کی ترکیبیں سوچتے ہیں یا پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت پر ایک دوسرے کو اُبھارا کرتے ہیں اور آپؐ کی نافرمانیوں پر خود آگے بڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو بھائیو! قرآن کی اس ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بھی آپس میں اس طرح کی کوئی سرگوشی اور مشورہ نہ کریں جس سے کسی دوسرے مسلمان کو اپنے بارے میں شبہ ہو کہ میرے بارے میں کوئی سازش کی جارہی ہے اور مخواہ اس کو ایذا اور تکلیف پہنچے ——— یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اذا کنتم ثلٰثۃ فلا یتناجا الاثنان دون الاٰخر حتی

---

(۱) درمنثور ۸/۸۰۔

یختلطوا بالناس، انما ذلك یحزنه۔ جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کریں جب تک کہ دوسرے آدمی نہ آجائیں کیوں کہ اس سے اس کی دل شکنی ہوگی اور اس کو اپنی اجنبیت اور بیگانگی کا احساس ہوگا، ہاں اگر تیسرے شخص کی طرف سے اجازت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں (۱)

یہودیوں کی ایک اور شرارت

یہودیوں کی دوسری شرارت اور بدترین خصلت کا تذکرہ کرتے ہوئے آگے ارشادِ ربانی ہوا: وَحَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ کہ وہ لوگ آپؐ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا۔ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو بوقتِ ملاقات السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہتا ہے۔ اسی کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی تھی اور اللہ نے آپ کو سلام سے یاد فرمایا تو کبھی سلام علی المرسلین کے ذریعہ کبھی سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، کبھی السلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ اور کبھی صلوا علیہ وسلموا تسلیماً کے ذریعہ۔

لیکن غارت ہوں یہود کہ جب یہ خبیث آپؐ کی خدمت میں آتا تو اللہ نے سلام کے جو معزز الفاظ اپنے نبی کی شان میں استعمال کئے، اسے چھوڑ کر بہت ہی بُرا انداز اختیار کرتے اور کہتے السام علیك "تم پر موت ہو" حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے اس طریقۂ سلام پر نازل ہوئی تھی (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ یہودی حضورؐ کے پاس آئے

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۴۷۔ (۲) حوالۂ سابق۔

اور کہا کہ: السام علیك یا ابا القاسم۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے ناراض ہو کر اس بدباطن یہودی کو کچھ کہنا چاہا اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے علیکم السام والذام واللعنۃ کہدیا تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ عائشہ! اللہ تعالیٰ بُرے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا حضور نے نہیں سُنا انہوں نے آپ کو السّلام نہیں کہا ہے بلکہ السّام کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے نہیں سُنا؟ میں نے "علیکم" کہدیا۔ گویا آپ نے ان یہودیوں کو ان کی بے ہودگی کا مناسب جواب دے دیا۔ اب زیادہ کہنا حد سے تجاوز ہوتا، اسلئے مزید جواب دینے سے آپ نے حضرت عائشہ کو منع فرمایا (۱)

ابن کثیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی نے آکر سلام کیا صحابہؓ نے جواب دے دیا، پھر حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا تمہیں معلوم بھی ہے اس نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! اس نے تو سلام کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ نہیں اس نے زبان مروڑ کر کہا تھا سام علیکم تم پر ہلاکت ہو، تمہارا دین مغلوب ہو، تم مٹ جاؤ، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلا لاؤ، جب وہ آگیا تو آپؐ نے فرمایا: سچ سچ بتا تم نے سام علیکم نہیں کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں، میں نے یہی کہا تھا۔ آپ نے فرمایا سُنو! جب کوئی اہلِ کتاب تم میں سے کسی کو سلام کرے تو صرف علیك کہدیا کرو، یعنی جو تم نے کہا وہ تجھ ہی پر ہو (۲)۔

سلام ـــــ مسائل وفضائل

اسی آیت کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب کو سلام

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۹۲۔ (۲) بخاری عن عائشہ ۲/۸۹۰ باب الرفق فی الامر کلّہ

میں پہل کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) اگر خود غیر مسلم سلام کرے تو اس کا جواب دینا چاہیئے یا نہیں ؟ کیا عام مسلمانوں کی طرح ان کے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے ؟ حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ لیکن جمہور فقہاء، امام مالک، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جواب دینا واجب نہیں۔ ہاں اگر جواب دینا ہی چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وعلیکم کہئے اس سے زیادہ کچھ نہ کہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وعلیکم کہنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان ایسے ملک میں آباد ہوں جہاں کافروں کی حکومت اور سلطنت ہو تو حنفیہ نے کہا کہ بضرورت کافروں کو سلام کا اشارہ کرنے میں پہل کرنے کی مسلمانوں کے لئے گنجائش ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تاہم قلبی طور پر سلام کا ارادہ فرشتوں کیلئے ہو، کافر کیلئے نہ ہو۔

اسی طرح سلام کے وقت سر جھکانا حرام اور امتِ محمدیہ کے احترام کے خلاف ہے، اس میں ان کی بے عزتی ہے۔ موجودہ دور میں سرکاری افسروں کے سامنے کافر تو کافر، مسلمان بھی سر جھکانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ایسے مسلمانوں سے میری گذارش ہے کہ وہ اس عمل سے بچیں، حرام سے بچیں، اس میں انہی کی بے عزتی ہے، ذلت ہے، رسوائی ہے اور یہ اس عظمت کے خلاف ہے جو عقیدۂ توحید نے ان کو عطا کیا ہے۔

اگر مسلمان آدمی دور ہو تو اس کو سلام کرنے کیلئے چونکہ بلند آواز لگانی پڑے گی اس لئے اگر ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرے تو اسکی اجازت دی گئی ہے

لمحۂ فکریہ

سلام کے معنی ہیں "دعا" کہ اللہ تیرے لئے سلامتی مقدر کرے، مطلب

---

(۱) ترمذی عن مقداد بن اسود، باب ماجاء فی کراہیۃ التسلیم علی الذمی۔

یہ ہے کہ جب تم کسی کو سلام کرتے ہو تو اپنے بھائی کو سلامتی کی دُعا دیتے ہو کہ اللہ تجھے اپنی حفظ و امان میں رکھے لیکن کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں نے اسلام کا یہ طریقہ بالکل نہیں تو بہت حد تک چھوڑ دیا ہے۔ آج اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے اور کہتا ہے اَلسَّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو جدید ذہن کے پروردہ اور مغربی تہذیب کے دلدادہ کہنے لگتے ہیں دیکھو جی! انہوں نے قرآن ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ تو گڈ مارننگ کا زمانہ ہے، یہ کونسا طریقہ ہے "السلام علیکم" کا۔

یاد رکھو کہ سلام حضورؐ کی سنت ہے اور برکت کی دعا ہے۔ اس سے دین کی بہتری کی دعا بھی مقصود ہوتی ہے اور دنیا کی سلامتی بھی اور یہ سنت صرف السلام علیکم ہی سے ادا ہوتی ہے ——— لیکن افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے اس کو چھوڑ دیا، مخالفینِ اسلام اور دشمنانِ دین نے سلام جیسی نعمت کو برباد کر کے گڈ مارننگ، گڈ آفٹرنون، گڈ ایوننگ، آداب اور نمستے کے مکروہ اور ناپسندیدہ الفاظ رائج کئے، رکوع تک جھکنے کو ادب قرار دیا، اٹھتے بیٹھتے، لیتے دیتے اس رکوع اور سجدہ کو پھیلایا، حیرت کی بات یہ ہے کہ سلام جیسے بابرکت طریقہ کو ادب کے خلاف سمجھا، حالانکہ اس میں دنیا و آخرت دونوں کی سلامتی کی دعا دی جاتی ہے، اس میں جو جامعیت اور معنویت ہے وہ دوسرے کلمات میں نہیں، اس سلام سے انبیاء کی سنت ادا ہوتی ہے، اس سے مذہبی شان کا اظہار ہوتا ہے، اس سے امن و آشتی کا پیام ملتا ہے، یہ مسلمان کی شناخت کا بہترین ذریعہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہزارہا اجنبیت کے باوجود سلام خلوص و محبت اور دینی تعلق کا پیغامبر بھی ہے، اتنی اہمیت اور فضیلت والے سلام کو چھوڑ کر اگر

مسلمان بے برکت چیز ہی کو اختیار کرے تو اس کو بدنصیبی نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔

اشرار کی غلط فہمی

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہود آپ کو سیدھی زبان سے السلام علیکم نہیں کہتے تھے بلکہ زبان مروڑ کر السام علیك کہا کرتے تھے، آپ کا استہزاء کیا کرتے تھے، چوں کہ اس پر ان کی کسی قسم کی سرزنش نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ رسولؐ کے جھٹلانے اور استہزاء کرنے میں وہ بالکل حق بجانب ہیں وہ یہ سمجھتے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو لازماً ان باتوں پر سخت نوٹس لیا جاتا اور فوراً قہر خداوندی کا ظہور ہوتا۔ قرآن اسی غلط فہمی اور بے جا دلیری کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ۔ یہ اپنے دلوں میں یا آپس میں کہتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ نے ان کو نبی بنایا ہے تو ہم ان کے بارے میں جو باتیں کہہ رہے ہیں اس پر وہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا ہے؟

اللہ نے ان کے جواب میں اتنا فرمایا کہ حسبھم جھنم یصلونھا آج نہیں تو کل اس کی سزا تم کو بھگتنی پڑے گی۔ آج ڈھیل دی جارہی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ تمہارا یہ عمل اور یہ اقدام درست ہے، ہم آج تم کو چھوڑے دیتے ہیں قیامت کے دن تمہارے لئے جہنم تک کی بھی سزا ہوگی جو بدترین ٹھکانہ ہوگا، فَبِئْسَ المصیر ——— اس لئے کسی غلطی پر خدا کی طرف سے فوری گرفت نہ ہو، مؤاخذہ نہ ہو تو جری نہ ہو جانا چاہیے، بلکہ ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں یہ خدا کی طرف سے امہال اور ڈھیل تو نہیں ہے۔

گناہوں پر اصرار کی بنیادی وجہ

انسان گناہوں اور غفلتوں میں مبتلا رہتا ہے۔ دن بہ دن اس میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ اس کا سبب قرآن نے بیان کر دیا ہے کہ ان کے گناہوں اور شرارتوں پر چوں کہ فوراً گرفت نہیں ہوتی ہے، مؤاخذہ فوراً نہیں ہوتا ہے اس لئے انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کی شرارتوں اور معصیتوں پر گرفت نہیں ہو رہی ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس پر کبھی بھی اور کہیں بھی مؤاخذہ نہیں ہوگا، عذاب نہیں ہوگا۔ یہ ناسمجھی کی باتیں ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ اگر اعمال کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے، برائی کرتے ہی عذاب ظاہر ہو جائے، نیکی کرتے ہی اس کا بدل مل جائے تو دنیا میں سب کے سب نیک ہی ہوتے اور سب متقی اور پرہیزگار بن جاتے، کسی کو بُرے عمل کرنے اور اس کے قریب پھٹکنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی، پھر انسان کی آزمائش کا مقصد کہاں حاصل ہو پاتا؟

اصل یہ ہے کہ دنیا دارالامتحان ہے، یہ آزمائش اور عمل کرنے کی جگہ ہے، اس عمل کا بدلہ اور جزا آخرت میں ملے گا، یہ دنیا بدلہ دینے اور جزا دینے کی جگہ نہیں ہے ——— اس دنیا میں کسی عمل پر مؤاخذہ اور گرفت نہ ہونا اللہ کی رحمت اور بخشش کی وجہ سے ہے، اللہ بندوں کو سنبھلنے، سدھرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیتا رہتا ہے اور کبھی مصیبت دے کر، کبھی بارش بند کر کے اور کبھی پریشانیوں میں مبتلا کر کے تنبیہ فرماتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالیوں پر متنبہ ہو اور اصلاح کر لے، لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ خدا کی اس مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے اور گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ موت اس کو آدبوچتی ہے اور وہ حسبہم جہنم یصلونہا کا مصداق بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

سرگوشی ——— جو مطلوب ہے:

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خفیہ مشوروں اور سرگوشیوں سے متعلق ہدایت اور تعلیم دی ہے کہ یٰایھا الذین اٰمنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقویٰ واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون ۝ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نیکی اور بھلائی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ادب سکھلا رہا ہے کہ خفیہ مشورے کرنا اور سرگوشی کرنا کوئی بُری چیز نہیں ہے، ایک ساتھ رہنے اور زندگی بسر کرنے میں ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں اور اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، ایسے مواقع آتے ہیں کہ ان کے لئے رازدارانہ گفتگو اور سرگوشی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ مشورے نیکی کے لئے ہوں، تقویٰ کے لئے ہوں، معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہوں تو یہ خیر و برکت کی سرگوشی ہے۔ اگر کسی کے خلاف سازش کر رہے ہو، کسی کی برائی کے لئے تدبیر کر رہے ہو، برائی اور ظلم کیلئے مشورے ہو رہے ہوں تو یہ قابلِ مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مشوروں سے منع فرمایا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سرگوشی خود خداوند قدوس اپنے نیک بندوں سے قیامت کے دن فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: مؤمن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سُنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مؤمن بندہ کو اپنے قریب بلائے گا۔ اس قدر قریب کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے

پردہ میں کرلے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے؟ فلاں فلاں گناہ تم نے فلاں فلاں جگہ کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو! میں نے دنیا میں بھی تیرے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی کی، آج بھی میں تیرے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہوں، جاؤ! آج میں نے تمہاری بخشش کردی، پھر اسے نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور جنت میں داخلہ کا پروانہ مل جائے گا (۱)۔

دعا کیجئے کہ اللہ ہم سبھوں کے ساتھ اسی طرح عیوب پر پردہ پوشی کا معاملہ فرمائے اور ہمارے ہاتھوں میں جنت کا پروانہ عطا فرمائے۔

اہل ایمان کو تسلی

آگے ارشاد فرمایا کہ: اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو تسلی دے رہا ہے کہ سرگوشی دراصل شیطان کی مکاری اور وسوسہ اندازی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ شیطان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو غم میں مبتلا کردے، انہیں پریشان کرے اور ایذاء وتکلیف پہونچائے لیکن یہ بھی خدا کی اجازت اور مرضی سے ہی ہوسکتا ہے۔ خدا کی اجازت کے بغیر وہ کوئی نقصان و ضرر نہیں پہونچا سکتا ——— گویا اس میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ تم ان یہودیوں اور منافقوں کے باہمی مشوروں سے کیوں غمگین ہوتے ہو؟ اگر تم کو ضرر کا اندیشہ ہے تو سمجھ لو کہ اگر اللہ ہی تم کو کوئی نقصان پہونچانا چاہتا ہے تو وہ ضرور پہنچے گا۔ خواہ وہ لوگ مشورہ کریں یا نہ کریں (۲)

---

(۱) بخاری ۲/۸۹۶۔ (۲) مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۴۔

اور اگر اللہ نے تمہارے لئے ضرر و نقصان مقدر نہیں کیا ہے تو وہ کبھی بھی ضرر نہیں پہونچا سکتے، گو وہ ہزار بار ہی مشورہ کیوں نہ کرلیں، پس علی اللہ فلیتوکّلِ المؤمنون. مؤمن کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اَب رہ گئی یہ بات کہ کافروں اور منافقوں کو سَرگوشیوں سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ تو یہ صرف اس لئے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں، ایک دوسرے کی گمراہی کا ذریعہ نہ بنیں، اور مسلمانوں کو اس لئے روکا گیا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تین میں سے دو باہم سرگوشی کریں اور تیسرے کو الگ رکھیں تو اکثر اوقات اس کے دل کو ٹھیس لگے گی کہ مجھے ان دونوں نے غیر سمجھا اور شاید میرے خلاف کوئی بات کی گئی ہو۔ ہاں اگر لوگ دو دو چار چار مل کر باہم مشورہ کریں، کسی کو تنہا نہ چھوڑا جائے تو علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت سَرگوشی جائز ہے[1]!

سرگوشی کی ممانعت اَب بھی ہے

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ کیا غلط قسم کی سَرگوشیوں کی ممانعت صرف زمانۂ نبوت تک ہی مخصوص تھی یا اس کا حکم زمانۂ نبوت کے بعد اَب بھی باقی ہے۔ مشہور مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں مروی احادیث کا تقاضہ ہے کہ یہ ممانعت ہر زمانہ کے لئے ہو، صرف زمانۂ نبوت کے لئے خاص نہ ہو، یہی مذہب جمہور علماء اور فقہاء کا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ممانعت کا یہ حکم صرف ابتداء اسلام کے لئے تھا، کیوں کہ اس زمانہ میں منافقین آپس میں مشورہ کرتے تھے اور مؤمنوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اَب جب کہ اسلام پوری طرح دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکا ہے اور ابتداء اسلام کی سی صورتحال

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۴۔

نہیں رہ گئی ہے۔ یہ حکم منسوخ اور ختم ہو گیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حکم سفر کی حالت میں اَب بھی باقی ہے، حضر میں نہیں ہے۔ کیوں کہ سفر میں ایسا کیا جائے تو جس کو تنہا چھوڑ دیا گیا ہے اس کو خوف پیدا ہو گا کہ شاید اسے مار ڈالنے یا تکلیف پہنچانے کا کوئی مشورہ ہو رہا ہے ——— مگر صحیح وہی ہے جو پہلے کہا گیا کہ یہ حکم اَب بھی باقی ہے اور ہر حالت و مقام میں ہے[1]۔

افسوس کہ آج مسلم معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کرتے ہوئے کسی کے خلاف مشورہ کرنا اور سرگوشی کرنا ایک عام بات ہو گئی ہے اور یہ بہت سے اختلافات اور نا اتفاقیوں کی جڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو قرآن کی اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمان بھائیوں کو اس بری خصلت سے حفاظت فرمائے ——— آمین یارب العالمین

درس ۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں فراخی پیدا کرو تو فراخی پیدا کر دو، اللہ تم کو (جنت میں) کشادہ جگہ دے گا اور جب کسی ضرورت سے کہا جائے کہ مجلس سے چلے جاؤ تو چلے جایا کرو، اللہ تم میں ایمان والوں کے

---

(۱) قرطبی ۱۷/۹۶-۲۹۵۔

اوران لوگوں کے جن کو علمِ دین عطا ہوا ہے (اخروی) درجے
بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے تمام اعمال کی پوری خبر ہے۔

آیت کے نزول کا پس منظر

جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے، اس کے نزول کا پسِ منظر ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دِن اتری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن صُفہ میں تھے اور مسجد کے چھپر کے نیچے کی جگہ تنگ تھی اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے، آپؐ ان کی بڑی عزت اور تکریم فرمایا کرتے تھے، اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہ ذرا دیر سے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ سے سلام و جواب ہوا۔ آپ نے جواب دیا پھر مجلس کے دوسرے شرکاء کو سلام کیا، انہوں نے بھی جواب دیا۔ اَب یہ اسی امید میں کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا کہ ان کے لئے جگہ نکل آتی حالانکہ خود ان کو چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہ کا خیال کرتے اور لحاظ و مروّت سے کام لے کر خود ہٹ کر ان کو جگہ دیتے۔ جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا۔ اس طرح پہلے کے لوگ حضور کی باتیں پوری طرح سن چکے تھے۔ اَب یہ حضرات آئے تھے تو آپؐ نے چاہا کہ یہ بھی ٹھیک طرح میری حدیثیں سُن لیں۔ اس عمل سے امت کو یہ تعلیم بھی دینی تھی کہ وہ بڑوں اور بزرگوں کو آگے بیٹھنے دیں اور انہیں مقدم رکھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہ کیا کہ نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابہ کو بیٹھنے کا حکم دیا، جو لوگ

کھڑے کرائے گئے تھے ان کو ناگوار معلوم ہوا، ادھر منافقین کو شورش اور فتنہ برپا کرنے کے لئے ایک شوشہ ہاتھ آ گیا، وہ کہنے لگے، لیجئے! تم لوگ کہا کرتے تھے کہ تمہارے پیغمبر تمہارے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آتے ہیں، یہ کیسا انصاف ہے کہ کچھ لوگوں نے بڑے شوق سے پہلے آکر جگہ حاصل کر لی اور چاہا کہ پیغمبر سے بالکل قریب رہیں، تمہیں تو جگہ سے اٹھا دیا اور ان کو وہاں بٹھالیا، اسی موقع پر جمعہ ہی کے دن یہ آیت اُتری (۱)۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ وعظ وذکر کی مجلس کے بارے میں نازل ہوئی ہوتا یہ تھا کہ لوگ حضورؐ کی مجلس میں شوق سے پہلے ہی حاضر ہوتے تاکہ آپؐ کے قریب بیٹھ سکیں، اس کے بعد دوسرے لوگ آتے تو جگہ دینے میں بخل کرتے تھے، اس لئے بعد میں آنے والوں کو تنگی پیش آتی تھی۔ اس لئے اللہ نے ان کو حکم فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے کشائش پیدا کیا کرو (۲) ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ جہاد کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور ہوتا یہ تھا کہ جب جہاد کیلئے صفیں باندھی جاتیں تو پہلی صَف کے لئے جھگڑتے تھے اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میں صف میں رہوں تاکہ مجھ کو شہادت کی فضیلت پہلے حاصل ہو، اس لئے وہ دوسروں کو جگہ نہیں دیتے تھے (۳) ——— قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت کسی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ ہر اس مجلس کیلئے عام ہے جہاں مسلمان کسی نیک کام کیلئے جمع ہوں، چاہے وہ جہاد کی صَف ہو، وعظ کی مجلس ہو یا جمعہ کی نماز میں اجتماع اور جماعت ہو (۴)۔

غرض مسلمانوں کے دل میں ہمیشہ مسلمانوں کے لئے فراخی ووسعت

---

(۱) درمنثور ۸/۸۱۔ (۲) ابن کثیر ۴/۳۴۷۔
(۳) ابن کثیر ۴/۳۴۸۔ (۴) قرطبی ۱۷/۲۹۷۔

ہونی چاہیئے۔ اس سے پہلے منافقین کا ذکر تھا کہ ان کی مجلسیں، خفیہ مشوروں اور سرگوشیوں سے بھری ہوتی ہیں اور خیر سے خالی ہوتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسی مجلسیں اور سرگوشیوں سے منع فرمایا۔ اب ان آیات میں تعلیم دی گئی کہ مسلمانو! تمہاری مجلسیں ان منافقوں کی مجلسوں سے مختلف ہونی چاہئیں تمہاری مجلسیں کسی کے خلاف خفیہ تدبیروں اور مشوروں سے پاک ہونی چاہیئے تمہاری مجلسیں نیکی اور تقویٰ کا اعلیٰ ترین نمونہ ہونی چاہئیں۔ ان میں مشورے ہوں تو نیکی کے مشورے ہوں، ان میں سرگوشیاں ہوں تو تقویٰ اور خوف الٰہی کی سرگوشیاں ہوں۔ ان میں بڑوں کا ادب ہو۔ دوسروں کا لحاظ و خیال ہو۔ اپنے بھائیوں کی رعایت ہو۔

اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ مجلس میں جب اہلِ مجلس یہ کہیں کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے جگہ کشادہ کرو تو بہت ہی خوش دِلی سے اس امید پر جگہ کشادہ کردو اور دوسرے کا خیال رکھو کہ اللہ تمہارے دین و دنیا کے معاملات میں فراخی و کشائش عطا فرمائے گا۔ ابن کثیر نے اس آیت سے کیا خوب نکتہ نکالا ہے کہ جس قسم کا نیک کام ہو، اسی قسم کا نتیجہ بھی نکلتا ہے، جیسے کوئی اللہ کے لئے مسجد بنائے تو اللہ اس کے لئے جنت میں مکان بناتا ہے۔ جو کسی قرض والے پر آسانی کرے، اللہ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا۔ جب تک ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ اس وقت تک اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ تو جو مسلمانوں کے لئے جگہ پیدا کرے گا اور فراہم کرے گا، خدا بھی اس کے لئے فراخی کا معاملہ کرے گا (۱)۔

مجلس کے آداب:

(۱) ابن کثیر ۴/۳۴۸۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجلس کے آداب سکھائے ہیں کہ جب کسی مجلس میں بیٹھیں تو اس طرح بیٹھیں کہ بعد میں آنے والوں کو بیٹھنے کیلئے جگہ مل سکے اگر جگہ خالی نہ ہو تو بعد میں آنے والوں کے لئے کھسک کر جگہ دینے کی کوشش کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مسلمان بھائی تو کھڑا کھڑا وعظ سن رہا ہے اور دوسرا بیٹھا بیٹھا سن رہا ہو اور اس کو جگہ نہ دی جائے۔ دوسرا ادب اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد میں آنے والے پہلے آنے والوں کو اپنی جگہ سے نہ اٹھائیں، جیسا کہ بدری صحابہ بعد میں آئے تو انہوں نے کسی کو نہیں اٹھایا اور کھڑے ہو کر حضورؐ کے ارشادات سماعت فرماتے رہے، ایسے لوگوں کے لئے بہتر ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھس کر بیٹھنے کے بجائے مجلس کے کنارے میں بیٹھ جائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اتنے میں تین اشخاص آئے۔ ایک نے مجلس میں خالی جگہ پائی تو وہ اس جگہ بیٹھ گیا دوسرے کو جگہ نہ ملی تو مجلس کے کنارے بیٹھ گیا۔ تیسرا جگہ نہ دیکھ کر واپس ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں ان لوگوں کے حالات سے تم کو مطلع نہ کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ پہلے کا حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دربار میں جگہ چاہی تو اللہ نے اس کو مجلس میں جگہ دی۔ دوسرے نے اللہ سے حیا کی تو اللہ نے بھی اس کی حیا کا خیال رکھا اور تیسرے نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض فرمایا اور اپنی رحمت سے محروم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں جا کر بیٹھنے کے بجائے کنارہ میں بیٹھنے والے کو پسند فرمایا۔

یہ بھی آدابِ مجلس میں سے ہے کہ مجلس میں کسی کو اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔ نیز آدابِ مجلس میں سے ایک یہ ہے کہ جب صدرِ مجلس کی طرف سے ہدایت کی جائے کہ لوگ مجلس میں کھل کر بیٹھیں تو کسی چوں چرا کے بغیر حکم کی تعمیل کی جائے۔

ایک دوسرے سے الگ ہو کر بیٹھنا چاہیئے کہ بعد میں آنے والوں کو دشواری نہ ہو، مجلس کے آداب میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو، کیوں کہ دو آدمیوں کے ایک ساتھ بیٹھنے میں اکثر کوئی نہ کوئی مصلحت پیش نظر ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لایحل لرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنھما۔ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخص جو مل کر بیٹھے ہوں ان کے درمیان بیٹھنے کی سعی کرے، جب تک ان ہی سے اجازت نہ مل جائے (۱)

مجلس میں تعظیماً کھڑا ہونا

علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ مجلس میں آنے والے آدمی کیلئے بطور تعظیم کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بعض نے کہا کہ یہ مباح ہے اور حضرت سعد بن معاذ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذ حضورؐ کی مجلس میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنے والے کیلئے تعظیماً کھڑا ہونا چاہیئے۔

بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے اور کسی کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے واسطے لوگ کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کسی کے کھڑا ہونے کو پسند کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا اور اس طرح کی وعید ایسے ہی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حرام کا ارتکاب ہو رہا ہو ——— اصل میں اگر کبھی احتراماً اپنے استاذ، شیخ،

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۹۔

فرمانروا اکیلئے کھڑا ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس کی عادت نہ بنانی چاہئے اور نہ آدمی کی اپنی خواہش ہونی چاہیئے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں کہ یہ کبر و غرور ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ نہایت ناپسند ہے، آج کل جو پیروں نے اس کو آدابِ خانقاہی میں داخل کر لیا ہے۔ اس کو رسم بنا لیا ہے، کوئی احترام میں کھڑا نہ ہو تو مریدین اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے بڑی گستاخی کر دی اور اس کا ایمان غارت ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو ایسی تمنا اور خواہش ہو، اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔

حضورؐ کی مبارک مجلس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسیں کیسی ہوتی تھیں؟ اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے مفسر ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے، وہی جگہ صدارت کی ہوتی اور صحابہ کرام اپنے اپنے مراتب و درجات کے لحاظ سے گرد و پیش بیٹھ جاتے۔ صدیق اکبرؓ آپؐ کے دائیں بیٹھتے اور حضرت فاروقؓ آپؐ کے بائیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سامنے بیٹھا کرتے، یہ دونوں ہی کاتبِ وحی تھے۔ آپؐ فرماتے جاتے اور یہ دونوں حضرات اس وحی کو قلمبند کر لیا کرتے۔ خود حضورؐ کا فرمانِ مبارک ہے کہ مجھ سے قریب وہ لوگ رہا کریں جو عقلمند اور صاحبِ فراست ہوں، پھر درجہ بدرجہ لوگ بیٹھا کریں، ترتیب اور انتظام کا اس درجہ خیال اسی لئے تھا کہ آپؐ کے مبارک فرمودات یہ حضرات بخوبی سنیں اور سمجھیں، یہی وجہ تھی کہ صفہ کی مجلس میں آپؐ نے دوسرے لوگوں کو ہٹا کر اس جگہ پر بدری صحابہ کو نشست دلوائی۔

یہ تھی قرآن کی تعلیم، یہ تھی حضور کی مجلس اور یہ تھے حضراتِ صحابہؓ کی

مجلس کے طریقے اور آداب! لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی مجلسوں میں یہ آداب و سنن اور اخلاقی مروتوں کا لحاظ و خیال نہیں کیا جاتا، مغرب کی طرز معاشرت سے جہاں ہم نے زندگی کے دوسرے میدان میں بے شمار تبدیلیاں کی ہیں، وہیں مجلس کے آداب میں بھی مغرب سے بے حد متأثر ہو گئے۔ اسی کا اثر ہے کہ اگر کسی مسلمان کو عیدگاہ یا مسجد جمعہ یا جماعت میں اس کے کسی بزرگ کی وجہ سے ہٹا دیا جائے تو وہ لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

مجلس کا ایک اور ادب

آگے ارشاد ہوا کہ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو تم اُٹھ جاؤ ——— مطلب یہ ہے کہ اگر صدر مجلس اٹھ کھڑا ہونے کا حکم دے یا کسی دوسری جگہ جانے کی ہدایت کرے یا اپنی جگہ دوسرے کیلئے خالی کرنے کی تاکید کرے تو کسی کہتری کے احساس اور پس و پیش کے بغیر اس کی ہدایات کی تکمیل کرو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ صحابہ جب حضور کے یہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی تمنا ہوتی کہ سب سے اخیر میں حضور سے وہی جدا ہوں۔ بسا اوقات آپ کو کوئی ایسا کام ہوتا جو تنہائی و یکسوئی کا متقاضی ہوتا تھا اور اس کی وجہ سے آپ کو بڑا حرج ہوتا، لیکن آپ اخلاقاً ان سے کچھ نہ فرماتے، اس پر یہ حکم دیا گیا کہ جب تم سے حضورؐ کی مجلس سے جانے کو کہا جائے تو چلے جایا کرو (۱) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا اگر تم سے لوٹنے کو کہا جائے

(۱) قرطبی ۱۷/۲۹۹۔

تولوٹ جایا کرو۔ حضرت قتادہ اور ضحاک کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے، جہاد کے لئے یا کسی نیک کام کے لئے تم کو بلایا جائے تو اس کو قبول کر لیا کرو (۱) ——— ان اقوال میں کوئی حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ یہ تمام باتیں آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

مؤمنوں اور عالموں کی امتیازی شان

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور علم والے ہیں مطلب یہ ہے کہ مؤمنین تو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی فرماں برداری میں شیطان اور نفس کے تقاضے آڑے نہیں آتے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کو مجلس میں وسعت دینے کا حکم دیا جاتا ہے یا نماز و جہاد کے لئے کھڑا ہونے کو کہا جاتا ہے تو اس کے لئے وہ پوری طرح تیار ہو جاتے ہیں اور اس کے انعام میں اللہ مؤمنوں کے درجات بلند کرتا ہے اور خصوصاً اہلِ علم کے درجات تو اور بھی زیادہ بلند کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی طبعی سلامتی اور فطری اطاعت و فرماں برداری کی وجہ سے مؤمنوں کے درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اہلِ علم کے لئے خصوصی درجات عطا کئے جاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے مقابلہ اللہ اہلِ ایمان کے درجات بلند فرماتا ہے اور اہلِ ایمان میں سے جو عالم نہیں ہیں، ان کے مقابلہ اللہ عالموں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ مفسر ابن کثیر نے

---

(۱) روح المعانی ۲۸/۲۸۔

بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ جب مجلسوں میں جگہ دینے کو کہا جائے تو جگہ دینے میں اور جب چلے جانے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک شان نہ سمجھو نفس و شیطان کی وجہ سے یہ خیال نہ کرو کہ ایسا کرنے میں تمہاری اہانت یا تمہارے حق میں زیادتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کے نزدیک مرتبہ بلند کرنا اور اپنی توقیر و عزت میں اضافہ ہے۔ خدا ذرہ برابر بھی نیکی کو ضائع نہیں فرماتا بلکہ اس پر دنیا و آخرت میں بدلہ دے گا۔ جو شخص احکام خدا کو تواضع و انکساری سے بجالاتا ہے اسی کے آگے گردن جھکاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ بڑھاتا ہے۔ ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ خدا کے احکام کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں۔ اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں (۱)۔

اللہ ـــــ ہر عمل سے باخبر

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ بلند مرتبہ کا مستحق کون ہے؟ اور کون نہیں؟۔

حضرت نافع بن عبدالحارث سے امیرالمؤمنین حضرت فاروق رضؓ کی ملاقات عسفان میں ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مکہ مکرمہ کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ مکرمہ میں اپنی جگہ کس کو چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن بزی کو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ وہ تو ہمارے آزاد کردہ غلام ہیں، انہیں تم مکہ کا امیر بنا کر چلے آئے ہو؟ کہا کہ ہاں، اور وہ بھی اس لئے کہ وہ خدا کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا ہے، عالم ہے اور اچھا وعظ کہنے والا

(۱) ابن کثیر ۴/۳۴۹۔

ہے، تو ایمان کی قوت، عملِ صالح پر مداومت، علم اور فہم و دانش میں تفوق اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کے مرتبہ و درجہ میں اضافہ کرتا ہے اور ایسے لوگ اس کے حقدار ہیں کہ نشست و برخواست میں ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا جائے، یہ ان کی ذات کا نہیں بلکہ ان کی نسبتِ علمی اور نسبتِ دینی کا احترام ہے ——— یہ ہدایتیں اصلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے متعلق ہیں، لیکن قرآن کی تعلیمات و احکام رہتی دنیا تک کے لئے ہے، ہر فرد ہر معاشرہ اور ہر ماحول کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اس لئے ان تعلیمات و آداب کی رعایت مسلمانوں کی تمام مجالس میں رکھی جانی چاہیئے لیکن مغربی تہذیب اور یورپی تہذیب کی اندھی تقلید میں جو طریقے مجلسوں میں اختیار کر لئے گئے ہیں وہ اسلام اور قرآن کی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ قرآنی تعلیمات و آداب سے یکسر انحراف کر لینے ہی کی وجہ سے بہت سی مجلسوں اور خصوصاً ملک کی نمائندہ مجلس دارالعوام، پارلیامنٹ اور صوبہ جاتوں کی نمائندہ مجلس قانون ساز اسمبلی وغیرہ میں گالی گلوچ، ناشائستہ حرکات، جوتے اور کرسیاں پھینکنے کے واقعات تک روزمرہ سننے میں آتے رہتے ہیں اور صدر مجلس کو آدابِ مجلس کی یاد دہانی کے لئے پولیس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ دراصل اسلامی آدابِ مجلس اور اصولِ مجلس کو نظر انداز کرنے اور فراموش کرنے ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو مجلس کے آداب کی رعایت اسی طرح کرنے کی توفیق دے جو حضورؐ کی مجلسوں میں برتی جاتی تھی جس کو صحابہؓ نے برت کر دکھایا۔ اگر واقعی ہماری مجلس اسی طرح کی ہو جس طرح کی مجلس حضرت نبی کریم علیہ السلام کی تھی۔ حضرات صحابہ کی تھی تو مجالس میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات پیش آنا بند ہو جائیں ——— وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

درس ۵ يٰٓاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ
تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ
عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ
اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ
تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي
شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ
فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (۱۲ ——— ۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کیا کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے

سے ڈر گئے؟ سو جب تم اس کو نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا کرو، اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے؟ یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ ہی ان میں ہیں اور جانتے بوجھتے وہ جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ بیشک وہ بُرے بُرے کام کیا کرتے تھے سو انہوں نے اپنی قسموں کو سِپر بنا رکھا ہے۔ پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ سو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونیوالا ہے۔ ان کے مال و اولاد اللہ سے ان کو ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، یہ اس کے رُوبرو بھی قسمیں کھا جائیں گے۔ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں اور یوں خیال کریں گے کہ کیسی اچھی حالت میں ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط .... کر لیا ہے، سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ برباد ہونے والا ہے۔" (آیت ۱۲ تا ۱۹)

ابتدائے اسلام کا ایک خصوصی حکم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اس آیتِ کریمہ میں خداوند قدوس اپنے صاحبِ وسعت اور مالدار بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ اگر تم میرے محبوب نبی سے سرگوشی کرنا چاہو، راز کی بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے میری راہ میں صدقہ وخیرات کر دیا کرو تاکہ تم پاک صاف ہو جاؤ اور اس قابل بن جاؤ کہ میرے نبی سے بات کر سکو۔ ہاں اگر کوئی محتاج یا فقیر ہو، صدقہ دینے سے معذور ہو تو اسے اللہ کی صفت مغفرت اور رحمت پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اللہ اسے معاف فرما دے گا۔

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کی اصلاح میں مشغول رہا کرتے تھے، عام مجلسوں میں واردین وصادرین بھی آپ کے ارشادات سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کی ایک صورت یہ تھی کہ بعض لوگ تنہائی میں باتیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بھی وقت مرحمت فرما دیتے تھے، تاہم ہر شخص کو الگ الگ وقت دینا ظاہر ہے آپ کیلئے دشوار اور مشکل تھا، اس کی وجہ سے آپ کے روز وشب کے معمولات میں خلل پڑتا تھا۔ وقت دینے میں آپ کی نرم روی سے منافقین کو بھی ایک ایسا حربہ ہاتھ آگیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں ذرا بھی پس وپیش نہ کرتے اور بلاضرورت کافی وقت لے لیتے تھے۔ اس کی وجہ سے مخلص مسلمانوں کو ضرورت کی باتیں کرنے کا موقع کم ہی نصیب ہو پاتا۔ کچھ ناواقف مسلمان بھی بات لمبی کر کے مجلس کو طول دے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی اور سد ذریعہ کے طور پر یہ حکم دیا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علٰحدہ بات

کرنا چاہے، وہ پہلے کچھ صدقہ کر دے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ واقعی ضرورتمند اور غیر ضرورتمند میں امتیاز ہو جائے۔ جو ضرورتمند ہوگا وہ واقعی صدقہ دے کر گفتگو کرے گا اور جو ضرورتمند نہ ہوگا اس کو گفتگو کرنے سے قبل صدقہ دینے کے لئے سوچنا ہوگا اور اس طرح کثرت سے لوگوں کے خفیہ باتیں کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ یہ حکم اس لئے بھی دیا گیا کہ حضورؐ سے باتیں کرنے سے پہلے صدقہ دے کر دل پاک وصاف ہو جائے اور حضورؐ سے باتیں کرنے کے لائق ہو جائے، کسی وزیر اعظم تک رسائی اور اس سے گفتگو کرنے کیلئے لاکھوں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، تب کہیں عرضِ حال کا موقع ملتا ہے، تو اگر حضور سے گفتگو کرنے کا یہ اصول متعین کیا گیا تو یہ کوئی بے جا بات نہیں تھی۔ تاہم یہ حکم صرف صاحبِ وسعت لوگوں کے لئے تھی۔ ایسے لوگ جو اس کی وسعت نہ رکھتے تھے اور صدقہ دینے کے اہل نہ تھے ان کو ایسی گفتگو کی ضرورت پڑتی تو بغیر صدقہ دیئے بھی اجازت عنایت فرمائی گئی تھی۔

حکم کی منسوخی

اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی طرح تنہا اور علٰحدہ گفتگو کرنے کی عادت ختم ہوگئی۔ ضرورتمند ہی آپؐ سے گفتگو کر سکتے منافقین کو تو مال و دولت سے ہی محبت تھی، صدقہ دینا بھلا ان کو کب گوارا ہوتا؟ اس لئے انہوں نے بھی اس طرح خفیہ گفتگو ترک کر دیا اور حکمِ ربانی کا منشا حاصل ہو گیا ——— لیکن اس حکم کے بعد جو صحابہ ضرورتمند ہوتے اور صدقہ کی وسعت نہیں رکھتے تھے وہ حضورؐ سے تنہائی کی کوئی گفتگو

کرنے سے ڈرنے لگے۔ اس لئے بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور مسلمانوں کو صدقہ کئے بغیر حضور سے گفتگو کی اجازت دے دی گئی، چنانچہ اگلی آیت نازل ہوگئی:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ	کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے
صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ	تو جب تم نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال
اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا	پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا کرو
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

یعنی جب تمہارے دل میں ندامت کا احساس ہوا کہ آپ کے معاملہ میں جو روش ہم نے اختیار کی تھی وہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ یہی ادب سکھلانے اور تنبیہ کے لئے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور تم کو یہ ڈر ہوا کہ اگر یہ حکم باقی رہا تو حضور سے سرگوشی اور علٰحدہ گفتگو کی نعمت سے محروم ہو جائیں گے اس لئے اللہ نے یہ حکم اٹھا لیا اور اجازت دے دی کہ صدقہ کئے بغیر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی گفتگو کر سکتے ہو۔ اب اس کے شکریہ میں تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اللہ اور اس کے رسول کے احکام و تعلیمات پر عمل کرو کہ اللہ تمہارے ہر قول و عمل سے واقف ہے۔

لیکن یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم پر سوائے حضرت علیؓ کے کسی نے عمل نہیں کیا ہے۔ خود حضرت علی فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جس پر صرف میں نے عمل کیا ہے، نہ تو اس سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ ہی اس کے بعد کسی دوسرے نے عمل کیا اور وہ یہی آیت نجویٰ ہے۔ میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اسے دس درہم کے بدلہ فروخت کر دیا۔ پھر جب جب مجھے حضور سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئی، میں نے صدقہ دے کر گفتگو کا

شرف حاصل کیا (۱) ——— حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کا آپؐ کی چہیتی صاحبزادی سے عقد نکاح، غزوۂ خیبر کے موقع پر ان کو جھنڈا دیا جانا اور آیتِ نجویٰ پر عمل پیرا ہونا، حضرت علیؓ کی یہ تین خصوصیتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سرخ اونٹ سے مجھے زیادہ پسند ہوتا (۲)۔

صدقہ کی مقدار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی سے پہلے جو صدقہ کا حکم دیا گیا تھا اس کی مقدار کیا تھی؟ کتنا صدقہ کرنے کے بعد حضورؐ سے سرگوشی کرنے کا استحقاق ہوتا تھا؟ اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت علیؓ ہی سے منقول ہے، جس میں اس کی تحدید و تعیین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری رائے میں صدقہ کی کیا مقدار ہو؟ ایک دینار ہو؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ اتنا دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپؐ نے فرمایا: نصف دینار؟ میں نے عرض کیا کہ اس کی بھی طاقت لوگ نہیں رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک جَو ہو یعنی جَو کے برابر سونا ہونا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم بڑے زاہد ہو انك لزهيد ——— کہ صدقہ کی یہ مقدار تو بہت کم ہے۔

منافقین کی ناشائستہ حرکتیں اور ان پر انتباہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اس آیت میں منافقوں کی ناشائستہ اور مفسدانہ حرکتوں کا ذکر ہو رہا ہے

---

(۱) درمنثور ۸/۸۴۔ (۲) قرطبی ۱۷/۳۰۲۔

کہ ایک طرف تو ان لوگوں نے یہودیوں سے دوستی کر رکھی ہے جن پر اللہ نے اپنی ناراضگی اور غصہ کا اظہار فرمایا۔ دوسری طرف تم سے بھی یہ لوگ تعلق کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر یقین دلانے کے لئے بے دھڑک جھوٹی جھوٹی قسمیں کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ——— اے مسلمانو! یاد رکھو نہ یہ تم میں سے ہیں اور نہ ہی ان دشمنانِ اسلام یہودیوں میں سے ہیں۔ تمہارے ساتھ اس لئے نہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان ——— اور خدا کے مغضوب بندوں کے ساتھ قلبی تعلق یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ یہ ایمان کا اقرار بھی کرتے ہیں اور مشرکوں، کافروں اور یہودیوں سے تعلق بھی رکھتے ہیں تو پھر یہ تم میں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے یہ تم میں سے نہیں۔ ما ھم منکم ولا منھم ——— اور یہ ان یہودیوں اور مشرکوں میں سے بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ ان سے بھی ان منافقین کا تعلق قلبی نہیں بلکہ مفاد کی وجہ سے ہے۔ جہاں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں وہاں ساتھ رہتے ہیں، لیکن جہاں نقصان دیکھتے ہیں تو ان کی خاطر کسی قسم کا جوکھم مول لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ شیطان کی طرح برارت کا اظہار کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ گویا نہ اُدھر کے ہیں اور نہ اِدھر کے ہیں اور مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَا اِلٰی ھٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی ھٰؤُلَآءِ.... کا پورا مصداق ہیں۔

یحلفون علی الکذب وھم یعلمون ہ مطلب یہ ہے کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد اور مراد کے غلام ہیں لیکن جھوٹی قسمیں کھا کر تم کو بھی اور رسول کے پاس آ کر ان کو بھی اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور اس کی دہائی دیتے ہیں۔ تمہارے پاس آ کر تمہاری ہی طرح باتیں کرنے لگتے ہیں لیکن دل

میں تمہارے اور رسول کے خلاف غلط جذبات رکھتے ہیں۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نبتل کے بارے میں اتری تھی، دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے اور راز کی باتیں یہودیوں سے کہہ آتے ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا کہ اب تمہارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جس کا دل ظالم کا دل ہے، جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس کے بعد ہی عبداللہ بن نبتل منافق کمرہ میں داخل ہوا جو نیلگوں چشم، گندم گوں پست قد اور ہلکی داڑھی والا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے کیوں گالی دیتے ہو؟ اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے، پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی بلایا، انہوں نے بھی جھوٹی قسمیں کھائیں کہ ہم لوگوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جھوٹے ہونے کی اطلاع دینے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی (۱)۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یعنی ان مفسدوں اور شریروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے اپنی قسموں سے دونوں کو مطمئن کر دیا ہے، مؤمنوں کو بھی اور مشرکوں، یہودیوں اور کافروں کو بھی، ہم بڑی دانشمندی سے کام لے رہے ہیں لیکن انہیں نہیں معلوم کہ یہ دانشمندانہ حرکت نہیں۔ یہ عقلمندوں کا کام نہیں، یہ ان کے لئے سامانِ ہلاکت ہے، ان کی اس شاطرانہ حرکت کے جواب میں اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے جس سے یہ دوچار ہوں گے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں پر جو بھی عذاب اس دنیا میں نازل ہوگا، اس میں یہ تو مبتلا ہوں گے ہی، ساتھ ہی آخرت میں بھی ان کیلئے

---

(۱) قرطبی ۱۷/۳۰۴۔

عذابِ دوزخ تیار ہوگا (۱)۔

جھوٹی قسموں کی ڈھال

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا ہے، لہٰذا ان کے لئے اہانت آمیز عذاب ہے۔

اہلِ عرب زبان کے بہت سچے تھے لیکن ان منافقوں نے لوگوں کو جھوٹی قسم کھانا سکھلایا، جھوٹ بولنا سکھلایا، عام لوگوں نے بھی جب دیکھا کہ جن کو ہم صاحبِ رائے اور سردار تسلیم کرتے ہیں وہ دین کے اظہار اور کفر کے چھپانے میں جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو بچاتے ہیں تو انہوں نے بھی یہی حرکت شروع کر دی اور جھوٹی قسمیں کھانے کی عادت بنالی، اس طرح سچ بولنا اور صدقِ دل سے ایمان کا اظہار کرنے سے انہوں نے روکا۔ اس سے بچنے کا ایک چور دروازہ بتلایا، اس لئے اللہ کے راستہ سے روکنا انہی منافقین کی طرف سے ہوا، لہٰذا ایسے منافقین کو ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا۔

بعض لوگوں نے اللہ کے راستہ سے جہاد مراد لیا ہے، پس اب اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو جہاد سے روکا اور روکنے کی کوشش کی ہے، اس لئے وہ اس کی سزا کے حقدار ہیں۔

کچھ بھی کام نہ آئے گا

آگے ارشاد فرمایا: لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا

---

(۱) ابن کثیر ۴/۳۵۱۔

اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ انسان پر جب کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ دو چیزوں سے اس کے دفاع کی کوشش کرتا ہے، ایک مال، دوسرے اولاد، مال کے ذریعہ مصیبتوں سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے، بیماری آتی ہے یا کوئی دوسرا بیمار ہوتا ہے تو مال سے علاج کراتا ہے، کوئی دوسرا حق چھینتا ہے تو اس حق کی وصولی کیلئے مال کا سہارا لیتا ہے، مقدمہ بازی میں مال کا سہارا لیتا ہے، جب کسی سے جھگڑے کی نوبت آتی ہے، کسی سے لڑائی کا واسطہ پڑتا ہے تو اولاد سے مدد لیتا ہے، بڑھاپے میں بیماری میں ہر مصیبت میں اولاد کام آتی ہے، دنیا کا یہی نظام ہے، ہمیشہ سے ہے اور جب تک دنیا رہے گی، یہی نظام جاری رہے گا، لیکن آخرت میں جہنمیوں اور منافقوں کو نہ تو مال کسی کام آئے گا کہ مال و دولت کے سہارے جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پالیں اور نہ ہی اولاد کام آئے گی کہ اس کی سزاؤں کا کچھ حصہ وہ برداشت کرلیں اور ان سے عذاب کی مصیبت ہلکی کردی جائے۔ اسی حقیقت کو اس آیت میں واضح کردیا گیا کہ لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ نہ تو ان کے اموال ان کے کام آئیں گے اور نہ ہی اولاد۔

آگے ارشادِ باری ہوا: اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے۔ پھر یہ بھی صراحت فرمادی کہ مؤمنوں کی طرح یہ لوگ وقتی طور پر جہنم میں نہیں جائیں گے کہ چند روز رہ کر پھر جہنم سے نکال دیئے جائیں بلکہ یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں ایک دفعہ داخل ہونے کے بعد دوبارہ نہیں نکل سکیں گے۔

بے جا خوش فہمی

یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَکُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ ۔ یعنی

جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور ان سے ان کے اعمال کا حساب کتاب لے گا تو منافقین وہاں بھی قسمیں کھائیں گے کہ ہم ہدایت پر تھے، ہم بھی مؤمن تھے اور وہ اپنی حماقت سے خود کو کامیاب و ہوشیار سمجھیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ میدان حشر میں جب تمام مخلوقات جمع ہونگی، ایک عرصہ تک میدانِ قیامت میں آفتاب کی تمازت سے لوگ سخت پریشان ہوں گے۔ بالآخر حضورؐ کی شفاعتِ عظمیٰ سے حساب کتاب شروع ہوگا اور حکم ہوگا کہ جو قوم جس کو پوجتی تھی وہ اس کے پیچھے ہو، وہاں معبودوں کی صورتیں بھی ظاہر کر دی جائیں گی، ہر ایک اپنے معبود کی طرف جھکے گا، اس کی ذات سے سفارش اور نجات کا امیدوار ہوگا اور مؤمنوں کے ساتھ منافقین بھی کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان سے مؤمنوں پر ایک طرح کی تجلّی عطا فرمائیگا اور ارشاد ہوگا کہ تم لوگ کیوں نہیں جاتے ہو؟ تو مؤمنین کہیں گے: ہمارا رب اللہ ہے، ہم اس کے ساتھ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنی صِفات کی تجلی فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، تم میرے تابع ہو جاؤ۔ مؤمنین نے تو اپنے خدا کو الوہیّت اور وحدانیت سے پہچانا ہے، وہ عرض کریں گے معاذ اللہ! ہم اپنے خدا کے منتظر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان پر حقیقی تجلی فرمائے گا تو اس وقت تمام مؤمنین سجدہ میں گر پڑیں گے لیکن منافقین کی پشت تختہ کی مانند ہو جائے گی اور یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ پھر منافقین اپنے ایمان کے بارے میں وہاں بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایمان و ہدایت پر تھے اور یہ احمق گمان کریں گے کہ ہمارا یہ جھوٹی قسمیں کھانا مفید ہوگا، وہ ہمیشہ میدانِ قیامت میں ہر موقع پر مسلمان کے ساتھ ہو کر خوش ہوں گے کہ ہم اچھے رہے کہ ہم

نے دنیا میں بھی مکر و فریب سے اپنا کام نکالا اور یہاں بھی چال چل گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔ خبردار یہ لوگ محض جھوٹے ہیں، انہوں نے دنیا میں باطل کو اختیار کیا، باطل عقائد رکھے، باطل قسمیں کھائیں اور حماقتیں کیں ۔ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں اور مزید یہ کہ وہ اپنے کو بلند درجہ بھی سمجھتے ہیں (۱)

شیطان کا گروہ

آگے ارشاد فرمایا: اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ان پر شیطان غالب ہوگیا ہے ۔ اس لئے اس نے خدا کی یاد بھلادی ہے ۔ شیطان نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے، کوئی بھی جہت نہیں جس طرف ان کے گرد شیطان نہ ہو اور جب شیطان ہر طرف سے کسی کو گھیر لے، شیطان ہی کے کہنے پر چلے تو وہ خدا کو کہاں یاد کرسکتا ہے؟ اور جو خدا کو فراموش کر جاتے ہیں، وہ شیاطین کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ جہاں تک وسوسہ ڈالنے کی بات ہے تو شیطان ہر انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے لیکن اس کا تسلط انہی لوگوں پر قائم ہو پاتا ہے جو اس کی وسوسہ اندازیوں کے لئے اپنے دل کے دروازے کھول دے ۔ جو لوگ شیطان کے مرید بن جاتے ہیں اُن کے دل سے خدا کی یاد بالکل غائب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے انجام سے بے خبر اور بے پرواہ ہو کر اس کے ہاتھ میں اپنی باگ تھما دیتے ہیں، اس طرح کے لوگ شیطان کے گروہوں میں سے ہو جاتے ہیں ۔ شیطان ان کا رہبر بن جاتا ہے، جدھر چاہتا ہے آوارہ گردی کراتا ہے ——— انسان کا شیطان سے اصل محافظ

---

(۱) مواہب الرحمٰن ۲۸/۴۸۔

خدا کی یاد اور اس کا ذکر ہے۔ خدا کے ذکر سے غافل ہونے کے بعد شیطان اسے پوری طرح اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور پھر شیطان کے قبضہ اور چنگل سے آزاد ہونا آسان نہیں، وہ گمراہی کے راستہ پر بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اَعاذنا اللہ منہ۔

درس ۶

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

(۲۰ ——— ۲۲)

ترجمہ:

جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا، غلبہ والا ہے جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے

ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔ (آیت ۲۰ تا ۲۲)

اللہ اور رسول کی مخالفت ——— ذلّت کا باعث!

جو لوگ راہ راست سے برگشتہ ہیں، ہدایت سے دُور ہیں، احکام شریعت کی اطاعت سے الگ ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز کرتے ہیں، ان کی اس مخالفت کا انجام یہی ہوگا کہ وہ ذلیل اور خوار ہوں گے۔ ربانی شفقت اور خدا کی نظرِ رحمت سے دور ہوں گے، جب بھی کوئی امّت یا جماعت فسق و فجور میں مبتلا ہوگی، ان کے دشمنوں کی طرف سے ذلت آئے گی اور ان کے دشمن غالب رہیں گے۔

یاد رکھیں کہ احکامِ الٰہی کی مخالفت دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک اعتقاد میں کہ مخالفت کرنے والا صحیح اسلامی عقیدہ نہ رکھتا ہو، توحید و رسالت پر اس کا ایمان نہ ہو، آخرت پر ایمان نہ ہو، جنت جہنم کو نہ مانتا ہو، نیکی و بدی میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہ ہو تو ایسے لوگوں کی آخرت میں تو ذلت ہوگی ہی دنیا کے اندر بھی ان کی ذلت و رسوائی ہوگی، گرچہ بظاہر کبھی وہ باعزت اور صاحبِ وقار معلوم ہوں ——— اور اگر ایسے لوگ ہوں جن کا اعتقاد انبیاء کی تعلیمات کے مطابق ہو، آخرت پر یقین رکھتا ہو، حساب و کتاب کو حق جانتا ہو، جنت و جہنم پر ایمان ہو، اعمالِ صالحہ کو تسلیم کرتا ہو،

بُرے اعمال کو دِل سے بُرا جانتا ہو لیکن ان کا عمل ویسا نہ ہو جیسا کہ نبیوں کا تھا اور جیسا کہ اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کا ہونا چاہیئے، نماز ادا کرنا فرض ہے لیکن نماز ادا نہ کرے، زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے لیکن زکوٰۃ نہ دے، رمضان کا روزہ نہ رکھے، صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے، دوسروں پر ظلم کرے، غیبت وغیرہ سے باز نہ آئے جیسا کہ ان دنوں دیکھا جا رہا ہے تو اس صورت میں گو کہ باطنی عزت اور آخرت کی عزت باقی رہے گی لیکن دنیا کی ظاہری عزت اللہ کی طرف سے چھین لی جائے گی، دنیا سے ان کا زور ختم ہو گا اور دشمنوں کے نرغے میں رہیں گے۔ یہ ضرور یاد رکھیں کہ مسلمان اسی وقت اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں جب کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، شریعت کی طرف رجوع ہوں، اگر واقعی مسلمان آج بھی کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو جائیں، اللہ اور رسول کے احکام پر چلیں، ان کے احکام کو اپنا رہبر اور زندگی کا اصل مقصود بنالیں تو آخرت میں تو عزت نصیب ہو گی ہی، دنیا میں بھی ان کو عزت نصیب ہو گی اور دنیا بھی انکو عزت کی نگاہ سے دیکھے گی، قرآن کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ میں انہی حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں اور ان کے لئے ذلت ہی مقدر ہے۔

انجام کار انبیاء کو غلبہ

آگے ارشادِ ربانی ہے: کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ط اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اللہ نے ایک سنت طے فرمادی ہے جو نہ مٹے گی اور نہ بدلے گی اور وہ سنت یہی ہے کہ اللہ، اس کا رسول اور اس کے مؤمنین پوری دنیا میں غالب

رہیں گے ۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا۔ ہم اپنے رسول اور مؤمنوں کی مدد کریں گے ، جہاں بھی حزب اللہ اور حزب الشیطان میں مقابلہ ہوگا ، وہاں اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کے مؤمنوں کا ہی غلبہ ہوگا ۔ حزب الشیطان ذلیل وخوار ہوگی ۔ اس سنت الٰہی کو قرآن نے بے شمار جگہوں پر واضح کیا ہے ۔ دنیا میں جتنے بھی رسول آئے ، جس قوم کے اندر آئے ، اس قوم کے لئے خدا کی عدالت بن کر آئے ۔ اس کے بعد اس قوم کا لازماً فیصلہ ہوگیا ۔ اگر کچھ لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق کی ، ایسے وقت اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ اس بستی سے رسول اور مؤمنوں کو علٰحدہ کر کے تکذیب کرنے والوں کو اللہ نے اپنے کسی عذاب کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا ، جیسا کہ قوم عاد ، قوم ثمود ، قوم شعیبؑ ، قوم لوط ، اور قوم موسیٰ کے ساتھ کیا گیا اور اگر ایمان والوں کی اکثریت ہوئی ، ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا تو اتمام حجت کے بعد اہل ایمان کو جہاد کا حکم دیا گیا کہ وہ تلوار اٹھائیں اور اعلاء حق سے مقابلہ کر کے ان کا زور توڑ دیں کہ زمین ان کے کفر سے ، ان کے فتنہ سے اور ان کی ناپاک حرکتوں سے پاک ہو جائے اور اہل حق کا بول بالا اور غلبہ ہو جائے ۔ انبیاء اور رسولوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر یہ صورت پیش آئی کہ مؤمنوں کو الگ کر کے منکروں اور سرکشوں کو فیصلہ کن عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا ۔ البتہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ آپؐ پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا اور ان کو حق کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے اور تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا ، وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور بالآخر حق غالب ہوا ، رسول غالب ہوئے اور مؤمنین حسب وعدہ غلبہ پا گئے اور باطل کا قلع قمع ہوگیا ۔

حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان میں مقابلہ کے وقت اللہ اور اس کے رسول ہی کا غلبہ کیوں لازمی ہے؟ اس کی دلیل ان اللہ قوی عزیز ہ کے ذریعہ بتائی گئی کہ اللہ کوئی کمزور ہستی نہیں ہے کہ مقابلہ کے وقت مغلوب ہو بلکہ وہ قوی عزیز ہے، وہ طاقتور ہے اور غلبہ والا ہے، جب اللہ اپنے بندوں کے پاس کسی رسول کو مبعوث فرماتا ہے تو وہ اللہ کا قاصد ہوتا ہے اور وہ اللہ کے احکام لوگوں تک بحسن وخوبی پہونچاتا ہے۔ اگر لوگ اس رسول کی بات مان لیں ان کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں تو وہ ان لوگوں کو زمین میں اقتدار سے نوازتا ہے، عزتیں دیتا ہے، حکومتیں دیتا ہے اور اگر لوگ اس رسول کی مخالفت کریں، اس سے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں تو وہ باغی کہلاتے ہیں اور حجت مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان باغیوں کے وجود سے اس دنیا کو پاک کر دیتا ہے، انہیں نیست ونابود کر دیتا ہے کیوں کہ ان اللہ قوی عزیز اللہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

ایک واضح کسوٹی

پھر ارشادِ باری ہوا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۝ یعنی جو لوگ اللہ، رسُول اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے باغی ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔

اس سے پہلی آیتوں میں کفار ومشرکین سے دوستی کرنے والوں پر غضبِ الٰہی اور سخت عذاب کا ذکر تھا اور اَب اس آیت میں سچے پکے مسلمان

اور منافق کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے لئے ایک کسوٹی بیان کر دی گئی ہے ایک میزان مقرر کر دی گئی ہے کہ کون حزب اللہ سے ہے اور کون حزب الشیطان سے؟ اس کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے مقابلہ میں مخلص مسلمانوں کا حال بیان فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے گہرا تعلق اور دوستی نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف ہو، اللہ کے رسول کا مخالف ہو چاہے دینِ اسلام کا مخالف، ان کے باپ، اولاد، بھائی بہن یا کوئی قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں وہ ان سے گہرا لگاؤ نہیں رکھتے۔ اللہ، رسول اور دینِ اسلام کے مقابلہ ان رشتوں کی کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے۔ تمام صحابۂ کرام کا یہی حال تھا کہ جب کوئی بات اللہ کی شان کے خلاف یا رسول اللہ ﷺ یا اسلام کے خلاف اپنے باپ بیٹے بھائی وغیرہ سے سنی تو تمام قرابتوں اور رشتوں کو فراموش کر کے انہوں نے ان کو سزا دی اور بعضوں نے قتل بھی کیا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے والد جراح غزوۂ اُحد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے آئے تو میدانِ جہاد میں بار بار حضرت ابوعبیدہ کے سامنے آتے، وہ ان کے درپے تھے، یہ سامنے سے ٹل جاتے، جب انہوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کی تو حضرت ابوعبیدہ نے ان کو قتل کر دیا، عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے بیٹے عبداللہؓ کے سامنے ان کے منافق باپ نے حضورؐ کی شان میں گستاخانہ اور ناشائستہ کلمات کہے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپؐ نے منع فرما دیا۔ غزوۂ بدر میں حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اپنے فرزند کو للکارا، غزوۂ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو قتل کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا اور حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت ابوعبیدہ

نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو لقمۂ اجل بنایا۔

وہ واقعہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے تو فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں، مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے کچھ ہتھیار جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں۔ بعید نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے، آخر یہ ہمارے ہی رشتے کے ہیں اور ہمارے ہی کنبہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رائے اس کے بالکل برخلاف پیش کی اور کہا: یارسول اللہ! جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالہ کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دیں، ہم اللہ کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں اور مشرک رشتہ داروں کی کوئی محبت نہیں، مجھے فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے، عقیل کو علیؓ کے حوالہ کر دیجئے اور فلاں کو فلاں صحابی کے حوالہ کر دیجئے (۱)۔

فسّاق و فجّار سے دوستی

اس آیت اور انہی واقعات کی روشنی میں بہت سے حضراتِ فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی درست نہیں، کام کاج میں اشتراک یا مصاحبت بقدرِ ضرورت الگ چیز ہے، دل میں کسی فاسق و فاجر کی دوستی اس وقت ہوگی جب کہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے،

---

(۱) قرطبی ۱۷/۲۰۷،

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا۔ اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر کا احسان نہ آنے دیجئے، کیوں کہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جوان کی محبت کا ذریعہ بنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی (۱)

کامل ایمان والے

آگے ارشادِ باری ہوا: اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ کہ جو لوگ اس کسوٹی پر پورے اُترنے کے لئے تیار ہوں، اپنے دل کو دشمنانِ خدا کی محبت سے خالی کردیں، مشرک رشتہ داروں سے ترک تعلق کرلیں تو درحقیقت وہی لوگ کامل ایمان والے ہیں جن کے دِلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت فرمادیا ہے، جن کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں، جن کی قسمت میں سعادت و خوش بختی لکھی جاچکی ہے اور جن کے رگ وریشہ میں ایمان رچ بس گیا ہے۔ اور جو لوگ بظاہر ایمان کے بھی مدعی ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے بھی تعلق رکھتے ہوں تو یہ لوگ صرف نام اور زبان کے مسلمان ہیں، ان کے دل ایمان کی لذت اور ایمان کی حلاوت و چاشنی سے آشنا نہیں ہوئے ہیں۔

تائیدِ الٰہی

ارشاد ہوا: وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ کہ اللہ نے اپنے فیض سے انکو قوت دی ہے، اس میں روح کی تفسیر بعض حضرات نے اس نور سے کی ہے جو اللہ کی طرف سے مؤمن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عملِ صالح کا اور قلب کے سکون و

(۱) قرطبی ۱۷/۳۰۸۔

اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے اور یہ سکون و اطمینان ہی بڑی قوت ہے، بعض لوگوں نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائلِ قرآن سے کی ہے کہ یہی مؤمن کی اصل طاقت و قوت ہے۔ بعضوں نے کہا کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل ہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا تھا: روح القدس معك روح القدس تیرے ساتھ ہے، بعض روایت میں ہے کہ جبرئیل معك جبرئیل تیرے ساتھ ہے، یعنی جبرئیل کی تائید و حمایت تمہارے ساتھ ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ذریعہ مؤمنوں کی تائید فرماتا ہے (۱)

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باپ بیٹے بھائی اور کنبہ و قبیلہ کے تعلقات و روابط دل کے ریشہ ریشہ میں رچے بسے ہوتے ہیں، ان کو کاٹ دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان کی غیرت و حمیت اور حرمت و عزت اپنے اندر رکھتے ہیں جب ان کو اس طرح کی کوئی آزمائش درپیش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی فیضِ رحمت سے ان کو قوت بہم پہونچاتا ہے اور وہ اس آزمائش میں کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں، یہی لوگ بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی بھی نکالے نہیں جائیں گے

مؤمنوں کا مرتبہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی اللہ ان کی اطاعت کی وجہ سے راضی ہوگا، کیوں کہ انہوں نے جس دین پر ایمان لایا اس کا پورا حق ادا کر دیا۔ جن آزمائشوں میں ڈالے گئے وہ اس کی بھنور سے کامیابی کے ساتھ نکل گئے اس دنیا میں اللہ اپنے بندوں سے جن اعمال و اقوال اور اخلاق و کردار کا مظاہرہ

---

(۱) قرطبی ۱۷/۹—۳۰۸۔

چاہتا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اسی کردار کا مظاہرہ کیا۔ اس لئے خداوند قدوس ان سے بے حد خوش ہو کر کہے گا ہم تم سے راضی ہو گئے، ہم نے جو چاہا تم نے کر دکھایا۔ اَب تم ہم سے جو چاہو گے وہ تمہیں ملے گا۔ وہ بھی اللہ کی طرف سے اس بھرپور جزا پر راضی ہوں گے، کیوں کہ انہوں نے اپنے رب کے جن وعدوں کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی دنیاوی زندگی گذاری اور دنیاوی عیش و آرام کو جن کے لئے تج دیا۔ جب وہ وعدے ان کے قیاس اور امیدوں سے کہیں بڑھ کر ان کے سامنے پورے کئے جائیں گے تو ان کے دل کا ہر ارمان پورا ہوگا اور وہ خوشی سے نہال ہو جائیں گے۔ ورضوا عنہ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ نے دنیا میں ان کے لئے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ اس پر بالکل خندہ پیشانی اور خوش دلی سے راضی ہیں۔

اُولئك حزب اللہ یہی اللہ کے گروہ اور خدائی لشکر ہیں۔ اس کے دین کے مددگار ہیں، اس کے اوامر و نواہی کے پابند ہیں، یہی گروہ فلاحِ دارین حاصل کرنے والے ہیں، دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہونے والے ہیں، اور ہر خوف سے مامون و محفوظ ہیں، الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہم تمام حاضرین اور تمام مسلمانانِ عالم کو حزب اللہ میں داخل فرمالے اور دنیوی و اُخروی دونوں کامیابیوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

سوال و جواب

حضورؐ کی شفاعت سے استغنار

سوال: دو بہنوں میں باہم لڑائی ہوگئی، ایک نے قسم کھالی کہ اگر اب میں تیرے گھر آئی تو حضورؐ میری شفاعت نہ کریں گے ——— اب وہ اپنی قسم پر نادم ہے اور بہن کے گھر جانا چاہتی ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟۔

اولاً تو یہ قسم ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ شریعت میں وہ قسم "قسم" کہلاتی ہے جو لفظ اللہ یا صفاتِ الٰہیہ میں سے کسی صفت کا نام لے کر کھائی جائے مثلاً واللہ، باللہ، والرحمٰن یا میں اللہ کی عزت اور جاہ و جلال کی قسم کھاتا ہوں وغیرہ ——— اللہ کے نام یا صفات کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے نام سے قسم کھانے کی نہ تو شرعاً اجازت ہے اور نہ ہی شریعت اس کو قسم قرار دیتی ہے، اس لئے اس عورت کی تو یہ قسم ہوئی ہی نہیں (۱)۔

اور جہاں تک شفاعت کی بات ہے تو اس سے انکار اور استغنار برتنا نہایت خطرہ کی بات ہے، کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ سے بے تعلقی اور بے نیازی کا اظہار کرے، علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں شفاعت کی

(۱) ہدایہ ۲/۴۷۹۔

پانچ قسمیں ذکر کی ہیں۔ ایک تو آپؐ کی وہ شفاعت ہوگی جو قیامت کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے بچانے کے لئے بارگاہِ خداوندی میں فرمائیں گے، دوسری آپؐ اپنی امت کے بعض افراد کے بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کرنے کے لئے فرمائیں گے، تیسری قسم کی سفارش ان گنہ گاروں کے لئے ہوگی جو دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں گے، چوتھے جو مسلمان جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے ان کو جہنم سے نجات دلانے کے لئے آپؐ شفاعت فرمائیں گے، پانچویں جنتیوں کے ترقی درجات کے لئے بارگاہ خداوندی میں سفارش فرمائیں گے (۱)

ظاہر ہے کوئی بھی مسلمان چاہے وہ نیک ہو یا بُرا، آپ کی ان شفاعتوں میں سے کسی سے بھی استغناء و بے نیازی نہیں برت سکتا۔ اس لئے اس عورت کا حضورؐ کی شفاعت سے استغناء اور بے نیازی کا اظہار اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسے توبہ کرنا چاہیئے اور آئندہ اس طرح کے کلمات نہ نکالنے کا عزم کرنا چاہیئے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا

سوال: کوئی آدمی غیر اللہ کی قسم کھالیتا ہے، مثلاً بچہ کی قسم، باپ کی قسم، ماں کی قسم، پیر کی قسم، استاذ صاحب کی قسم، پیر صاحب کے سر کی قسم، تیرے سر کی قسم وغیرہ، تو اس طرح قسم کھانا کیسا ہے؟

جواب: یہ اللہ کے ساتھ شرک ہے اور شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں، قرآن نے کہا: ان الشرک لظلم عظیم ( ) اس لئے قسم کھائی جائے تو صرف اللہ کی، غیر اللہ کی قسم کھانا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی ہے، جو شخص اس طرح قسم کھائے اسے توبہ و استغفار کرنی چاہیئے۔

---

(۱) نووی علی مسلم ۱/۱۰۴۔

جالی پکڑ کر سلام کرنا

سوال : اگر ہم مدینہ منورہ میں ہوں اور مزارِ اقدس پر ہدیۂ سلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں تو اس وقت جالی پر ہاتھ لگانا کیسا ہے ؟

جواب : بدعت ہے اور یہ عمل خیر القرون سے ثابت نہیں ہے، نہ خلفاء اربعہ کے زمانے میں کوئی جالی تھی اور نہ ہی تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں، یہ سالہا سال بعد لگائی گئی ہیں اس لئے ایسا کرنا بدعت ہے[1]!

سلام کرتے وقت کہاں کھڑا ہونا چاہیے ؟

سوال : کیا مزارِ اقدس کی زیارت اور ہدیۂ سلام پیش کرنے کے لئے دور کھڑا ہونا چاہیے ؟

جواب : بارگاہِ نبوی میں سلام عرض کرنے میں چند باتوں کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے کہ سلام بھیجنے والا ادب سے کھڑا ہو، ایسے وقت جائے کہ شور و غل نہ ہو، آواز اتنی بلند نہ کرے کہ جس سے بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو، خشوع اور خضوع کے ساتھ قبر پر جائے قبلہ رخ ہو کر آپؐ کے سر کے پاس کھڑا ہو اور ادب کے ساتھ سرورِ کائنات آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیۂ سلام پیش کرے۔

میرا چشم دید واقعہ ہے کہ بعض لوگ مسجد نبویؐ سے دور ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور درود و سلام بھیجنا شروع کر دیتے ہیں، یہ عمل حدیث سے ثابت نہیں ہے اگر کسی کو درود و سلام بھیجنا ہی ہو تو پھر مزار شریف میں جا کر سلام پڑھے، اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتے ہوئے دور سے سلام بھیجتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۶۵ بیروت۔

کو سن رہے ہوں گے تو کہیں سے پڑھ لے، مسجد نبوی آنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو پھر دور سے کھڑا ہو کر سلام کیوں بھیج رہا ہے؟ روضۂ نبوی کی زیارت کے موقع پر دور سے کھڑے ہو کر سلام بھیجنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

عورتوں کا عیدگاہ جانا

سوال: فقہ کی کتابوں میں عورتوں کو عیدگاہ جانے سے روکا گیا ہے جبکہ بعض احادیث سے عورتوں کا عیدگاہ جانا ثابت ہے، دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: فقہاء نے عورتوں کو عیدگاہ جانے سے منع کیا ہے، انہیں وہاں جانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ جہاں تک حدیث سے عورتوں کے عیدگاہ جانے کا ثبوت ہے تو یہ ابتدا اسلام کا اور اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ خیر کا زمانہ تھا اور فسق و فجور اور بدنگاہی کی وبا عام نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب جب کہ ہر طرف شرور و فتن کا دور دورہ ہے اور صنفِ نازک کی طرف شہوانی جذبات کے ساتھ نگاہیں ڈالنا کوئی نیا واقعہ اور تعجب خیز بات نہیں رہ گئی ہے، عورتوں کو عیدگاہ جانے سے روکا جائے گا۔ حضرت عائشہ نے انہی حالات کے پیش نظر فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں عورتوں کے اس جذبۂ خود نمائی کو دیکھ لیتے تو انہیں عیدگاہ جانے سے منع فرما دیتے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے چودہ سو سال قبل ہی عورتوں کے باہر نکلنے کی اجازت نہ دینے کا خیال ظاہر فرمایا تھا اب تو اور بھی سختی سے اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے اور انہیں عیدگاہ جانے سے روکنا چاہیے۔

"اوّل ما خلق اللہ نُوری" موضوع ہے؟

سوال: کیا "اوّل ما خلق اللہ نُوری" والی حدیث ثابت نہیں ہے؟

جواب: جی! اوّل ماخلق اللہ نوری والی حدیث ضعیف ہے۔ اگر آپ کو کہیں ملی ہو کہ وہ حدیث صحیح ہے تو مجھے دکھلا دیں، اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی، یہ ایک علمی مسئلہ ہے، میں نے تو بڑے ادب اور نہایت نرم الفاظ میں کہا ہے، بعض علماء نے تو اس کو حدیث میں شمار ہی نہیں کیا ہے اور بعض نے تو اسی کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو جعفر نامی راوی ہیں جن کی عادت ہی حدیثیں وضع کرنے اور گھڑنے کی تھی۔

نور محمدی کی تخلیق

سوال: کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں تھے کہ حضورؐ کے نور کو پہلے پیدا فرما دیتے؟

جواب: یہاں بحث اللہ کی قدرت سے نہیں ہو رہی ہے۔ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے، وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پہلے تمہیں وجود بخشتا، پھر وہ دوسروں کو وجود میں لاتا، احادیث میں آتا ہے کہ اول ماخلق اللہ القلم فقال لہ اکتب ماکان ومایکون وماھو عائن الی یوم القیامۃ کہ اللہ نے سب سے پہلے تقدیر کے قلم کو پیدا کیا، قرآن میں فرمایا گیا ھوالذی خلق السموات والارض ثم استوی علی العرش کہ اللہ نے سب سے پہلے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح سب سے پہلا انسان آپ کس کو کہتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ انسانوں میں سب سے اول حضرت آدم ہی ہیں اور انہی کو سب سے پہلے پیدا کیا غرض کہ اپنی مخلوقات میں بعض کو بعض حیثیت سے خداوند قدوس نے پہلے پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر تھا اور ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ایک شعر سے متعلق سوال

سوال:

ابد تک ہو ترے سر پر معین الدین کا دامن — قیامت تک پھلے پھولے تیری امید کا گلشن
ہر درد کی دوا ملی ہے ان کے نام سے — دیتا ہے ہر مراد خدا ان کے نام سے
قبول نظر ہو مقبول بندگی ہو جائے — نہ حاضری ہو تو اس طرح حاضری ہو جائے

"اجمیر کے گدی نشینوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر یہ شعر لکھا ہے، اس شعر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ مشرکانہ شعر نہیں ہے؟"

جواب: میرا تو خیال ہے کہ شاعر کے بقول حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سب سے پہلے پیدا ہوئے کہ اگر وہ پہلے پیدا نہ ہوئے ہوتے تو ان کا دامن ان لوگوں پر نہیں رہا جو گیارھویں صدی سے پہلے گذر چکے اور وہ تو گویا محروم ہو گئے، انتہائی احترام کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اللہ کے ولی اور بزرگ صفت انسان تھے، اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے لیکن بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لوگوں نے ان کے نام پر بہت ہی مشرکانہ اعمال اور مشرکانہ اقوال کہنے شروع کر دیئے ہیں۔ بھلا اسی شعر کو دیکھئے کہ اس سے صاف شرک کی بو آتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

خضاب لگانا

سوال: خضاب لگانا کیسا ہے؟

جواب: داڑھی میں خالص سیاہ خضاب لگانا ناجائز ہے اور آپؐ نے اس کو ناپسند فرمایا ہے، ایک موقع پر ارشاد ہوا کہ سیاہ خضاب کے استعمال سے اجتناب کرو ——— لیکن اگر مہندی اور زرد رنگ کے خضاب داڑھی میں لگائے جائیں تو جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں[1]، البتہ دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے مجاہدین اسلام کو اس کی اجازت دی گئی

(۱) عالمگیری ۵/۳۵۹، الباب العشرون فی الزینۃ، کتاب الکراہیۃ۔

ہے کہ وہ سیاہ خضاب استعمال کریں، عام حالات میں اس کی اجازت نہیں۔

بلوغ کے بعد ختنہ

سوال:۔ اگر کوئی نوجوان یا بوڑھا غیر مسلم اسلام قبول کرلے تو اس کا ختنہ کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: ختنہ کرانا حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ آپؑ نے کبرسنی ہی میں ختنہ کروایا تھا اور آپ ہی سے یہ سنت اب تک چلی آرہی ہے۔ اگر کوئی شخص کبرسنی میں اسلام لایا ہو تو اس کا ختنہ کرا دینا بہتر ہے کہ اس سے ارتداد کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اتفاقاً غیر مختون رہ جائے تو اس کو ختنہ کرنے کے لئے سختی برتنا بھی مناسب نہیں، ہاں اگر کوئی عناداً ختنہ نہ کرائے تو اس کو ختنہ کرانے کیلئے مجبور کرنے میں بھی مضائقہ نہیں۔

ٹخنہ سے نیچے پاجامہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال: نماز کی حالت میں جن لوگوں کے شلوار اور پاجامے ٹخنہ سے نیچے ہوتے ہیں، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن ٹخنہ سے نیچے پاجامہ اور شلوار پہننا بہت بڑا گناہ ہے، احادیث میں اس سلسلہ میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی سخت تاکید فرمائی ہے اس لئے اس کا خاص اہتمام کیجئے کہ آپ کے پاجامے نماز تو نماز، عام حالات میں بھی ٹخنہ سے اُوپر ہی ہوں۔

لیکن مشکل یہ ہوگئی ہے کہ آج مَردوں کی شلوار نیچے ہوگئی ہے اور عورتوں کی ذرا اوپر ہوگئی ہے، اَب ہم کیا کریں؟ عورتوں کے کپڑے اُوپر ہوتے جارہے ہیں

اور مَردوں کے نیچے ہوتے جارہے ہیں، اصل میں مسلمانوں نے یہ ذہنی فیصلہ کرلیا ہے کہ ہر نئے فیشن کو اپنائیں گے۔ اگر پاجامے بڑا ہونا فیشن ہوجائے تو سب بڑے بڑے پاجامے رکھنا شروع کردیں گے، تنگ پاجامے کے استعمال کا نیا فیشن ہوجائے مسلمان تنگ رکھنا شروع کردیں گے، نیچے کرکے کپڑے استعمال کرنے کا فیشن ہوجائے تو نیچے پہننا شروع کردیں گے اور اگر اوپر پہننے کا فیشن ہو تو اوپر پہننا شروع کردیں گے اور اب لمبے کرتے کا استعمال فیشن بن گیا ہے تو لمبے رکھنے لگے ہیں، اگر چھوٹا ہوجائیگا تو چھوٹا رکھنا شروع کردیں گے۔ غرض کہ اہلِ مغرب جو کریں گے یہ بھی اسے کرنے کو تیار رہیں گے یا اہلِ باطل جو بھی نیا فیشن نکال دیں مسلمان انہیں اپنانے میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔

بہت ہی افسوس ناک صورتحال مسلمانوں کی ہوچکی ہے اور اس پر انا للہ پڑھنے اور ہدایت کی دُعا کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا ہے ——— دعا ہے کہ اللہ انہیں شعائرِ اسلام کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامِ امن کیلئے دُعا کی درخواست

سوال: الحمدللہ میں ایک محب وطن پاکستانی ہوں، لیکن وہاں کی بدامنی سے بے حد خدشات میرے دل میں جنم لیتے رہتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ ہمارے ملک میں قتل و غارت گری اور خون خرابہ کے دور دورہ کے ختم ہونے کے لئے ہم پاکستانیوں کی دُعا کی درخواست امام حرم کی خدمت میں پہنچادیں تاکہ ہمارے ملک میں قیامِ امن کے لئے حرم جیسی مقدس جگہ میں بارگاہِ خداوندی کے حضور فریاد سنائی جاسکے۔

جواب: درخواست کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ ائمہ حرم آپ ہی کے ملک کی امن وسلامتی کے لئے زیادہ تر دعائیں کرتے رہتے ہیں لیکن دعاؤں کو بھی اسی وقت منظور کیا جائے گا جب کہ ہمارے اقوال، ہمارے اعمال اور ہماری معاشرتی زندگی ٹھیک ہو ——— ایک آدمی شادی ہی نہ کرے اور مولوی صاحب سے کہے کہ میرے لئے اولاد کی دُعا فرما دیجئے تو کیا اسے اولاد مل جائے گی؟ آپ شادی نہ کریں اور غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا کریں، اے اللہ مجھے بچہ دیدے تو کیا آپ کو بچہ مل جائے گا؟ نہیں۔ بلکہ حصولِ اولاد کے لئے شادی کرنی ہوگی، اس کے بعد ہی آپ کو اولاد مل سکے گی ——— اسی طرح اگر آپ اجتماعی طور پر توبہ کریں، مغفرت طلب کریں، اللہ کے حضور گریہ وزاری کریں اور قلب کی گہرائی سے ندامت و شرمندگی کے اظہار کے ساتھ اپنے کئے ہوئے پر معافی طلب کریں تو خداوند قدوس راضی ہوگا، پھر اس ملک میں امن قائم ہوگا۔

یہ بدامنی، قتل وغارت گری اللہ کے عذاب کی ظاہری علامات ہیں۔ بھلا جس ملک میں کلامِ الٰہی کا استہزار ومذاق اڑایا جائے، جس ملک میں پردے کی حکمِ شرعی کو عورتوں پر ظلم قرار دیا جائے، جس ملک میں "رجم وسنگساری" کو ظالمانہ سزا کہی جائے جس ملک میں زنا آرڈی ننس کو وحشیانہ کہا جائے اس ملک میں چین وسکون کی فضا کیسے قائم ہوسکتی ہے اور اس ملک کے باشندہ امن وامان اور چین وسکون کی سانس کیسے لے سکتے ہیں؟؟

میلاد کی شرعی حیثیت

سوال: میلاد کرنا کیسا ہے؟

جواب: بالکل بدعت ہے، اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے اور نہ ہی احادیث سے، نہ یہ

صحابہ نے کیا اور نہ ہی کسی اہلِ سنت نے، جس کام کو نہ حضورؐ نے کیا ہو اور نہ صحابہ نے دین میں سمجھتے ہوئے اس کو ثواب کی نیت سے کرنا ہی بدعت کہلاتا ہے۔ حضورؐ سے عقیدت ہم سے زیادہ صحابہ کو تھی، تابعین کو تھی، تبع تابعین کو تھی، اپنی بے پناہ عقیدت کے باوجود کبھی بھی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی نے بھی میلاد نہیں کی ہے، چھ صدی گذر جانے کے بعد ایک بادشاہ نے اس کو رواج دیا تھا، اسلئے یہ بدعت ہے، البتہ مروجہ رسوم ورواج کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا بیان کرنا عینِ سعادت ہے اور لازمی ضرورت بھی۔

حضرت ابراہیم اور حضرت حوّا کی قبریں

سوال: حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت حوا کی قبریں کہاں ہیں؟

جواب: کیوں؟ طواف کرنا ہے، خدا کے بندے مکہ آکر بھی قبر پرستی نہیں گئی، کیا قیامت میں آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ ان کی قبریں کہاں تھیں، تم پوچھنے کی وجہ بتادو، میں قبروں کا پتہ بتادوں گا۔

بے وضو قرآن چھونا

سوال: نیند سے بیدار ہونے کے بعد قرآن کو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بے وضو قرآن پڑھنے کی ایک حد تک اجازت ہے لیکن ہاتھ لگانے کیلئے وضو کرنا ضروری ہے، چوں کہ عام طور پر نیند سے بیدار ہوتے وقت آدمی باوضو نہیں رہتا ہے اس لئے نیند سے بیدار ہونے کے بعد فوراً قرآن چھونا درست نہیں نیز آدابِ تلاوت میں سے باوضو ہونا بھی ہے اس لئے بے وضو قرآن بھی نہیں پڑھنا چاہیئے کہ قرآن کے غایت ادب کا تقاضا یہی ہے (۱)

(۱) ھدایہ ۱/۴۸۔

گھوڑے کا کھانا

سوال: گھوڑا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

جواب: گھوڑے کے حلال ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، امام شافعی، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، کوئی حرج نہیں (۱)

خط اور ٹیلیفون سے طلاق

سوال: میں نے چھ مہینہ قبل ہی اپنی بیوی کو کہہ دیا تھا کہ اپنے میکہ چلی جا، ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا، اب وہ گئی یا نہیں؟ مجھے نہیں معلوم، میں یہاں چلا آیا، آنے کے بعد دو تین مرتبہ فون پر طلاق دی اور خط میں بھی تین طلاق لکھ کر بھیج چکا ہوں ——— ان حالات میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جب کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس نے وہ خط پڑھا بھی ہے یا نہیں؟

جواب: عورت کو طلاقِ مغلظہ پڑ گئی، چاہے بیوی نے خط پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو، کیوں کہ طلاق کا اختیار صرف مردوں کو دیا گیا ہے، جب اس نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی ——— اور اب بدرجۂ مجبوری اس کے حلال ہونے کی صرف یہی شکل ہے کہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے، وہ اس سے ہم بستر ہو، اس کے بعد دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے، پھر عدت گذر جائے تو اب پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں اور اگر دوسرا شوہر طلاق نہ دے

---

(۱) ہدایہ ۴/۴۴۱۔

تو یہ اس کی مرضی ہے۔

قضاءِ عمری کا طریقہ

سوال: میری عمر بیس برس سے بھی زیادہ ہے اور اس درمیان بہت سی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کو کس طرح ادا کریں اور کیا طریقہ کار اختیار کریں؟

جواب: اللہ سے توبہ و استغفار کرتے رہیں اور جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں، ان کی قضا کرتے رہیں، ان کی قضا کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی فرض نماز پڑھنے آئیں، اس وقت کی فوت شدہ نماز ادا کرلیں اور آئندہ نماز نہ چھوڑنے کا عزمِ مصمم کرلیں۔

ایک شعر کی تحقیق

سوال: مُردوں کو زندہ کر دیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو ذرا دیکھیں ابن مریم سے،
یہ شعر حضرت گنگوہیؒ کا ہے لیکن حضرت گنگوہی جیسے موحد اور توحید کے علمبردار شخصیت نے یہ شعر کہا ہو، سمجھ میں بات نہیں آتی۔

جواب: دراصل شعر میں مردہ سے حقیقی مردہ مراد نہیں ہے جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے قلوب شرک و کفر کی وجہ سے مردہ ہو گئے تھے تو اللہ کے نبی نے ان کے مردہ قلوب میں دوبارہ جان ڈال دی۔ اس شعر میں اسی کو تشبیہ سے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ کر دیا لیکن آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کافروں کے مردہ قلوب کو نورِ ایمان سے منور کر کے حقیقی زندگی عطا کی، شعر کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہیں حقیقی زندگی دینے کے اختیارات دیئے گئے تھے۔

مقتدی امام کے پیچھے کیا پڑھے

سوال: مقتدی امام کے پیچھے کیا کیا پڑھے؟

جواب: آپ حنفی ہیں تو چپ کھڑے رہیں، قرارت نہ کریں، صرف رکوع وسجود کی تسبیحات پڑھیں، ثنا پڑھیں اور اگر آپ شافعی ہیں یا اہلِ حدیث ہیں تو رکوع وسجود کی تسبیحات کے ساتھ قرارت بھی ضرور کریں۔

مسئلہ طلاق

سوال: اگر کسی شخص کی روزانہ بیوی سے لڑائی ہوتی رہتی ہو اور شوہر کئی مرتبہ گھر سے نکال چکا ہو لیکن پھر بھی آجاتی ہو تو اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: جب تک طلاق نہ دی جائے اس وقت تک گھر سے نکالنے سے کچھ نہیں ہوتا البتہ شوہر کو ایسے موقع پر چاہیئے کہ فہمائش سے کام لے اور شریعت کی حد بندیوں اور طلاق کی پیش بندیوں کو ضرور اختیار کرے، اگر ان طریقوں سے بھی تعلقات استوار اور اصلاحِ حال نہ ہو سکے تو طلاق دیدے۔

نیکی کی ترغیب

سوال: میں آپ کا درس ہمیشہ سنتا رہتا ہوں، گھر جا کر گھر کے افراد کو نماز کی تلقین بھی کرتا ہوں لیکن گھر کے دوسرے افراد کہتے ہیں کہ کس نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے، آپ ہی فرمائیں، اب میں کیا کروں؟

جواب: اگر نماز پڑھنے سے دماغ خراب ہوتا ہے تو خراب ہی رہے، جو نہیں پڑھتے اللہ انہیں توفیق دے البتہ تم مسلسل اس کی تلقین کرتے رہو تاکہ کم از کم تمہیں نماز کی

ترغیب دلانے کا ثواب ملتا رہے۔

اسلامی نظام کا نفاذ

سوال: "کیا اس کرۂ ارضی پر کوئی ایسا ملک ہے جہاں اسلامی نظام مکمل طور پر نافذ ہو؟"

جواب: جی ہاں! جہاں ہم بیٹھے ہیں، یہاں مکمل نظام اسلامی ہے اور تمام فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوتے ہیں۔ دعا کرو، باقی ملکوں میں خدا تعالیٰ اسی طرح قرآن و سنت کے مطابق قوانین کے نفاذ کا موقع فراہم کر دے۔

ایک واقعہ سے متعلق استفسار

سوال: ایک مولوی صاحب سے سنا ہے کہ ایک شیر بکری لے گیا تھا پھر اس نے واپس کر دی، کیا یہ واقعہ درست ہے؟

جواب: کسی حدیث میں یہ واقعہ مذکور نہیں ہے۔

حالتِ احرام میں سگریٹ نوشی

سوال: حالتِ احرام میں سگریٹ نوشی سے دم لازم آتا ہے یا نہیں؟

جواب: سگریٹ پینے میں بیک وقت کئی نقصانات ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ صحت کیلئے بہت مضر ہے، دوسرے اس میں بلا ضرورت رقم خرچ ہوتی رہتی ہے، تیسرے اس میں ایک طرح کا نشہ ہے اور نشہ نوشی حرام ہے اس لئے سگریٹ نوشی حرام ہے، عالم عرب میں کئی علماء نے اس کی حرمت پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس سے دم لازم نہیں آتا ہے۔

حج بلا اجازت کمپنی

سوال: کمپنی کی اجازت کے بغیر کسی نے حج کیا تو ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: حج تو بہر حال ادا ہو جائے گا تاہم اگر اس شخص پر حج فرض تھا تو کسی غیر معمولی عذر کے بغیر کمپنی کا روکنا مناسب نہیں اور حج نفل ہے تو کمپنی کی اجازت کے بغیر حج کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

عورت کا مرغی ذبح کرنا

سوال: عورت مرغی ذبح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! کر سکتی ہے اور کیوں نہیں کر سکتی؟ کیا وہ مسلمان نہیں ہے (۱)۔

خطبۂ جمعہ کا سننا

سوال: خطبۂ جمعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اور وہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔

خطبہ کے وقت سنت پڑھنا

سوال: خطبہ کے دوران سنتیں پڑھنی جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔

نماز کی فرضیت

سوال: نماز کی فرضیت کہاں ہوئی تھی؟

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۱/۴۵۲۔

جواب: نماز کی فرضیت کا حکم شبِ معراج میں دیا گیا تھا اور باقاعدہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم مدینہ منورہ میں دیا گیا تھا۔

میقات پر احرام نہ باندھنا

سوال: میں طائف گیا تھا لیکن واپسی پر احرام نہیں باندھ سکا، اب میں کیا کروں؟

جواب: مکہ میں رہنے والا شخص اگر میقات سے باہر کسی ضرورت کے لئے جائے تو واپسی میں احرام باندھنا اس کے لئے ضروری نہیں ہے، اگر احرام باندھے بغیر واپس آجائے تو اس پر نہ عمرہ کی قضا لازم ہے اور نہ کوئی دم۔

اگر آفاقی ہو اور حج وعمرہ کے علاوہ کسی دوسری ضرورت سے مکہ میں آیا ہو تو احرام باندھے بغیر آسکتا ہے، اس پر بھی دم لازم نہیں آئے گا لیکن اگر حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو تو احرام باندھے بغیر داخل ہونا درست نہیں، احرام باندھے بغیر داخل ہو جائے تو دم لازم آئے گا (۱)۔

جمعہ کی سنتیں

سوال: جمعہ میں کتنی سنتیں ہیں؟

جواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس طرح ظہر سے قبل چار رکعتیں ہیں اسی طرح جمعہ سے قبل بھی چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں ہیں، امام ابو یوسفؒ کے یہاں جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت ہیں۔ جن میں سے پہلی چار رکعت ایک سلام سے اور بعد کی دو رکعت ایک سلام سے پڑھی جائیگی (۲) لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک جمعہ سے قبل بھی دو رکعت اور جمعہ کے بعد بھی دو رکعت ہے (۳)۔

---

(۱) ردالمحتار ۲/۲۴۴، بدائع ۲/۱۶۲۔

(۲) مجمع الانہر ۱/۱۳۰، بدائع ۱/۲۸۵۔

(۳) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۴۰۔

کتابیات

(دروسِ حرم کی ترتیب و تخریج میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے)

اسمارِ کتب	اسمارِ مصنفین	مطبع
روح المعانی	سید محمود آلوسی بغدادی	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء
درمنثور	جلال الدین سیوطی	دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء
ابن کثیر	ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی	دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء
قرطبی	محمد بن احمد انصاری القرطبی	دار الکتب المصریہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء
احکام القرآن	ابو بکر احمد بن علی رازی الجصاص	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء
مواہب الرحمان	مولانا سید امیر علی	مطبع نامی نول کشور لکھنؤ (ہند) ۱۹۲۶ء
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	ادارۂ تفسیر القرآن دہلی
جلالین	جلال الدین محلی اور سیوطی	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	مختار اینڈ کمپنی دیوبند (ہند) ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء
سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	" " " " " "
سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی	اشرفی بک ڈپو دیوبند ۱۳۸۱ھ
بیہقی	ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۲ء
مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی	المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء
مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ	دار السلفیہ مومن پورہ بمبئی (ہند) ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء
منہاج الصالحین	عز الدین بلیق	دار الفتح بیروت ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء
مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی	کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ

اسمارکتب	اسمارِ مصنفین	مطبع
عینی فی شرح البخاری	بدرالدین محمود بن احمد عینی	دارالفکر بیروت
ابوداؤد	سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی	مختار اینڈ کمپنی دیوبند انڈیا ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۵ء
نووی شرح مسلم	ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی	" " " " " ۱۹۸۶ء
بدایۃ المجتہد	محمد بن رشد قرطبی	دارالمعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء
ھدایہ	برہان الدین مرغینانی	کتب خانہ رشیدیہ دھلی
بدائع	علامہ کاسانی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان
قاضی خاں	فخرالدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی	داراحیاء التراث العربی بیروت
مجمع الانہر		
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	عبدالرحمٰن جزیری	داراحیاء التراث العربی بیروت
الفتاوی الہندیہ	مرتبہ عہد عالمگیری	داراحیاء التراث العربی بیروت

اِس کتاب سے

"آپ خود اندازہ کریں کہ ملازمت کرتے ہیں تو کم از کم آٹھ گھنٹے آپ کو ڈیوٹی دینی پڑتی ہے اور آپ کو دو ہزار، چار ہزار، دس ہزار، بیس ہزار تنخواہ ملتی ہے تو جس خالق و مالک نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ اگر چوبیس گھنٹے میں چند منٹ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کیلئے فارغ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ ہمارے ذہن پر گراں اور شاق گذرتا ہے، تنخواہ دینے والا ہم سے آٹھ گھنٹے ڈیوٹی مانگتا ہے، ہم اس کی ڈیوٹی اور اس کے احکام کی پابندی کرنے کے پابند ہوتے ہیں جب کہ نہ وہ ہمارا خالق ہے نہ ہی وہ ہمارا مالک ہے اور نہ ہی رازق بلکہ وہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے اور وہ ذات جس نے بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ہے، جس نے ہمارے ہی فائدے کیلئے یہ زمین و آسمان، چاند اور سورج، دریا اور خشکی، یہ لہلہاتی کھیتیاں اور نہ جانے کتنی عظیم اور بے شمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، وہ دن میں صرف پانچ بار اپنے دربار میں سر جھکانے، مقدارِ نصاب مال ہونے پر سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ دینے، سال میں صرف ایک ماہ روزہ رکھنے اور قدرت و استطاعت ہونے پر عمر بھر میں صرف ایک ہی بار بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیتا ہے، تو کیا اس حکم کے سامنے ہمیں اپنا سرِ تسلیم خم نہیں کر دینا چاہیے؟ اس کے منعم حقیقی اور خالق ہونے کا تقاضہ یہی ہے کہ ان کے احکام پر بلا چون و چرا عمل پیرا ہوا جائے، احکام بجا لائے جائیں اور ان کے احکام سے روگردانی سے احتراز کیا جائے۔"

(مؤلف)

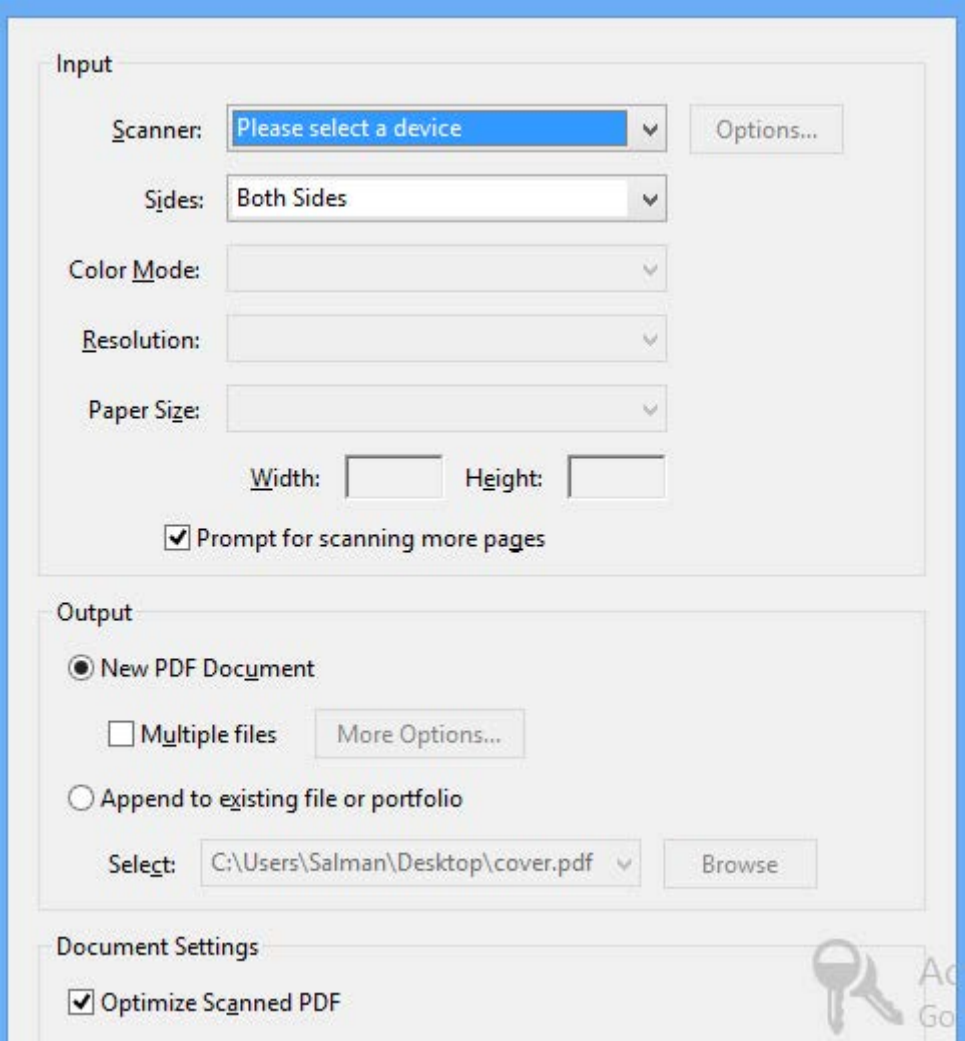
Input
Scanner:
Please select a device
Options...
Sides:
Both Sides
Color Mode:
Resolution:
Paper Size:
Width:
Height:
Prompt for scanning more pages
Output
New PDF Document
Multiple files
More Options...
Append to existing file or portfolio
Select:
C:\Users\Salman\Desktop\cover.pdf
Browse
Document Settings
Optimize Scanned PDF